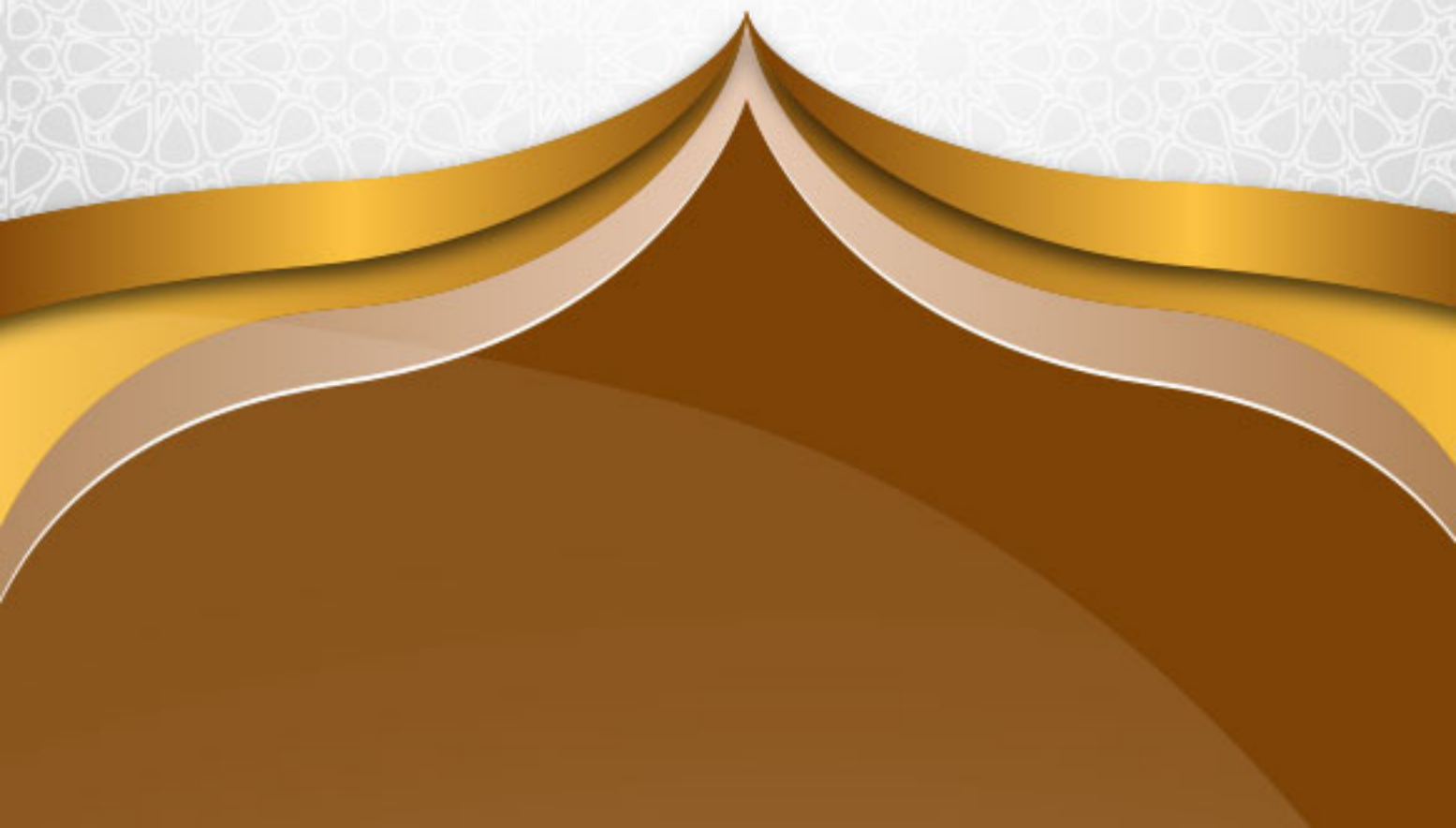
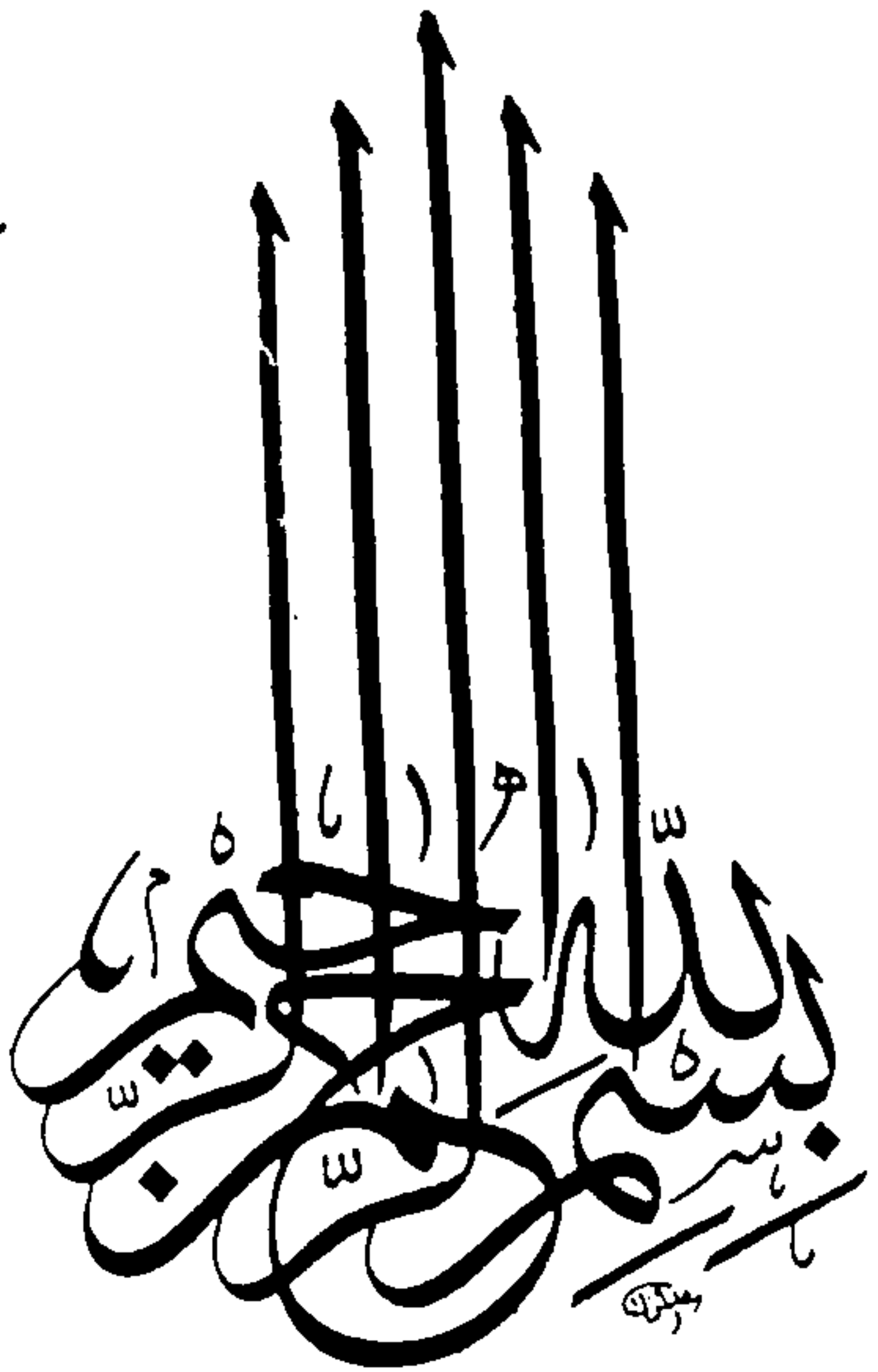


مشالی خواتین اسلام







الْخَلْقُ وَالْشَيْءُ يَا سَمِيعُ يَا شَدِيدُ يَا مُنِيرُ اللَّهُ
وَعَلَى الْكَافَّةِ وَأَضْحَاكَ يَا شَدِيدُ يَا خَبِيرُ

اللَّهُ اللَّهُ مُحَمَّدٌ مُحَمَّدٌ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ مَوْلٍ مِنَ الْأَمْوَالِ مُقْتَصِمٍ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالْمَعْلَيْنِ

وَالْقَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ مِنْ عَجَمٍ

فَرَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا

وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ التَّوَجِّ وَالْقَلَمِ

اُمہاتُ المؤمنین بناتُ النبی عظیم صحابیات اور جمیلُ القدر

دُخترانِ اسلام کا تذکرہ جمیل جن کی زندگیاں ماضی کا وقار

عہدِ حال کا اعزاز اور مستقبل کیلئے شمع روشن ہیں۔

مثالی خواتین اسلام

مُصَنَّف

پروفیسر محمد اکرم رضا

نام کتاب ----- مثالی خواتین اسلام

مصنف ----- پروفیسر محمد اکرم رضا

نظر ثانی ----- محمد نعیم اللہ خان قادری

پروف ریڈنگ ----- محمد نعیم اللہ خان قادری

اشاعت بار اول ----- 2009ء

صفحات ----- 448

کمپوزنگ ----- محمد نوید گوجرانوالہ

زیرنگرائی ----- چوہدری محمد خلیل قادری

تحریک ----- چوہدری محمد ممتاز احمد قادری

ناشر ----- چوہدری عبدالحمید قادری

قیمت ----- 240/- روپے



انتساب

کائنات کی عظیم ترین خاتون

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ (سلام اللہ علیہا) کے نام
کہ جن کی آغوشِ رحمت میں تحسین کائنات نثرِ موجودات
حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی جلاوطنی جوہر ہوئے کہ یزید ہستی پکارا ٹھی۔

۔ بعد اندازِ یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانتِ آمنہ کی گود میں آئی

پروفیسر محمد اکرم رضا



فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱	سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا	16
۲	ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	38
۳	ام المومنین حضرت سوردہ بنت ذمہ رضی اللہ عنہا	60
۴	ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	69
۵	ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا	88
۶	ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا	97
۷	ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	101
۸	ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	111
۹	ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	126
۱۰	ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	133
۱۱	ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	143
۱۲	ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا	158
۱۳	ام المومنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت شمعون	166
۱۴	ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	171
۱۵	حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ	178
۱۶	حضرت زکیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ	188
۱۷	حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ	198
۱۸	سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا	206



224	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد	۱۹
233	حضرت علیہ سعیدہ رضی اللہ عنہا	۲۰
242	حضرت أم ایمن رضی اللہ عنہا	۲۱
251	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب	۲۲
264	حضرت أم الفضل رضی اللہ عنہا لیلیۃ الکبریٰ	۲۳
271	حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی (کرم اللہ وجہہ)	۲۴
294	حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب	۲۵
303	حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا	۲۶
315	حضرت أم سلیم رضی اللہ عنہا بنت طلحان	۲۷
326	حضرت أم عمارہ رضی اللہ عنہا	۲۸
336	حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)	۲۹
347	حضرت أم رومان رضی اللہ عنہا	۳۰
354	حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بنت عبد اللہ	۳۱
362	حضرت أم معبد رضی اللہ عنہا	۳۲
370	حضرت أم خالد رضی اللہ عنہا بنت خالد بن سعید	۳۳
376	حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بنت حارث	۳۴
381	حضرت أم عامر رضی اللہ عنہا	۳۵
385	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا	۳۶
406	حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا	۳۷
423	صحابی رسول حضرت ضرار بن ازور اور آپ کی مجاہدہ بہن	۳۸
431	حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور راحلہ	۳۹

مثالی خواتین اسلام ایمان افروز کاوش

خواتین اسلام کے کارناموں سے کون آگاہ نہیں۔ اُمہات المؤمنین تو اچھائی معزز اور سر بلند ہستیاں تھیں ان کے زمانے میں اور آنے والے ادوار میں بھی خواتین اسلام کے کارناموں سے کئی زمانے فیضیاب ہوتے رہے۔ عورت ماں بھی ہے بہن بھی ہے اور بیٹی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عورت مجاہدہ بھی ہے، ساتھی شخصیت بھی ہے، علم و عمل کا نمونہ بھی ہے۔ اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عورت سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء ؑ ہو تو ان کی گود میں امام حسن ؑ اور امام حسین ؑ علی ؑ پلے ہیں۔ خواتین نہ صرف خود تاریخ اسلام کا اعزاز تھیں بلکہ انہوں نے آنے والی نسلیوں کی اس اعزاز سے تربیت کی کہ وہ آنے والے ادوار میں ستاروں کی طرح جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

کیا ہم خواتین اسلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ ؑ کے کردار کو فراموش کر سکتے ہیں۔ جب وہ حضور ﷺ کی غلامی میں آئیں تو مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں مگر انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے آقا و مولیٰ حضور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نذر کر دیا۔ کیا ہم اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؑ کے کردار کو بھلا سکتے ہیں جن کے دینی علم کے حلق یہ کھاتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ حواسِ الناس تک پہنچنے سے محروم رہتا۔ اُمہات المؤمنین کے پہلو بہ پہلو ساتھی (صحابیہ) کا کردار تاریخی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے بالخصوص سیدہ فاطمہ الزہراء ؑ کا کردار شمعِ روشنِ ضرور یز رہا ہے اقبال کے لفظوں میں:

مدرغہ تسلیم را حاصل بقول

مسلکوں را اُصول کمال بقول

حضرت فاطمہ بنت اسد، حضرت اُم الفضل، حضرت اُم عمارہ، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، سیدہ زینب بنت علی، حضرت خنساء، حضرت اُم معبد، حضرت حلیمہ سہدیہ، حضرت سمیہ (سلام اللہ علیہن) سمیت بے شمار خواتین اسلام تاریخ اسلام کا اعزاز بنی ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان عظیم المرتبت خواتین والا مرتبت کے کارناموں کو زیادہ سے زیادہ عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ دورِ حاضر مادیت کی تاریکیوں کا دور ہے۔ عوام الناس اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں روشنی کی کوئی تازہ کرن نظر نہیں آتی۔ ایسے پریشان کن دور میں ان عظیم خواتین محترم کے کارناموں کو عام کرنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے نہ صرف گھر کی چار دیواری میں عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) اور کردارِ رسول ﷺ کے اُجالے بکھیرے، بلکہ ضرورت پڑی تو میدانِ جہاد میں بھی دشمنانِ اسلام کو لکارتی ہوئی بہترین جذبہٴ عمل سے کام لینے لگیں۔ آج اسلام کا رخ روشن ان کے کارناموں فیضیاب ہو رہا ہے۔

میرے لئے یہ امر بے پناہ مسرت اور خوشی کا باعث کہ میرے محترم بھائی، معروف نعت گو شاعر اور نامور محقق پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس حوالے سے مرتبہ کتاب ”مثالی خواتین اسلام“ کے نام سے منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ میں نے یہ تحریر ایک سال پیشتر لکھی تھی اور اس وقت سے مسلسل اس کی اشاعت کا منتظر ہوں۔ میرے ساتھ محبتِ مکرم پروفیسر جعفر بلوچ نے بھی ایک خوبصورت تحریر ارسال کی تھی۔ ہم دونوں پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعتیہ محققانہ اور ادبی کاوشوں کا اکثر تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم تینوں کا ساتھ بڑا پرانا ہے۔ ماہنامہ ”شام و سحر“ کے نعت نمبر اور ماہنامہ ”حمایت اسلام“ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا گونا گوں ادبی اور علمی صفات کے مالک ہیں۔ ادیب ہیں،

خطیب ہیں شاعر ہیں محقق ہیں نامور انشاء پرداز ہیں۔ تاریخ انسانیت خاص طور پر تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ گوجرانوالہ کے ایک ڈور افتادہ گاؤں (کوٹلی نواب) میں ایک علمی گھرانے میں جنم لیا اور ابھی ساتویں آٹھویں جماعت ہی میں تھے کہ ملک کے اخبارات اور رسائل و جرائد میں چھپنے لگے۔ چالیس سال سے زائد عمر سے لکھ رہے ہیں۔ آج ایک زمانہ ان سے فکری راہنمائی لے رہا ہے۔ فی البدیہہ اور بدست لکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں جس کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا۔ ”مجلسِ اردو“ کے مشاعروں میں کئی بار اچانک چلے آتے طرح مصرعہ کی خبر نہیں جب انہیں بتایا جاتا تو مشاعرہ کے دوران میں ہی لکھنے بیٹھ جاتے۔ آخر میں جب ان کی باری آتی تو غزل یا نعت مکمل کر کے سنار ہے ہوتے اور داد بھی وصول کر رہے ہوتے۔

تحقیق و تنقید میں خوب نام پیدا کیا۔ آج ماہنامہ ”شام و سحر“ کے نعت نمبروں کے ادبی اور تحقیقی کام کا ایک زمانہ معترف ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضوانے ان نعت نمبروں کیلئے خوب خوب لکھا۔ مجھے علم تھا کہ جب نعت کے خوالے سے نثری مضامین اور تحقیقی شہ پارے منظر عام پر نہیں آ رہے تھے تو یہ اس وقت سے بہت پہلے بھی ماہنامہ ”ضیائے حرم“ لاہور اور اس نوعیت کے دوسرے جرائد میں لکھ رہے تھے۔ میں نے مرحوم راز کشمیری کی معرفت ان سے رابطہ قائم کیا اور اپنے رسالے کیلئے لکھنے پر آمادہ کیا۔ آج میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ کئی مضامین ایسے ہوتے ہیں جن پر دوسرے انشاء پرداز لکھتے ہوئے جھجکتے تھے مگر میں نے بعد اصرار جب ان سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے لکھنے کی حامی بھر لی اور ایسا خوبصورت مضمون لکھا کہ نعت نمبر کا اعزاز بن گیا۔ پروفیسر صاحب ایک مرد مسلمان ہی نہیں صحیح معنوں میں مرد مومن ہیں۔ ویسے میں اس خیال کا حامی ہوں کہ اچھا مسلمان وہی ہوتا ہے جو مرد مومن کے تقاضوں پر پورا اترتا

ہو۔ میرا اُن کا ساتھ قریباً پچیس سال سے زیادہ کا ہے۔ میں نے کبھی انہیں قارغ نہیں بیٹھنے دیا۔ جب ماہنامہ ”شام و سحر“ کے بعد ماہنامہ ”الجامعہ“ اور ماہنامہ ”حمایتِ اسلام“ کیلئے خصوصی مضمون درکار ہوتا تھا تو ان کیلئے میرا ایک فون یا ایک خطی کافی ہوتا تھا۔ جب تک میری صحت پر قرارِ رعی اور قرطاس و قلم کے رشتہ سے آشنائی رعی تو پروفیسر محمد اکرم رضا اور میں لازم و ملزوم ہوتے تھے۔ اب تو بیماریوں نے وبال لیا، بہر حال محبت کا دو طرفہ سلسلہ اسی شان اور وقار سے جاری ہے۔

میں یہ سطور محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں لکھ رہا بلکہ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ و سوانح اور تنقیدِ نعت پر اتنا کام کیا ہے کہ برصغیر میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ میری محبت کی نظر نہیں بلکہ عہدِ حاضر کا اعتراف ہے۔ یوں تو انہوں نے کوئی میدان بھی نہیں چھوڑا، غزل، نظم، نثر اور نعت تمام اسالیب میں تنقید کا پرچم سر بلند رکھا مگر نعت کے میدان میں ان کی تحریروں کی اور علی اٹھان ہے۔ تصوف اور روحانیت سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔ اس کا سبب ان کا کثیر مطالعہ اور گہرا ماحول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اور اہل تصوف کے حوالے سے ان کی کئی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

زیر نظر تصنیف میں انہوں نے نامور خواتینِ اسلام کو جی بھر کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ تاریخ نگاری بذاتِ خود مشکل امر ہے۔ اس میں جب عظیم ترین شخصیات کا ذکر چھیڑنا ہو تو احتیاط لازم ہوتی ہے۔ سنین اور زمانوں کی تحقیق، شجرہ ہائے نسب کے حوالے سے شدید محنت، حالاتِ زندگی میں صداقت کے ساتھ ساتھ احترام کے جذبے کو ملحوظِ خاطر رکھنا، مآخذ و مراجع سے درست راہنمائی لینا، حوالہ جات کی صحت کا خیال رکھنا ان کی تحقیق کا خاصہ ہے۔ کسی محبوبِ شخصیت کی محبت و عقیدت کا غیر معمولی شکار ہو کر حقائق سے دامن چڑا جانا یا کسی شخصیت کے بارے میں تعصب کا شکار ہو کر تاریخ کے

اصل حقائق کو مسخ کر دینا، مورخ کے شایانِ شان نہیں۔۔۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن اور قلم کو افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے دے اور جس شخصیت کو خدائے کریم نے جس قدر بلند رتبہ سے نوازا ہے اس میں کمی نہ آنے دے اور پھر جلیل القدر خاتمِ خاتمِ اسلام اللہ اکبر! سر بلندی ہی سر بلندی، وقار ہی وقار، صفت و صفت کی جلوہ گری، پاکیزگی اور صالحیت کا جمال اور پھر ان صحابیات کا تذکرہ جنہوں نے آقائے دو عالم رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور بار بار کی زبانِ رسول ﷺ سے دعائیں لیں۔ محبوبِ خدا ﷺ کی رحمتوں سے اپنا دامن بھر لیا اور پھر سلطانِ عرب ﷺ کی تعلیمات سے دلوں کو آباد کیا اور آنے والے ادوار میں تعلیماتِ رسول ﷺ کے فروغ اور اشاعت کا اہم ذریعہ ثابت ہوئیں ان کا تذکرہ تو حسنِ بیان کا اعزاز نظر آتا ہے۔

اُنہاتُ المؤمنین کی غیر معمولی فہم و فراست اور بلندیِ درجات۔ حضرت اُمّ معبد کی زبان سے سراپائے حضور سرورِ کونین ﷺ حضرت طیبہ سہیہ کی شفقتیں، حضرت اسماء بنتِ صدیق اکبر کی جانفاری، سیدہ زینب بنتِ علیؓ شہرِ خدا کا کربلا سے لے کر کوفہ اور دمشق کے درباروں میں شانِ خطابت کے ساتھ پیغامِ حق سنانا۔ حضرت اُمّ سلیم کی عقیدت باریاں، حضرت اُمّ الفضل کا جذبہٴ عشقِ رسولِ مہات رسول کے غیر معمولی کردار کی جھلکیاں، مادرِ رسول سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ کی اپنے ننھے محمد (ﷺ) سے محبت کی دلاویزیاں، حضرت اُمّ عمارہ کی دلیری و شجاعت اور پھر مسیلہ کذاب کے مقابلے میں ڈٹ جانا۔ میدانِ اُحد میں صحابیاتِ رسولِ اکرم ﷺ کا جذبہٴ ایثار و خدمت، صحابیاتِ رسولِ اکرم ﷺ کا بالخصوص فروغِ تعلیماتِ مصطفویٰ ﷺ کے حوالے سے کردار، اُنہاتُ المؤمنین کا آپس میں محبت آمیز برتاؤ، رنجشوں کا وجود اور پھر ان رنجشوں کا انتہائی پیار و محبت میں تبدیل ہونا، صحابہ کرام کا اُنہاتُ المؤمنین اور دیگر محترم صحابیات



سے ایمان آفریں سلوک۔ غرض تاریخ اور سیرت نگاری کی انٹ روٹنی چاروں طرف بکھری ہوئی نظر آ رہی ہے۔ کتاب میں بڑی تعداد میں عالی مرتبت خواتین اسلام کا تذکرہ ہے۔ بعض کا تفصیلی اور بعض کا مختصر۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک تاریخی شاہکار کا درجہ حاصل کر گئی ہے۔

مجھے یہ سوچ کر غیر معمولی روحانی خوشی کا احساس ہوتا ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا کا قلم جس طرح شاعری اور عقیدہ نگاری میں رواں دواں ہے اسی طرح تاریخ اور سیرت کے حوالے سے بھی ان کا ذہن اسی برق رفتاری سے سوچتا اور ان کا قلم اسی جذباتی تیز رفتاری کے ساتھ لکھتا ہے۔ میں نے ان سے درجنوں مضامین لکھوائے، عنوانات اور مندرجات مختلف تھے مگر انہوں نے ہر مضمون کو تحقیقی تکمیل کا درجہ عطا کر دیا۔ یہی کمال اس مسخر کتاب میں بھی نظر آتا ہے۔ ذہن کی زرخیزی، مطالعہ کی وسعت، الفاظ کی سدا بہاری، فقرات کے جمال اور تحقیق کے کمال نے ان کی تحریروں کو تاریخ و تحقیق کے ساتھ ساتھ ادبی انشاء پر دازی کے نادر نمونہ بھی بنا دیا ہے۔ بلاشبہ یہ اعزاز بہت کم افراد کو نصیب ہوتا ہے کہ تمام ادبی میدانوں میں یکساں مہارت کے ساتھ فکری خامہ فرسائی کر سکیں۔ لکھنے کو تو آدمی ہر میدان میں دو چار تحریریں لکھ لیتا ہے مگر پروفیسر محمد اکرم رضا کی طرح علم و ادب کے اتنی بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے صحراؤں کو ادبی گل ہائے صد رنگ سے بھر دینا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اس پر یہ لائق تحسین بھی ہیں اور اعترافِ عظمت کے حقدار بھی۔

آج اگر ہم پھر سے عہدِ ماضی کی شان و شوکت کو دیکھنا چاہتے ہیں اگر پھر سے عظمتِ رفتہ کو لوہانا چاہتے ہیں اگر ہم پھر سے حضور نبی اکرم ﷺ کے لافانی دور کی جھلکیاں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہماری خواتین کو ان خواتین اسلام کے کارناموں سے روشنی

خلافتِ مسلمہ

لینا پڑے گی جن کا کردار اُجلا ہی اُجالا تھا جن کا اُسوۂ پاک ان کی اولادوں کے لئے حسین ترین مثال تھا اور جن کے لازوال کارنامے آج ہماری تاریخ کا جگمگا تا باب ہیں مگر اس باب کو صرف تاریخ کے صفحات ہی تک رہنا نہیں چاہیے بلکہ نسلِ نو کو اس جگمگاتے باب سے عملی راہنمائی لینا ہوگی۔

پروفیسر محمد اکرم رضا نے تاریخ و سیرت اور تحقیق کی خشک دیوہوں میں سفر کرتے ہوئے بھی ادبی جمال آفرینیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں نے خواتینِ اسلام کی سیرت کے تمام مضامین دیکھے ہیں مجھے ان میں ادبی چاشنی اور انشاء پر وازی کے دلکش نمونے جھلکتے نظر آتے ہیں۔ میں اس ضمن میں چند سطور اس مضمون سے پیش کرتا ہوں جو مصنف نے غرِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ اور ہمارے لئے انتہائی محترم شخصیت سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے اس مضمون کی ابتدائی سطور ملاحظہ کیجئے۔

”حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تاریخِ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے مقدر پر ہم ہستی تا ابد ناز کرتی رہے گی۔ صورتِ دلاویز تو سیرتِ مہکنا ز حیا و شرم کی زرنگار تصویرِ دورِ شباب شروع ہوا تو لگا ہوں نے جھکنا سیکھ لیا ہر وقت لگا ہوں پر ہلکوں کی ہمار رہتی ایسی حسین و جمیل کہ بلند مرتبہ گھراؤں کے رشتے آتے مگر والدین صاف انکار کر دیتے۔ دراصل تقدیر کو یہی منظور تھا کہ سیدہ آمنہ کو ام محمد (رضی اللہ عنہا) کا شرف حاصل ہو اور جہاں اس شرف کی بات چلے پھر والدین کی لگا ہوں میں دوسرا کون چٹا۔“

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ کے خاوند محترم حضرت عبداللہ (شادی سے پہلے) کے حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت عبداللہ کی پرنور پاکیزہ اور ہا کردار جوانی نے ایک زمانے کو آپ کا



گر دیدہ بنا دیا تھا۔ ہر سہ گزرتے مکہ کی دولت مند حسینائیں اپنی پلکیں آپ کے راستے میں بچائے آپ کا انتظار کرتیں۔ بعض کی ہوس انگیز نگاہوں میں گناہ و معصیت کی ترفیب ہوتی اور بعض کھل کر شادی کرنے کا اظہار کرتیں مگر آپ شرعی لڑکوں کی طرح شادی کا پیغام دینے والیوں سے فرماتے کہ ایسی باتیں مجھ سے نہ پوچھو یہ معاملات میرے والد محترم اور بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔“

غرض پوری کتاب میں جہاں گنجائش محسوس ہوتی ہے پروفیسر صاحب اپنی ادبی دلاویزی سے عقیدت اور ارادت کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ یہ کتاب صرف خواتین ہی کیلئے شمع راہ ہدایت نہیں ہوگی بلکہ اس سے مردوں کو بھی خواتین سے بہترین برتاؤ اور اولاد کی اعلیٰ ترین انداز سے تربیت کا پیغام ملے گا۔

دُعا ہے کہ ربِّ کریم پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس علمی اور تحقیقی کاوش کو قبول فرمائے اور یہی قبولیت ان کیلئے بخشش و رحمت کا عظیم توشہ ثابت ہو۔ (آمین)

خالد شفیق

سابق مدیر ”ماہنامہ شام و سحر“

ماہنامہ ”حمایت اسلام“

لاہور

۲ جنوری ۲۰۰۸ء

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

جنابِ آمنہ کی شان دو جگہ سے نزالی ہے
 جسیں فرزندِ ان کا جانِ جاں ہے سب کا والی ہے
 نزالی صبحِ تھی، نئے فرشتوں نے سنائے تھے
 کہ اُن کی گود میں سرکارِ دیں تشریف لائے تھے
 جہاں بھر کی حسیناؤں کو اُن پہ رشک آتا تھا
 بیشِ یہ مادرِ احمدِ مقدّر مجھوم جاتا تھا
 وہِ دیں کی ولادت پر سراپا نورِ تھی دنیا
 منورِ اُن کا گھر تھا اور مثالِ طورِ تھی دنیا
 ہوئے پیدا محمدؐ بجک گیا تعظیم کو عالم
 بھکا کعبہ ادب کو ہو گیا شیطان کا سرخم
 جنابِ آمنہ 'جانِ کرمِ سرکار' کی ای
 جنابِ آمنہ کونین کے عمار کی ای
 خدا نے اے رضا اُن کو دیا اعزاز بخشا ہے
 شفیع عاصیاں سا خلق کا دسار بخشا ہے

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے مقدر پر بزمِ ہستی تابدار کرتی رہے گی۔ صورتِ دلاویز تو سیرتِ مہکبار۔ نہایت پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی۔ خاندانِ حسب و نسب اسلافِ سب کے سب سر بلند حیا و شرم کی زرنگار تصویرِ دورِ شباب شروع ہوا تو نگاہوں نے جھکنا سیکھ لیا، کم گفتگو کرتیں، ہر وقت نگاہوں پر لکڑیوں کی جھلک رہتی ایسی حسین و جمیل کہ بلند مرتبت گھرانوں کے رشتے آتے مگر والدین صاف انکار کر دیتے۔ دراصل تقدیر کو یہی منظور تھا کہ آمنہ کو اُمّ محمد ﷺ کا شرف حاصل ہو اور جہاں اس شرف کی بات چلے پھر والدین کی نگاہوں میں دوسرا کون چچا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے نسب نامہ کی طہارت کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے:

”اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں فخل فرماتا رہا۔ ہر آلائش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف کر کے۔ جہاں کہیں دو شاخیں پھوٹیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں فخل کیا جو سب سے بہتر تھی۔“

جب حضرت عبداللہ جوان ہوئے تو خوبصورتی اور رعنائی میں اپنی مثال آپ تھے۔ نگاہوں میں عورتوں سے بھی زیادہ حیا تھی۔ چہرے پر ہر لمحہ انوارِ رقصاں رہتے تھے۔ آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے فرزند تھے وہ بھی انہیں نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ گاہے گاہے تجارتی قافلے کے ہمراہ بھیج دیتے جہاں سے وہ ہمیشہ کامیاب معاملات کر کے واپس لوٹتے۔ حضرت عبداللہ اس لئے بھی بہت زیادہ عزیز تھے کہ یہ ایک سو سُرُخ اُونٹوں کا فدیہ بارگاہِ الہی میں پیش کر کے دوبارہ حاصل ہوئے تھے۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے عطا کئے تو ایک اللہ کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب حضرت عبداللہ جوان ہو گئے اور بیٹوں میں

سے انتخاب کا مرحلہ آیا تو ہر بار قربانی کیلئے قرعہ قال حضرت عبداللہ کے نام لگا دیا۔
عرب کے روساء بار بار منع کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ صلب قسم کھا بیٹھے تھے۔ بالآخر
سب نے معاملہ ایک کاہنہ پر ڈالا جس نے کہا کہ ان کا فدیہ ادا کرو۔ ایک طرف دس
اونٹ ہوں اور ایک طرف عبداللہ قرعہ کھاتے۔ اگر اونٹوں کا نام آئے تو قربان کر
دیتے۔ ورنہ پھر اونٹوں کی تعداد بڑھاتے چلے جاتے۔ دس اونٹ کا فدیہ حاضر کرنے پر
بھی حضرت عبداللہ کا نام لکھا پھر اونٹ میں سے کئے مگر نام حضرت عبداللہ کا ہی نکلا۔ اس
طرح دس دس کر کے اونٹ بڑھاتے گئے حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی دوسری طرف
حضرت عبداللہ صاحب کی مرتبہ قرعہ قال اونٹوں کے نام لکھا۔ حضرت عبداللہ نے نین
مرتبہ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ ہر بار قرعہ قال اونٹوں کے نام لکھا تو اونٹ ذبح کر دیے اور
حضرت عبداللہ کو صاحبِ تقدیر نے پہنچایا۔ حضرت عبداللہ اس مقام پر بھی بہت عزیز تھے۔
حضرت عبداللہ کی پڑ پوز پا کیزہ اور پاکردار جوانی نے ایک زمانے کو آپ کا
گردیدہ بنا دیا تھا۔ جدھر سے گزرتے تھے کی دولت مند حسینا میں اپنی ٹانگیں آپ کے
راستے میں بچائے آپ کا انتظار کرتیں۔ بعض کی ہوس انگیز نگاہوں میں گناہ و مصیبت
کی ترفیب ہوتی اور بعض کھل کر شادی کرنے کا اعلان کرتیں مگر آپ شرعیہ لڑکوں کی
طرح شادی کا پیغام دینے والوں سے فرماتے کہ ایسی باتیں مجھ سے نہ پوچھو یہ معاملات
میرے والدِ محترم اور بزرگوں سے قطع رکھتے ہیں۔ مٹائے سیرت لکھتے ہیں:

”حضرت عبداللہ کو اپنے زمانہ میں عورتوں کی طرف سے انہی مشکل اور صبر
آزمائیاں کا سامنا کرنا پڑا جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں عزیز مصر کی
بیوی کی طرف سے پیش آئے۔ (المیرۃ النبیاء ذوالحان)

اس سلسلہ میں ”مواہب اللدنیہ“ کے شارحین کا ایک اور جملہ بھی دیکھئے۔

”حضرت عبداللہ قریش میں ایک تابعدہ نور تھے اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ قریش کی عورتیں ان کے دامِ محبت میں اسیر تھیں اور قریب تھا کہ اُن کی محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھتیں۔“

لیکن حضرت عبداللہ کی شرکیں لگائیں جھکی رہتیں۔ مکہ کی کئی دوشیزاؤں کے ہاتھ سے صبر کا دامن بار بار چھوٹ جاتا تھا۔

حضرت عبدالطلب کو اپنے صاحبزادہ عبداللہ کے حسن و جمال اور پاکیزہ کردار و شخصیت کا اعلاہ تھا اس لئے آپ بھی ان کیلئے ایسی ہی بیوی اور گھر کیلئے ایسی ہی بیوی تلاش میں تھے جو حسن و جمال میں یکساں، کردار و سیرت میں بے مثال، عفت و عصمت اور پاکیزگی و پاکہیزی کا دلکش نمونہ ہو۔ آپ کی فطرت شناس نظروں نے بنو زہرہ خاندان کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرا کی نورِ نظر اور پیاری صاحبزادی ”آمنہ“ کا انتخاب کیا۔ آپ وہب کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کیلئے آمنہ کا رشتہ مانگا۔ وہب نے دیکھا کہ مکہ سے بنو ہاشم کے سردار عبدالطلب اُن کے گھر تشریف لے آئے ہیں تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا پھر جلد ہی تقریب نکاح انجام پذیر ہوئی اور آپ اپنے عظیم المرتبت سسر کی نگرانی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی ازدواجی زندگی بڑی راحت اور سکون کے ساتھ گزر رہی تھی۔ حضرت عبداللہ نے شادی ہوتے ہی ایک عجیب انقلاب دیکھا کہ جو عورتیں آپ پر مرتی تھیں۔ آپ اُن کے پاس سے گزرے تو انہوں نے توجہ ہی نہ کی۔ آپ نے ان کی اس بے اعتنائی پر ان سے استفسار کیا تو ان میں سے بعض نے کہا ”عبداللہ ہمیں تمہاری نہیں اس نور کی حاجت تھی جو تمہاری پیشانی کا مقدّر بنا ہوا تھا لیکن آج وہ نور

تمہاری پیشانی پر نہیں جگمگا رہا بلکہ وہ کسی اور کا (سیدہ آمنہ) مقدر بن چکا ہے۔
سیرت ابنِ ہشام میں لکھا ہے کہ ابھی اس خوش بخت جوڑے کی شادی کو دو
تین دن ہی گزرے تھے کہ حضرت آمنہ تک ہاتھ فہمی کی یہ آواز پہنچے گی۔
”آمنہ تم حاملہ ہو اور تمہارے بطن مقدس میں اس اُمت کا سردار تشریف فرما
ہوا ہے۔“

شادی کو چند ہی ماہ گزرے تھے کہ حضرت عبداللہ کو ایک تجارتی قافلے کے
ساتھ ملکِ شام جانا پڑا۔ حضرت آمنہ بڑپ کر رہ گئیں۔ یہ محبوب خاوند سے جدائی کا پہلا
موقع تھا مگر حضرت عبداللہ مسلسل تسلی دیتے ہوئے ملکِ شام کو روانہ ہو گئے۔ تجارتی
اُمور سے فارغ ہو کر جب آپ مکہ جانے کیلئے روانہ ہوئے تو مدینہ پہنچ کر آپ کی طبیعت
ناساز ہو گئی اس لئے وہ اپنے تنہاں میں رک گئے مگر بیماری نے طول پکڑا اور آپ ایک
مہینہ وہاں بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اس انتقال کی خبر سے دوسروں کو تو صدمہ ہوا ہی ہوگا
مگر سیدہ آمنہ کے دل پر قیامت بیت گئی۔ جوانی کا عالم پیٹ میں عبداللہ کی امانت ہے
اور یہ امانت پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو گئی ہے۔ آپ نے اپنے عظیم خاوند کی المناک
وقات پر دردناک مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

”بطحا وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت کی نیند سلا دیا۔ وہ مختلف

پردوں میں لپٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا۔ موتوں نے اُسے اچانک دعوت دی
جسے اُس نے قبول کر لیا اور موت نے لوگوں میں ہاشم کے بیٹے کا کوئی مثل نہیں دیکھا۔
عشاء کے وقت جب اس کے دوست اس کی چارپائی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے تو وہ انبوہ
کی وجہ سے باری باری کندھا بدل رہے تھے۔ اگرچہ موت اور اُس کی مشکلات نے اُس کو
جھپٹا لیا ہے لیکن وہ درحقیقت بہت نچی اور رحم کرنے والا تھا۔“



علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”السیرۃ النبویہ“ میں لکھتے

ہیں:

”حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے ہمارے الہ! اے ہمارے سردار! تیرا نبی یتیم ہو گیا، اُس کا باپ نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ ہم اس کے محافظ اور مددگار ہیں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا ”میں اس کا دوست ہوں یہ مددگار ہوں اُس کی مدد کرنے والا ہوں اُس کو رزق دینے والا ہوں اور ہر بات میں اُس کیلئے کافی ہوں۔“ ہم اس پر مدد پڑھا کر اور اس کے نام سے برکت حاصل کیا کرو۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے محترم سر حضرت عبدالمطلب کے زیر سایہ ان کے مکان میں تشریف لے آئیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اقدس میں تشریف لائے تو انہیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ فرماتی ہیں:

”مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا جو ان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایام ماہواری بند ہو گئے ہیں۔ ایک روز میں خواب اور بیداری کے درمیان تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اُس نے پوچھا ”آمنہ! تجھے علم ہے تو حاملہ ہے اور تیرے بطن میں اس اُمت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہوا ہے اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ سوموار کا دن تھا۔“ (الوفاء امین جوزی ص ۸۸)

امام زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ آمنہ نے فرمایا ”حمل سے وضع حمل تک میں نے کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔“ (عیون الاثر)

اور پھر بار بار راتِ الاول سو سو کی وہ ساتھی آئیں۔ جب سرکارِ عالم ﷺ
 تھک سیدہ آمنہ سے اس کائنات میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:
 ”جس رات کو سرکارِ عالم ﷺ کی ولادت ہوئی میں نے ایک نور دیکھا جس
 کی روشنی سے شام کے مہلات جگمگا اٹھے یہاں تک کہ میں میں کو کچھ ہی تھی۔“

دوسری روایت ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی حضرت آمنہ سے ایک
 نور نکلا جس نے سارے گھر کو بھر نور بنا دیا۔ ہر طرف نوری نور نظر آتا تھا۔ حضرت
 عبدالرحمن بن حوٰث، چچا کی والدہ انتہاء جو اس وقت حضرت سیدہ آمنہ کے پاس تھیں
 کہتی ہیں کہ جب وہ آمنہ کے ہاں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو میں نے
 حضور ﷺ کو اپنے دو ہاتھوں پر سہارا دیا تو میں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی:
 ”تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔“

اس نورِ مجسم کے ظاہر ہونے سے میرے سامنے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل
 گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض مہلات کو دیکھا۔“

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب آپ کی ولادت شریفہ وقت آیا تو میں
 گھر میں اکیلی تھی حضرت عبدالطلب بن شریف میں طواف کر رہے تھے۔ میں نے ایک
 خفاک آواز سنی جس سے میں کانپ گئی پھر ایک فرشتہ سفید رخ کی شکل میں آیا جس
 نے اپنے پر میرے سینے پر ملے اور میرا خوف جاتا رہا ساری تکلیف بھی دور ہو گئی پھر
 میرے لئے کوئی ایک پیالہ شربت کالایا جس کو میں نے پیا۔ اس کے پینے سے مجھے ایک
 بلند نور نظر آیا میں نے دیکھا عبد مناف کی بیٹیاں اور کئی دوسری خواتین میرے گرد کھڑی
 ہیں میں حیران رہ گئی۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے کہا: ”میں فرعون کی بیوی آہ
 ہوں۔ دوسری بولی میں عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم ہوں اور یہ دوسری عورتیں جنت کی



حوریں ہیں ہم سب بحکمِ خدا تمہاری خدمت کیلئے جنت سے آئی ہیں۔“

پھر فرمایا کہ ”اللہ نے میری آنکھوں سے پردہ ہٹایا پس میں نے دنیا کے مشرق و مغرب دیکھ لئے اور تین جہنڈے بھی دیکھے۔ ایک جہنڈا مشرق میں گڑا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر۔ اس کے بعد حضور ﷺ پیدا ہوئے۔“

(مواہب اللدنیہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا گہر نور سے بھر پور تھا ایسا لگا تھا کہ ستارے آسمانوں سے نیچے اتر رہے ہیں۔ موقعہ پر موجود خواتین کو یوں لگا جیسے یہ ستارے ان پر گر پڑیں گے۔ حضور سراپا نور بن کر پیدا ہوئے۔ آپ کے ساتھ کسی قسم کی آلائش نہ تھی آپ بالکل پاک و صاف اور نظیف و لطیف پیدا ہوئے۔ (مواہب اللدنیہ بحمد اللہ علی العالمین)

ع..... آگیا وہ نور والا جس کا سارا نور ہے

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ کا اشارہ پا کر حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دینے کیلئے ایک آدمی بھیجا گیا۔ اس وقت آپ حطیم میں اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کے مردوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ کی ولادت کی خبر پاتے ہی آپ کی خوشی و مسرت کی کوئی حد تک نہ رہی۔ آپ حضرت آمنہ کے پاس آئے۔ حضرت آمنہ نے حضور ﷺ کی ولادت کے وقت جو انوار و تجلیات دیکھے تھے اور جو آوازیں سنی تھیں ان کے بارے میں سب کچھ عرض کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب حضور ﷺ کو لے کر کعبہ شریف میں گئے۔ وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور جو انعام اس نے فرمایا تھا اس کا شکریہ ادا کیا۔ ابنِ واقد کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر یہ اشعار فی البدیہہ

جاری ہو گئے جن کا ترجمہ مایہ حق ہے:

☆ "سب تعریفیں اللہ کیلئے جس نے مجھے پاک سمجھوں وہاں پہنچا فرمایا"
☆ "یہ اپنے ہنگاموں میں سارے بچوں کا سردار ہے" میں اسے بیت اللہ
شریف کی پتاہ میں دیتا ہوں۔"

☆ یہاں تک کہ میں اس کو طاقتور اور توانا دیکھوں میں اس کو ہر دشمن اور ہر ماسخ
آنکھوں کھمانے والے کے شر سے اللہ کی پتاہ میں دیتا ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب پیدا ہوئے تو خون تھے
اور ناف کٹی ہوئی تھی۔ یہ معلوم کر کے حضرت عہدالمطلب کو بڑا تعجب ہوا اور فرمایا
لَنَكُونَنَّ لَا بَنِي قَدَانٍ كَسِرَ عَاسٍ بَعِيٍّ كِي بَدِيٍّ شَانٍ هَوِيٍّ۔

حضرت مطلب نے آپ کا نام "مُحَمَّدٌ" رکھا۔ عین ولادت کی خوشی میں
قریش اس بات کو نہ بھولے کہ حضرت عہدالمطلب سے پوچھتے کہ انہوں نے اپنے
پوتے کا نام محمد (ﷺ) کیوں رکھا ہے؟ اپنے آباؤ اجداد کے نام چھوڑ کر عرب معاشرہ
میں یہ نام معروف نہیں تھا۔ امام بکلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت سے قبل
پورے عرب میں صرف تین آدمی اس نام سے مشہور ہوئے۔

امام بکلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عہدالمطلب کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے
جسے قیروانی نے کتاب الامحان میں نقل کیا ہے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی
پشت سے ایک زنجیر نکلتی ہے اُس کا ایک سرا آسمان سے اور دوسرا زمین سے متصل ہے۔
پھر یہ زنجیر ایک درخت کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس کے ہر پتے پر ایک نور ہے۔
ابلی شرق و مغرب اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ حضرت عہدالمطلب نے یہ خواب
ایک مہجر کو سنایا تو اس نے یہ تعبیر بیان کی کہ



”آپ کی نسل میں ایک بچہ پیدا ہوگا‘ مشرق و مغرب والے اس کی اتباع کریں گے اور ارض و سما والے اس کی تعریف کریں گے۔“

حضور ﷺ کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کی اہم ذمہ داری پوری ہو گئی ہے مگر ابھی اس بچے کی تربیت باقی تھی۔ آپ صحرا سے آنے والی عورتوں کے انتظار میں تھیں جو بچوں کو شہر کی آلودہ فضا سے دور صحرا میں لے جاتی تھیں۔ آپ نے حضرت عبداللہ کے وصال کا جو غم کھایا تھا اس سے آپ کا دودھ بھی خشک ہو گیا۔ اس کے بعد ابولہب کی لوٹری ٹویہ رضی اللہ عنہ نے دودھ پلایا۔ چند دنوں بعد قبیلہ بنو سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نو نہال کے پاس پہنچ گئیں لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ یتیم ہے تو واپس لوٹ آئیں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر انعام و اکرام سے نوازے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کریں گے؟ حضرت حلیمہ سعدیہ یہ کہتی ہیں کہ جب میرے سوا ہر ایک کو بچہ مل گیا اور ہم نے خالی ہاتھ واپس جانے کا ارادہ کر لیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا ”میں خالی گود نہیں جاؤں گی‘ قسم خدا کی میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچے کو لے آتی ہوں۔ خاوند نے رضامندی ظاہر کر دی۔ تم لے آؤ‘ ہو سکتا ہے اللہ ہمیں اُسی سے برکت عطا کر دے۔“

اور پھر احادیث اور تاریخ اسلام کے شواہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھرانے پر وہ فضل ہوا جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ اور اُن کے خاوند آئے تھے تو اُن کے ساتھ لاغر اونٹنی اور لاغر گدھی تھی۔ مریل اونٹنی کے تھن خشک تھے۔ دونوں جانور ہی مریل تھے مگر جب یہ ننھے محمد ﷺ کو لے کر چلیں تو اُن کے جانور یکھٹ فر بہ ہو گئے۔ سامنے کی خشک گھاس سرسبز و شاداب ہو گئی۔ لاغر اونٹنی کے فر بہ ہوتے ہی اس کے تھن دودھ سے بھر گئے جب یہ جانور چلے تو اتنا تیز

چلے کہ بھروسے زمین سستی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ تندرست و توانا جانوروں کی مالک دایاں اس انقلاب پر حیران تھیں۔ یہ انقلاب ذاتِ محمد کے سبب سے وجود میں آیا تھا جسے حضرت حلیمہ سعدیہ بھنے لگ گئی تھی۔ ننھے حضور ﷺ نے ان کے گھر میں قدم رکھے تو ان کی لاغر بکریوں پر گوشت آگیا۔ تھنوں سے دودھ کے قطرے ٹپکنے لگے۔ حضرت حلیمہ کی چھاتیاں دودھ سے لبریز ہو گئیں۔ پیارے محمد ﷺ بھی جی بھر کے پیچے اور حضرت حلیمہ کے اصرار پر بھی دوسری چھاتی اپنی رضائی بہن کیلئے چھوڑ دیتے۔ گھر میں رزق کی فراوانی ہو گئی۔ غربت نے آسودگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ اور ان کے بچے حضرت محمد ﷺ کو ایک پل بھی اپنے آپ سے جدا نہ ہونے دیتے۔ دو تین سال گزرے تو ننھے محمد ﷺ کا جسم مضبوط تر ہو گیا، خوبصورت گنگو فرماتے۔ حضرت حلیمہ ان کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ملانے کیلئے مکہ لائیں تو سیدہ آمنہ کے دل و جان میں خوشیوں کی لہر بھر گئی مگر ابھی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنی اُنسیت کی بناء پر انہیں اور اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں اس لئے مکہ کی مسوم فضا کا ذکر کر کے محمد ﷺ کو واپس قبیلہ بنو سعد میں لے آئیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کی یاد میں تڑپ رہی تھیں۔ بیٹے کو دیکھا تو قرار آ گیا۔ وہ اُسے خود سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر حلیمہ کا اصرار دیکھ کر اجازت دے دی اور پھر سے خوابوں کی دنیا میں کھو گئیں۔ ادھر حضرت حلیمہ کی دنیا میں بہاری بہار تھی۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے سالوں میں گزرنے لگے جب پیارے محمد پانچ سال سے زائد عمر کے ہو گئے تو ایک دن حضرت حلیمہ کے بیٹوں نے بتایا کہ ہمارے قریبی بھائی کو دو خوبصورت آدمیوں نے لٹا کر ان کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا لرزتی کانپتی پریشان حال وہاں پہنچیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا، آپ زحرم سے میرا دل دھویا اور اسے پھر دہیں رکھ کر میرا سینہ سی

دیا۔ تمام واقعہ سن کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حیرت یقین ہو گیا کہ محمد انجہائی عزت اور شرف والی غیر معمولی شخصیت ہیں۔ پھر آپ نے یہودیوں کو آپ کی طرف اشارے کرتے اور باتیں کرتے سنا تو اس ڈر سے کہ اس مقدس ترین امانت کو نقصان نہ پہنچ جائے دل پر جبر کر کے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لے آئیں۔ اب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے تصور سے مغموم تھیں اور سیدہ آمنہ شاداں و فرحاں تھیں کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ میرے پاس رہیں گے اور میں اُن کے نورانی چہرے میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نقوش ڈھونڈ لیا کروں گی۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو اس قدر انعام و اکرام سے نوازا کہ وہ خوشی سے کھل اُٹھیں۔ انعامات کی اس فراوانی کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے حوالہ سے آپ کی رضاعت کے ذکر کو انجہائی مختصر کیا ہے کیونکہ زیر نظر تحریر کا تعلق اُمّ رسول اللہ سیدہ آمنہ سے ہے۔ جب حلیمہ سعدیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو گھبرائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئیں تو ضد کر کے واپس لے گئیں اب اصل میں کیا معاملہ ہے؟ اصرار پر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے تمام حیرت انگیز واقعات بیان کر دیئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”اے حلیمہ! کیا تمہیں خوف ہے کہ میرے نورِ نظر کو شیطان کوئی نقصان پہنچائے گا؟ بخدا ہرگز نہیں، شیطان اس کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا۔ تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی شان نزالی ہوگی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔ حلیمہ! کیا میں اس بچے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں؟ حلیمہ نے عرض کیا: ضرور بتائیے فرمانے لگیں:

”جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس

ہوا نہ کوئی تکلیف محسوس ہوئی، حمل کے دنوں میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے

۔ اندر سے نور خارج ہوا جس کی روشنی میں مجھے شام کے عملات نظر آئے۔ ولادت کے وقت انہوں نے اپنے دلوں ہاتھ زمین پر ٹپکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو میں خود اس کی خبر گیری کروں گی۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لختِ جگر پر خوب توجہ دی۔ اپنی بساط سے بڑھ کر ان کی نگہداشت کی کیونکہ ایک آپ ہی تو اپنی ماں کی آنکھوں کا نور اور آرزوؤں کا مرکز تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدس کے اس حصہ پر سیدہ آمنہ کے کردار نے جو اثر مرتب کیا اس کا اعتراف سیرت نگار بھی کرتے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پروان چڑھایا، خوب چڑھایا۔“ (سیرت ابن ہشام)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس خصوصی توجہ کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں اوائلِ عمری میں عظمت و بزرگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ کو آپ کی ذات میں ایک عظیم آدمی کی جھٹکیاں جلوہ گر نظر آئیں۔ حضرت عبدالمطلب کے والد گرامی حضرت ہاشم نے یثرب کے بنی نجار خاندان کے رئیس عمرو بن لبید کی صاحبزادی سلمیٰ سے شادی کی تھی جس کے بطن سے شیبہ و عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ حضرت ہاشم نے ایک تجارتی سفر میں انتقال کیا۔ حضرت عبد اللہ شادی کے بعد کچھ عرصہ مکہ رہے پھر بغرض تجارت شام گئے۔ واپس آئے تو بخار نے آیا اور کچھ عرصہ اپنے والد عبدالمطلب کے نہال میں قیام کیا لیکن طبیعت نہ سنبھلی۔ یہاں تک کہ آپ نے یثرب ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس صدمہ سے حضرت عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل و جان ایک دائمی الم میں ڈوب گئے۔ انہوں نے تو اپنے خاوند کو جی بھر کے

دیکھا بھی نہ تھا کہ وہ ہمیشہ کیلئے جدائی دے گئے۔ اب جب محمد ﷺ ان کے پاس آئے اور حضرت محمد ﷺ کو صحت مند و توانا دیکھا تو خیال آیا کہ شرب جائیں۔ اپنے ماؤ تمام کی قبر کی زیارت کریں۔ ان کا عظیم بیٹا اپنے والد کی لحد دیکھ لے۔ انہوں نے اپنے سر حضرت عبدالمطلب سے اپنی اس دیرینہ خواہش کا ذکر کیا۔ انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر انہیں اجازت دے دی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے ہمراہ ننھے محمد (ﷺ) اور کنیز آمنہ بنی نضر کو لے کر شرب روانہ ہوئیں۔ یہ مختصر سا قافلہ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کے تنہا بیٹے بنی نضر کے پاس اترے۔ مہینہ بھر قیام رہا حضور ﷺ کسی بھی اس ماہ کی یادوں کو تازہ کرتے۔ یادوں کو تازہ کرنے کی بابت ہجرتِ مدینہ کے بعد کی ہے۔ آپ فرماتے:

”میں اسی مکان میں اپنی والدہ کے ساتھ اتر اٹھا اور میں نے بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے کی مہارت حاصل کی تھی۔ اس مختصر سے قیام میں ایک یہودی نے حضور ﷺ کو دیکھ کر آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے احمد بتلایا۔ پھر اس نے آپ کی پیٹھ کی طرف دیکھا پھر وہ چلایا ”یہ اس اُمت کا نبی ہے“ پھر وہ اپنے یہودی علماء کے پاس گیا اور انہیں بتایا۔ سیدہ آمنہ کو علم ہوا تو ان کے دل میں یہود کی طرف سے اندیشے جنم لینے لگے۔ یہودی یکے بعد دیگرے آتے تھے اور یہ کہتے ہیں:

”اس اُمت کے یہ نبی ہیں اور یہ جگہ ان کی دارِ ہجرت بنے گی۔“

جب اندیشوں کو عروج آیا تو حضرت آمنہ حرید قیام کے بجائے مکہ کی طرف چل پڑیں جب ابواء کے مقام کے قریب یہ مختصر سا قافلہ پہنچا تو آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اسماء بنت رہم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری ماں حضرت آمنہ کی وفات کے وقت حاضر تھی۔ آپ نے اپنی پالین کے قریب اپنے سوگوار فرزندِ عزیز کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ: ”یعنی میں نے جو خواب میں دیکھا اگر وہ سچ ہے تو آپ تمام لوگوں کی طرف
نہی بنا کر بھیجے جائیں گے۔ کل اور حرام ہر جگہ آپ ہی ہوں گے۔ آپ کو اپنے باپ
امامِ اہم کے دین اسلام پر مبعوث کیا جائے گا میں آپ کو فتوے سے خدا کا واسطہ دے کر
روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں سے مل کر ان کی دوستی نہ کریں۔“

اس کے بعد سیدہ آمنہؓ نے حرمِ مبارک فرمایا:

”ہر زعمہ موت کا حرہ چکے گا ہر مٹی چھڑ پانی ہو جائے گی اور ہر مٹی چھڑ فنا ہو
جائے گی میں تو مردی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا میں نے ایک پاک ہار پہ
جنا ہے؟“

حضرت آمنہؓ تو نبوی خیرہؐ کی سب سے خیرہ تھیں جن نے حضور (ﷺ) کی آنکھوں
سے آنسوؤں کی جھریاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ اپنی جان سے ہاتھ کر رہے تھے۔ اپنا
ماجرائے غم بیان کر رہے تھے مگر اب آپ کو کھٹکی دینے والا آپ کے سر پر رحمت کا ہاتھ
رکھنے والا کوئی نہ تھا اور اُمّ ایمنؓ نے سیدہ آمنہؓ کے جسدِ مبارک کو کپڑے سے
لیٹ دیا اور چہرے مبارک پر کپڑا باندھ کر آنکھوں کو بند کر دیا۔ پھر جسدِ خاکی کو اٹھا کر
قرعی گاؤں ابواء لے گئیں تاکہ وہاں آپ کی آخری آرام گاہ کا بندوبست کیا جائے۔
حضور ﷺ پیچھے پیچھے آرہے تھے جب ان کو قبر میں دفن کرنے لگے تو عمر (رضی اللہ عنہ) اپنی
ماں کے ساتھ چٹ گئے۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ یہ معرکہ کچھ لوگوں پر
گر یہ وزاری کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بالآخر حضور ﷺ کو طمچہ لے جا کر میت کو سپردِ
خاک کر دیا گیا۔

جب اُمّ ایمنؓ اس دُورِ جہیم کو لے کر گئیں تو ماجرا سن کر اہل مکہ پر سخت طاری
ہو گیا۔ یہی عمر (رضی اللہ عنہ) ایک ماہ پہلے سکراتے ہوئے اپنی امی کے ساتھ شرب گئے تھے

اور آج تین تہا تہی اور ماں کی ہمدانی کا بوجھ لے کر واپس لوٹ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے ہوتے گئے مگر اپنی امی جان کا تصور ہمیشہ دل و جان میں جلوہ گر رہا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ کو حضرت عبدالطلب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ آپ کا بے حد خیال رکھتے۔ حرم کعبہ میں آپ کیلئے علیحدہ نشست بنائی جاتی۔ دادا جان کی وفات کے بعد پیارے چچا حضرت ابو طالب نے کفالت میں لے لیا۔ مشفق چچی فاطمہ بنت اسد نے محبت و شفقت کی انتہا کر دی مگر آپ کو اپنی ماں نہیں بھولتی تھی اور ماں بھول بھی کس کو سکتی تھی۔ وہ پاک ہستی اپنی ماں کو کس طرح بھول سکتی تھی جس نے دنیا بھر کی ماؤں کو عزت دینے کیلئے ان کے قدموں تلے جنت رکھ دی تھی۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ اپنی طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے عمرہ میں جب نبی پاک اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ اپنی امی کی قبر پر تشریف لائے۔ اسے ہاتھوں سے دُست کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی کیفیت دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے۔ آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ماں کی شفقت یاد آگئی تھی اس لئے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ایک دن نبی کریم ﷺ باہر نکلے ہم بھی ساتھ چل پڑے۔ حتیٰ کہ ہم چند قبروں کے پاس پہنچے۔ آپ نے ہمیں وہیں بیٹھنے کا حکم دیا اور خود ان قبروں کے پاس سے گزر کر ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک مناجات میں مصروف رہے۔ پھر آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ پھر حضور ﷺ ہماری طرف تشریف لائے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس کی یاد نے آپ کو رُلا لیا ہے۔ آپ نے تو ہمیں بھی رُلا دیا۔

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اشارا کر کے فرمایا: کیا تم بھی خوفزدہ ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے دو یا تین مرتبہ پوچھا پھر ارشاد فرمایا: تم نے مجھے جس قبر کے پاس مناجات کرتے دیکھا وہ میری والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر ہے میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی اس نے مجھے اجازت دی۔ (صحیح مسلم: ۱۱، سنن ابوداؤد)

قریش مکہ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کی قبر کا علم تھا۔ حتیٰ کہ جب ہندہ بنت خبہ مشرکین کے اس لشکر کے ساتھ ابواء کے مقام سے گزری جو بدر کے معرکین کا بدلہ لینے کیلئے مدینہ جا رہا تھا تو اس نے حضور ﷺ کو اپنے کیلئے بھروسہ بھی سمجھا کہ ان کی والدہ کی قبر اکیڑ کروچہ پاک کا بومیں کر لیا جائے۔ اس بد بخت نے قریش کی حفاظت کے خیال سے اُمّ محمد (ﷺ) سیدہ آمنہ کے اعضاء کو قریش کی حفاظت کیلئے سب سے بھروسہ پایا۔ بشام بن ہاشم اسکی روایت کرتے ہیں ”تو ہندہ نے اپنے خاوند ابوسفیان سے کہا ”ہمیں محمد (ﷺ) کی والدہ کی قبر اکیڑ کروچہ کے اعضاء کو بچانے میں کر لینا چاہیے تاکہ اس جنگ میں تم میں سے اگر کوئی قید ہو گیا تو اس کے اعضاء کے بدلے میں اُسے چھرا لینا۔ (تاریخ مکہ نام سیوطی: ۱۱۰)

ابوسفیان نے قریش سے ابھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ ہندہ پر انتہائی خوف طاری ہو گیا اور اس نے قحط کر اپنے خاوند سے کہا ”اے رے رے! ہم پر ہلاکت کا یہ دروازہ مت کھولو۔“

زمانے کے حوادث اپنے نقوش ثبت کرنے لگے۔ اب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور عکرائی کا پرچم ہر سولہ راہ تھا۔ عرب بہت آگے کو بڑھ چکی تھی مگر اپنی والدہ سیدہ آمنہ کی یاد ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی۔ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ

ان مقامات سے گزرے جو آپ نے نصف صدی پہلے دیکھے تھے۔ جب آپ نے عدی بن نجار کے محلہ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا ”یہاں میں اپنی والدہ کے ساتھ آیا تھا اور اس گھر میں میرے والد حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے۔“ (طبقات ابن سعد)

جب آپ عدی کے قلعے کے قریب سے گزرے تو آپ کے دل پر رقت طاری ہو گئی۔ فرمایا: یہاں میں اپنے ماموں زادوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور بنو نجار کے تالاب میں تیراکی سیکھی۔ آپ کو اپنی والدہ کی میثرب میں رہائش گاہ ماموں زاد اور اباجان کے تنہا کے گھر نہیں بھولے۔ یہ سب کیا تھا، فقط والدہ محترمہ کی نسبت پاک کا فیض تھا۔ آپ کو اپنا وہ گھر کبھی نہیں بھولا جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور جسے آپ کی والدہ کی وفات کے بعد دروازے بند کر کے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سات برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئیں۔ مگر اب پھر ایسا وقت آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ہر طرف اسلام کا پرچم چھانے لگا مگر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یادیں آپ کبھی بھی فراموش نہ کر سکے۔

یہ اپنی پیاری ماں سے محبت اور ان کی دلاویز یادوں ہی کا ثمر تھا کہ آپ نے کتنی ہی عمر رسیدہ عورتوں کو ماں سمجھ کر نوازا دیا۔ آپ نے اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو کئی مرتبہ بہت زیادہ انعامات و اکرامات سے نوازا۔ ان کی بیٹی شیمابنت حارث کو نوازا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ سے اتنی محبت تھی کہ جس کا ان کی امی جان سے تعلق رہا، اُسے تمام زندگی نوازا۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے سیدہ آمنہ کو الواء کے مقام پر دفن کیا۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے۔ پھر حضرت اُمّ ایمن نے اپنے آنسو پونچھے، دُرّ قیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش محبت میں لیا اور دونوں کی آنکھوں سے

پھر سے آنسوؤں کے چشمے بہہ لگے۔ اب ماں کے بدلے ایک سیاہ رنگت والی امہ ایمن حضور ﷺ کو خود سے چٹائے ہوئے تھی۔ خدائے کریم نے پیارے آقا ﷺ کو سیاہ رنگت والی مادرِ مشفق امہ ایمن ﷺ جیسی ہستی عطا کر کے ہمیں جنکا دیا کہ یہ وہ نبی ہے جس نے کالے اور گورے کے امتیاز کو ختم کر کے خط تقویٰ اور پیہر گاری کو ہی بلندی کی سب سے بڑی معراج قرار دینا ہے۔ حضور ﷺ امہ ایمن ﷺ سے کس وجہ محبت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے کیجئے۔

”نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو کسی کو مار دلاتے ہوئے سنا
 ”اے کالی ماں کے بیٹے“

تو حضور ﷺ کو پیارے ضبط نہ ہا۔ بڑے جوش اور غضب سے فرمایا
 ”بیانہ چمک گیا، بیانہ چمک گیا“ کسی سفید رنگ والی ماں کے بیٹے کو کسی سیاہ رنگ والی ماں کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں، جو تقویٰ کے۔ پس عمر (رضی اللہ عنہ) سفید رنگ والی ماں کا فرزند ہے۔ اس کی پیدائش کالے رنگ والی ماں نے کی ہے۔ پس وہ ان دونوں کا بیک وقت بیٹا ہے۔“ (خاتم النہین ص ۱۳۶)

حضور ﷺ نے تمام عمر حضرت امہ ایمن ﷺ کو اپنی جگہ میں جیسا رہا۔ اپنی والدہ محترمہ طیبہ و طاہرہ سیدہ آمنہ ﷺ کے قصور کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بزرگ خواتین سے جنہوں نے کبھی نہ کبھی آپ پر لطف فرمایا تھا، بہت اُلفت ہو گئی۔ ہر کام پر ماں یا د آتی تھی جس نے ابھی ان کے باپ کی جوانی کا جی بھر کا نظارہ بھی نہیں کیا تھا کہ خود میں شباب میں آغوشِ لہو میں اتر گئی۔ حضرت طیبہ سیدہ پر تو آپ نے اور حضرت خدیجہ ﷺ نے متحدہ مرحہ کرم باریاں کی۔ آپ مکہ مکرمہ میں یا مدینہ منورہ میں جہاں بھی رہے جہاں بھی ٹھہرے پیاری امی جان کی یادیں



آپ سے علیحدہ نہ ہونے پائیں۔ آپ مکہ میں حضرت ثویبہؓ سے بھی غیر معمولی لطف و کرم فرمایا کرتے تھے جنہوں نے بچپن میں آپ کو دودھ پلایا تھا۔ یہی حال حضرت خدیجہؓ کے لطف کریمانہ کا تھا۔

آٹھویں صدی ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فتح و نصرت کے ساتھ لوٹے تو آپ کے ساتھ بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں سمیت چھ ہزار قیدی اور لاتعداد اونٹ اور بکریاں تھیں۔ ان قیدیوں میں سے ایک نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ان میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں کیونکہ حلیمہ سعدیہؓ بھی اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔“

اس کی اس درخواست پر رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے تصور سے آپ کا دل تڑپ اٹھا اور پہلے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد فرمایا تو آپ کی تقلید میں تمام صحابہ اپنے اپنے حصے سے دستبردار ہو گئے۔ ہزاروں قیدی عورتوں اور مردوں کے ساتھ ان کے جانور بھی انہیں لوٹا دیئے گئے۔ یہ اپنی رضاعی ماں سے تعلق کی کرشمہ سازی تھی۔

جناب محمد ﷺ کو اپنی چچی فاطمہؓ بنتِ اسد کی محبت میں بھی اپنی امی جان کی محبت کی جلوہ گری نظر آتی تھی۔ آپ ان کو بھی اپنی ماں کے بعد ماں تصور کیا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں کے مطابق جب حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص انہیں پہنائی اور ان کی قبر میں لیٹے۔ صحابہ کے استفسار پر اس خصوصی کرم نوازی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”حضرت ابوطالب کے بعد ان سے بڑھ کر کسی نے مجھے عزیز نہیں رکھا۔ میں نے انہیں قمیص پہنائی تاکہ انہیں جنت کا لباس پہنایا جائے اور میں قبر میں لیٹا ہوں تاکہ ان پر قبر کی منزلیں آسان ہو جائیں۔“

اپنی ماں تو اپنی ماں تھی اور خود سے پیار کرنے والی محترم بزرگ خواتین کو اپنی

ماں بچتے تھے۔ لیکن آپ کو اپنے بچے سے پیار کرنے والی ہر ماں میں اپنی ماں دکھائی دیتی تھی۔ آپ جتنے کسی ماں کی ماحسا سے حاکم ہوتے اُن سے کسی اور چیز سے حاکم نہ ہوتے تھے۔ روایت میں ہے کہ کچھ قیدی مدینہ طیبہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ان میں سے ایک ماں بھی تھی۔ اس عورت نے اپنے بچے کو قیدیوں میں دیکھا تو اُسے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگی۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ”کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟“ انہوں نے عرض کیا ”نہیں“ اگر اس کے بس میں ہوگا تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔“

ایک صحابی ماریہ بن جهمہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے جہاد کی اجازت طلب کی۔ فرمایا: تمہاری ماں زعمہ ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا: ”جاؤ اپنی والدہ کی حسن ادب کے ساتھ خدمت کرو“ انہوں نے نمن ہار جہاد میں شرکت کیلئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: ”خدا تمہارا بھلا کرے۔ اس کے پاؤں کو لازم پکڑو وہی تمہاری جنت ہے۔“ (الاستیعاب: ۱۳/۳-۱۴)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد انسانیت کیلئے ماں پر فخر کرنے کیلئے اور کیا چیز باقی رہ جاتی ہے۔

”اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پاؤں۔ اس حالت میں کہ عشاء کی نماز میں ہوتا اور میں سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا اور پھر میری ماں مجھے آواز دیتی مگر (ﷺ) تو میں اُن کی آواز پر لبیک کہتا“ (رواہ الترمذی فی شعب الایمان)

حضور ﷺ کے والدِ محترم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور آپ کی اسی جان سیدۂ دو جہاں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب کا ایمان درجنوں احادیث کتب سیرت



اور محمدؐ شین گرامی کے استدلال سے ثابت ہے۔ چونکہ اس کے بارے میں دورائے نہیں ہو سکتیں لہذا ہم آپ کے والدین کے ایمان کو اپنی محبتوں کا ارمغان پیش کرتے ہیں۔

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا اس کرۂ ارضی پر سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ آپ نے اس کائنات کی سب سے محترم پاکیزہ برگزیدہ محبوب و مکرم ہستی جناب محمد ﷺ کو جنم دیا جنہوں نے آپ کی یادوں کو دل و جان میں سمیٹے رکھا اور آپ کی محبت اور عزت و منزلت کے حوالے سے دنیا بھر کی خواتین کو باعثِ صدوقار بنا دیا۔

خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر جو مقام ابواء پر اپنی آخری آرام گاہ میں آسودۂ خواب ہیں مگر ان کے بیٹے (محمد ﷺ) کا نام ارض و سما میں دشت و جبل میں زمینوں کی پستیوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں لاتعداد عشاقِ حضور کی زبانوں پر فرشتوں اور مخلوقات ارض و سماوی کے لبوں پر و طیفہ حیات بن کر گونج رہا ہے۔

سلام اے سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کہ آپ نے دنیا کی سب سے عظیم ہستی کو اپنی محبت سے سرشار کر دیا۔

سلام اے ام محمد (ﷺ) کہ آپ کے اس شرف سے پوری کائنات انوارِ اسلام سے شرف یاب ہو گئی۔

سلام اے آمنہ! اے مادرِ محبوبِ سبحانی

سلام اے آمنہ! تاریخِ حق کی صمغِ نورانی

سلام اے زینتِ ہستی سلام اے رُوحِ ایمانی

سلام اے جانِ عبداللہ سلام اے نورِ انسانی

سلام اے سرورِ کونین کی امی وقارِ جاں

سلام اے راحتِ جانِ محمدؐ فخرِ لاقانی (رضاً)

اہلِ مومن

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ

ماورائے فکر ہے حضرت خدیجہؓ کا کمال
 اُن کی عظمت اُن کی رفعت ہم ہستی کا کمال
 اولیں بیوی وہ کونین کی زوجہ عمل
 آپؓ کی ساتھی رفیقہ حسن خدمت کی مثال
 اپنا سب کچھ کر دیا قربان وہ کونین
 آپؓ سے ہی سرور دارین نے پائی ہے آل
 مستند ساتھی نبی پاک ﷺ کی ہر حال میں
 تھے صدق شوہر عالی پہ ان کے جان و مال
 آپؓ کے عالی فضائل اور ماسن بے شمار
 مہربان مشفق سراپا لطف اور شیریں خصال
 محلوں میں بانی اسلام کی ڈھارس تھیں وہ
 آپؓ کی ہر اک معیت میں رہیں وہ بن کے ڈھال
 اے رضا حضرت خدیجہؓ کا جہاں منون ہے
 تمہی عاقبت جن کی آقاؐ کے لئے روشن مثال



حضور ﷺ کی اولین رفیقہ حیات

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

تاریخ انسانی نامور خواتین کے کارناموں سے پُر ہے جنہوں نے بزم ہستی کی فلاح و بہبود کے لئے لازوال کارنامے سرانجام دیئے۔ ان میں سے بعض سلطنتوں کی حکمران تھیں۔ بعض نے میدان جنگ میں سپہ سالاری کے جوہر دکھائے۔ بعض نے اپنے اصلاحی کارناموں سے زمانے کو متاثر کیا اور بعض کے کردار نے لازوال نقوش ثبت کیے لیکن یہاں ذکر ہے اُس ہستی کا جس نے رہتی دنیا تک کسے لئے وہ شہرت و مقبولیت حاصل کی جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

یہ ہستی مخدومہ کائنات اور حضور نبی کریم ﷺ کی اولین زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ خدمت سرور کونین کی بلند ترین مثال خوش مزاج و خوش خصال ہر لحظہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوشنودی و رضا کو ملحوظ خاطر رکھنے والی اس وقت ایمان لائیں جب سارا زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کا دشمن تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے لئے ڈھارس تھیں۔ تسلی و راحت کا پیغام تھیں۔ آپ مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں مگر شادی ہوتے ہی سب کچھ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے لئے وقف کر دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ بھی آپ کے ایثار و قربانی کی بہت قدر کرتے تھے۔ اسلام کی ابتدائی ترقی میں آپ کی دولت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ نے مکان 'جائیداد' زمینیں اور اپنے سارے غلام اپنے خاوند کی تحویل میں دے دیئے اور امارت

سے قربت پر آگئیں۔ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ آپ نے تمام دولت آپ ہی کریم ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر کے ڈنپاؤ آخرت کی تمام سعادتیں خرید لیں ہیں اور واقعی ایسا ہی تھا۔ آپ کو تمام اہمات المؤمنین سے زیادہ حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی نصیب ہوئی۔ جب حضور نبی کریم ﷺ مصائب و آلام میں گھرے ہوتے اور پریشانوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تھکے ماندے گھر تشریف لاتے تو آپ ان کا حوصلہ بڑھاتے اور بہت جلد کامیابی کی نوید سناتے۔ آپ سے ہی حضور نبی کریم ﷺ کو تمام اولاد عطا ہوئی۔ خوب فرمایا ہے حضرت فاضل بریلوی نے:

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی

اس سرائے سلامت پر لاکھوں سلام

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام اہمات المؤمنین میں سرفہرست ہے۔ ان کو نہ صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کی پہلی بیوی ہونے کا شرف حاصل تھا بلکہ یہ اسلام کے اولین معاونین میں سے تھیں۔ انہوں نے جس طرح سے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کی زندگی بسر کی اس کا ایک ایک لمحہ عبادت اسلام کے لئے شمع ہدایت ہے۔

انہوں نے قریش کے ایک بہت بڑے رئیس خویلد کے گھر جنم لیا۔ باپ کی طرف سے شجرہ نسب یوں تھا خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ۔ قصی رسول اللہ ﷺ کے پردادا حضرت ہاشم کے دادا تھے اس طرح سے آپ کا شجرہ نسب حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے۔

ماں کی طرف سے شجرہ نسب یوں تھا۔ خدیجہ بنت قاطرہ بنت زائدہ بن اشم۔ ہرم بن واعر بن حجر بن عبد بن مہش بن عامر بن لوئی۔ ماں کی طرف سے شجرہ نسب



حضور اکرم ﷺ سے دسویں پشت پر جا کر ملتا ہے۔ عرب کے تمام معزز قبیلے عدنان کی اولاد ہیں۔ ان کی دسویں پشت میں فہر بن مالک ہیں جن کا دوسرا نام قریش تھا۔ عرب کا قبیلہ قریش انہی کی اولاد تھا، انہی کی چھٹی پشت سے قصی بن کلاب تھے۔ جن کی اولاد آپ اور رسول اکرم ﷺ تھے۔ آپ سب اہمات المومنین میں سے رسول خدا ﷺ سے قریب تر خاندانی تعلق رکھتی تھیں۔

شاہ یمن ابرہہ کے مکہ مکرمہ پر ہاتھیوں کی فوج کشی والے سال سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ عیسوی حساب سے یہ ۵۵۵ء تھا۔ آپ کے والد خویلد بن اسد مالدار سوداگر تھے۔ شام و یمن تک ان کی تجارت تھی۔ قریش ان کی عزت کرتے تھے۔ آپ کی پرورش پر خاص توجہ دی گئی۔ جس دور میں آپ نے آنکھ کھولی وہ انسانیت سے قطعاً بے بہرہ تھا مگر یہ شروع سے ہی زمانہ جاہلیت کی آلائشوں سے الگ تھلگ رہیں اور شریف النفس اور پاکیزہ خیال واقع ہوئیں اور اسی پاکیزہ اخلاق کی بناء پر ”طاہرہ“ کا لقب پایا۔ ان کے والد محترم بھی غریبوں کے ہمدرد تھے اسی بناء پر ان میں بھی ہمدردی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

صحرائے عرب میں چلنے والی ایک دو شیرہ جلد ہی منازل شباب طے کر لیا کرتی ہے۔ جس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال ہوئی تو آپ کی شادی ابو ہالہ سے کر دی گئی۔ ابو ہالہ بھی ایک متمول خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس قدر بھی ازدواجی عرصہ گزرا خوب گزرا۔ ابو ہالہ سے ان کے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ہالہ تو بچپن میں مر گیا تھا لیکن دوسری روایت کے مطابق یہ دونوں بڑے رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت پر مسلمان ہوئے اور حضرت ہند جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

حضرت علیؓ کی طرف سے لاتے ہوئے شہید ہوئے۔

ابو ہامہ کے بعد ان کی دوسری شادی فقیہ سے ہوئی اور ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور جس کا نام بعد رکھا گیا۔ اسی عہد پر حضرت خدیجہ کی کنیت ام ہند تھی۔ ہند نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عاشرت میں پورٹی پائی اور نبوت کے پہلے سال ہی وہ آپ پر ایمان لے آئی تھیں۔ فقیہ آپ کے پہلے شوہر ابو ہامہ سے بھی زیادہ صالحہ تھیں۔ اسی عہد پر یہ تھی بھی آسودگی میں گزری۔ اسی اشکاء میں عرب کی مشہور چار سالہ جنگ شروع ہو گئی جسے "جنگ بھدر" کہتے ہیں اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ اس جنگ کے دوران بنو ہوازن اور بنو قریظ کے بے شمار آدمی مارے گئے۔

حضرت خدیجہ کے شوہر فقیہ اور آپ کے والد خویلد بھی اسی میں کام آئے۔ اس بار نہ صرف یہ ہوئی بلکہ سایہ چھدی سے محروم ہو گئیں۔ ان کی اس حالت سے آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے کبھی بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آپ کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ ایک تو والد ہی کافی ترک چھوڑ کر مرے تھے اور دوسرے دلوں حصولِ خلو عہدوں کی جائیداد بھی ملی تھی۔ لہذا ان کے بعد بھی انہیں کسی معاشی غمی سے دوچار نہ ہونا چاہا۔ چونکہ والد نے اپنی زندگی کے آخر میں ہی اپنا کاروبار ان کے سپرد کر دیا تھا لہذا ان کو کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ اب جبکہ جائیداد وسیع ہو چکی تھی انہوں نے اپنی پوری توجہ تجارت کے فروغ میں صرف کر دی۔ شروع سے ہی ذہین اور عمل مند تھیں۔ اسی ذہانت سے کام لیا اور کاروبار کو اتنی ترقی دی کہ آمدنی کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ کام کرنے کے لیے بہت سے ملازم رکھے گئے اور شام دیکھیں جو اس وقت کی مشہور ترین منڈیاں تھیں آپ کی تجارت کامرکز بن گئی۔



آپ نہ صرف یہ کہ دولت مند تھیں بلکہ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کو حسن بھی خدا داد ملا ہوا تھا اور پھر ابھی عمر بھی شادی کے قابل تھی۔ لہذا بہت سے امراء کے پیغام شادی کے لئے آنے لگے مگر ان کا دل کچھ اس قدر اچاٹ ہو گیا تھا کہ شادی کے لئے تیار نہ ہوئیں اور تمام پیغام ٹھکرا دیئے۔

اپنے پاکیزہ عادات و خصائل کی بناء پر آپ شروع سے ہی ”طاہرہ“ کے لقب سے پکاری جاتیں تھیں۔ آپ کو عرب کی فرسودہ رسوم سے نفرت تھی اور دولت مندی کے باوجود بھی مذہب کا تصور دل کی خلوتوں میں جا گزیں تھا۔ اپنا بہت سا وقت خانہ کعبہ میں جا کر صرف کیا کرتی تھیں۔ اس وقت کا ہن مردوں اور کاہن عورتوں کو خاصی وقعت اور عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کو بھی مذہب کے تصور کی وابستگی کی بناء پر ان سے بڑی عقیدت تھی۔ آنے والے انقلاب کے متعلق ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنا کرتیں تھیں اور ان کو اپنے گھر بلا کر ان کی تواضع کرتیں اور مذہبی باتیں سنا کرتیں۔

چونکہ آپ کا کاروبار وسیع تھا لیکن آپ کی طبیعت مائل بہ تنہائی واقع ہوئی تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک عورت انتہائی دانش مند اور معاملہ فہم ہونے کے باوجود کاروبار کو آگے بڑھا نہیں سکتی۔ اس لئے ان کو ایسے دیانتدار دیندار اور قابل آدمی کی ضرورت تھی جو ان کے کاروبار کی نگرانی کر سکتا اور ان کے پھیلے ہوئے کاروبار کو سنبھال سکتا۔۔۔۔۔۔ اسی دوران حضور نبی اکرم ﷺ بھی انتظام معاش کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں تجارت کو ہی فروغ حاصل تھا۔

آپ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ تجارتی سفر کر کے تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ لہذا تجارت کرنے کی ہی ٹھانی مگر آپ کے پاس اتنا سرمایہ کہاں تھا کہ اس سلسلے کا آغاز کر سکتے اسی لیے آپ دوسروں کا مال لے کر بغرض تجارت دوسروں ممالک میں جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔

آپ کی زندگی شروع سے ہی اہل عرب کی فلاح کاریوں سے الگ۔ سر ہر ہی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی دیانتداری، راست بازی، تجربہ کاری اور خوش معاملگی کی سارے مکہ میں شہرت ہو گئی اور ہر سرمایہ دار یہی خواہش کرنے لگا کہ آپ کے ساتھ ہاں کا مال لے کر تجارت کریں تاکہ مال جلد بک سکے اور تجارت کا فروغ حاصل ہو۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی کاروبار سنبھالنے کے لیے ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی وہ ایسے ہی دیانتدار اور راست معاملہ کار کتوں کی جستجو میں رہتی تھیں جو ان سے دھوکہ نہ کریں۔ لہذا جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری و امانت داری کی شہرت سنی تو آپ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنے بھتیجے کو آپ کے پاس درخواست دے کر بھیجا کہ..... ”میرا مال لے کر تجارت کیلئے شام جائیں۔ میں آپ کی مدد کے لئے اپنا غلام میسرہ آپ کے ہمراہ کر دوں گی اور جو رقم میں دوسروں کو دیتیں ہوں اس سے دو گنی رقم آپ کو دوں گی“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے دریافت کیا۔ انہوں نے اس پیغام کو بھتیجے کی کامیابی کی ضمانت سمجھا اور اجازت دے دی تو آپ نے اس پیغام کو منظور فرما لیا اور حضرت خدیجہ کا مال لے کر تجارت کی غرض سے بصری روانہ ہو گئے۔



یہ تجارتی سفر تاریخی حیثیت کا حامل اور خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سرور کائنات ﷺ کی چند ممتاز خصوصیات منظر عام پر آئیں۔ حضرت خدیجہؓ کا قلام میسرہ اور آپ کا بھتیجا بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہیں تاکید کر دی گئی تھی کہ آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہ دیں اور کسی حکم سے سرتابی نہ کریں اور انہیں جو بھی مفرد خصوصیات نظر آئیں وہ آکر کہہ سنا لیں۔

اس سفر میں میسرہ نے آپ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور اسے آپ میں عام انسانی سطح سے ہٹ کر فوق البشری خصوصیات نظر آئیں۔ جب یہ قافلہ راستے میں ایک بار قیام کے لیے ٹھہرا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک راہب کی کتیا کے قریب ہی اُگے ہوئے درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ راہب فوراً کتیا سے برآمد ہوا اور دیکھتے ہی پکار اٹھا کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ پھر کتاب نکال لایا اور کبھی آپ کا رخ اقدس دیکھتا اور کبھی کتاب کو۔ قافلے والوں کو اندیشہ ہوا سب اسی جگہ پر اکٹھے ہو گئے۔ راہب ڈر کر کتیا کے اندر چلا گیا اور چھت پر چڑھ کر چلایا ”یہ یقیناً اللہ کا آخری رسول ہوگا اسے تمام ملکوں پر غلبہ ہوگا اور اسے یہودیوں کے شر سے بچانا۔“

اس سے قبل شام تک جانے کا ارادہ تھا لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور بھرہ میں ہی سامان فروخت کر دیا گیا۔ حضور ﷺ کی خوش خلقی اور خوش معاملگی کی بدولت مال نہ صرف جلد فروخت ہو گیا بلکہ دگنا نفع ہوا۔ مال فروخت کر کے یہ عازم مکہ ہوئے۔

قافلہ کی واپسی کی خبر سن کر حضرت خدیجہ کوٹھے پر چڑھ گئیں۔ سامنے سے ایک شتر سوار آتا ہوا دکھائی دیا جس کے سر پر ابر کا ایک ٹکڑا سا یہ کئے ہوئے تھا۔ یہ حضور

اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی رضا کی خبر ملے تو حضرت خدیجہؓ نے خوش ہو کر وہ دنوں میں آپ کو ذکر کر دیا۔

اللہ کے کہنے پہ آپ نے اپنے تمام بصرہ سے سارا مال بیچا تو بصرہ نے آپ کے مال کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس مال کی مرشد اپنے تمام مصروفوں سے بالکل مختلف ہے۔ دوسروں کے برعکس یہ بھائی بھائی کی کاٹھن ہے۔ شہر کے شہر و شہب کے مٹا بیٹے میں ماعت کا یہ سکون حاصل ہے۔ عذرا ہے۔ اور اس عذرا کی رعینوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے بصرہ کو دس ہزار ہمدیہ کرے کر دیا اور جو بھی نسل بن کا حضور ﷺ سے استوار ہو گیا تھا اس میں حرمہ بھی آگئی اور آپ کی عزت و عظمت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ شادی کا خیال پیدا ہوا۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان کا چاند آپ کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کی تعبیر پھر کا ماب سے حدیث کی جس نے بتایا کہ اسے ایک خاتون آپ کا خیر آفریں کی بھی نہیں کی جس کے دیہ کی مدد سے شادی ہو جائے گی۔ آپ نے حضور کا حضور لے لیا چاہا چاہا آپ کا دعا جان کر آپ کی لوطی فیہ حضور کے پاس آئی اور کہا کہ آپ کی ایک محبت سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ بے زری مدد کی ہے۔ فیہ نے پوچھا کہ اگر کوئی ایک چلن عورت آپ سے شادی کی خواہش مند ہو تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہے کن جو مجھ فریب سے شادی کرے گی۔ اس پر فیہ نے حضرت خدیجہؓ کا نام بتا دیا تو آپ راضی ہو گئے اور معاملہ اپنے چلایا اب طالب کے سپرد کر دیا۔



حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی رضامندی کی اطلاع پاتے ہی اپنے چچا عمرو بن اسد اور چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو ابوطالب کے پاس بھیجا۔ ابوطالب کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس بات کو نتیجے کی خوش قسمتی پر محمول کیا اور راضی ہو گئے۔ تاریخ معین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب، امیر حمزہ اور اپنے دوست ابو بکر کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے آئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عمرو بن اسد وکیل نکاح مقرر ہوئے اور ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا اور یہ سنت بحسن و خوبی انجام پذیر ہوئی۔

آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں، عمر چالیس سال تھی مگر قوی کے درست ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم سن نظر آتی تھیں۔ یہ شادی بہت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی بہت مالدار تھیں اس لئے نکاح کے بعد سارا اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا اور آپ نے بھی اس پیشکش کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور اس کو غریب و مسکین لوگوں، مسافروں، یتیموں، مظلوموں اور غلاموں کی امداد پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رحمہ لی اور احسان شناسی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو کبھی فراموش نہ کیا، جنہوں نے طفلی اور لوجوانی کی عمر میں آپ سے حسن سلوک رکھا تھا۔

ابوطالب نے آپ کی پرورش کی تھی لیکن وہ کثیر العیال تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی پرورش میں لے لیا اور اس طرح شیر خدا سایہ نبوت میں پر دان چڑھنے لگے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے اس سلوک میں پوری طرح شریک تھیں اور صلہ رحمی کرنے میں ہمراہ آپ کی مدد کرتی رہتی تھیں۔ ان دونوں کی زندگی در حقیقت ایک جنت تھی جو کہ انہوں نے خود اپنے لئے بنائی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت شروع سے ہی تنہائی پسند واقع ہوئی تھی چنانچہ آپ ہر سال چند مخصوص دنوں میں شہر سے دور پہاڑوں کے درمیان اللہ کی یاد میں گزارا کرتے۔ بعض اوقات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خود آپ کو کھانا دینے جاتی تھیں۔ ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ غشاء الہی کی تکمیل کا وقت آگیا۔ یہ رمضان کی رات تھی اور سن عیسوی ۶۱۱ء تھا۔

جب آپ کو نبوت عطا ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اولین پیغام خدا سے روشناس کروایا۔ آپ نے پہلی بار ایک ایسی ہستی کو دیکھا جو کسی سے مشابہت نہ رکھتی تھی۔ آپ سہم گئے اور گہرا آکر چادر اوڑھ کر سو گئے۔ جب طبیعت کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی، کسی کا دل نہیں دکھایا اور خدا سے ڈرتے رہے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔ اس لئے خدا آپ کو تنہا کبھی نہیں چھوڑے گا اور آپ کی ضرورت مدد کرے گا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ ایک عالم تھا، توریت اور انجیل پر اسے مکمل عبور حاصل تھا، وہ ان کتابوں کی ہر یکوں اور کھلی نبوتوں سے بخوبی واقف تھا۔ سارا واقعہ سن کر اس نے کہا کہ اے خدیجہ: اگر تو مجھے سہا جانتی ہے تو اصل بات یہ ہے کہ تیرے شوہر کے پاس وہی نامور فرشتہ جبرائیل آیا تھا



جو کہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آچکا ہے۔ ”محمد یقیناً اللہ کے نبی ہیں۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خیال گزرا کہ شاید ورقہ نے خاندانی قرابت کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو ایک عیسائی راہب عدا اس کے پاس لے گئیں جس نے سارا واقعہ سن کر آپ کی پشت انور سے کپڑا اٹھایا اور مہر نبوت کو چوم کر بولا بخدا! آپ وہی نبی ہیں جن کی بشارت زبور انجیل اور توریت میں دی گئی ہے۔ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں اور آپ کے دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤں۔ ایک روز حضور ﷺ کبیل اوڑھے لیٹے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لائے۔ یا ایہا المدثر قم فانذر

(اے چادر اوڑھنے والے اٹھیے اور قوم کو عذاب الہی سے ڈرائیے)

اسی اثناء میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آگئیں اور آپ کی نظروں کو متلاشی پا کر سب دریافت کیا تو آپ نے وحی کے الفاظ کہہ سنائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسی وقت حضور ﷺ کے قدموں میں گر پڑیں اور پھر اٹھیں اور کہا:

اے اللہ کے رسول میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس طرح آپ کو عورتوں میں سے سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا کے ساتھ ثابت قدمی اور سچی ہمدردی کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے جب آپ کی تکذیب کی جاتی اور آپ پر ظلم و ستم کئے جاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہی

ذات ہوتی تھی جو اس آڑے وقت میں آپ کی تسلی اور تسکین کا سبب بنتی تھی۔ آپ نے اپنا تن من و دھن سب کچھ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی خاطر قربان کر دیا تھا۔ آپ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کیلئے جس کی خاطر رسول خدا کو مبعوث فرمایا گیا تھا، ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشاعت اسلام میں آپ کا کردار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ عورتوں میں تبلیغ کیا کرتی تھیں۔

حضور ﷺ سے بے حد محبت تھی اور ۲۵ سال کا عہد زوجیت بڑی اچھی طرح گزرا اور ایک بار بھی بدحرکی پیدا نہیں ہوئی۔ آپ نے ہجرت کے تین سال قبل رمضان المبارک کے مہینہ میں وفات پائی۔ چونکہ اس وقت نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے صرف کفن دے کر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی قبر حجون میں ہے جس کو اب جنت البقیع کہا جاتا ہے۔ آپ نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔

آپ کے بطن سے پہلے شوہر ابو ہالہ سے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ اور دوسرے شوہر حقیق سے ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی اور جب آپ حضور اکرم ﷺ کے حوالہ نکاح میں آئیں تو دو لڑکے اور چار لڑکیاں نبوت سے پہلے ہی پیدا ہوئے۔ پڑے قاسم تھے جن کی وجہ سے حضور ابو القاسم کہلائے اور حضرت قاسم دو یاتمن برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت زینب پیدا ہوئیں اور پھر حضرت عبداللہ جنہیں طیب و طاہر بھی کہا جاتا ہے پیدا ہوئے جو دو سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

حضرت عبداللہ کے بعد تین لڑکیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ چند لوگوں کے سوا باقی تمام مسلمان اور یورین مورخین کا اسی تعداد پر اتفاق ہے۔ بعض لوگ خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی



تعداد کے بارے میں غلط باتیں کرنے لگتے ہیں جن کی غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ ثابت شدہ حقائق کو مسخ کر کے حق سے کھلم کھلا روگردانی کر کے باطل کی پیروی کی جائے حضور ﷺ کو آپ کی اعانت اچھی طرح یاد تھی۔ اسی بناء پر آپ کی زندگی میں دوسری شادی کا خیال تک بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور حضور ﷺ کا آپ کے ساتھ عہد جوانی اس طرح سے گزرا کہ امت کیلئے ایک نمونہ ہے۔ نہ صرف ان کی زندگی میں انہیں عزیز رکھا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی تازیست انہیں یاد کرتے رہے اور تمام ازواج مطہرات پر فضیلت دیتے رہے۔ حضور ﷺ کی رائے میں آپ ایک سچی مشیر تھیں اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرگرم رکن تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ فرما کر انہیں موجودہ امت کی تمام عورتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ دنیا میں سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران تھیں اور اس امت میں سب سے بہتر عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

اور یہ فرما کر آپ کے وجود کو قائل تقلید قرار دیا کہ تم کو تقلید کیلئے چار عورتیں تمام دنیا کی عورتوں میں کافی ہیں۔ مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت خویلد (ترمذی شریف)

ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا ”جب بھی کفار کی کوئی بات مجھے ناگوار گزرتی تھی تو میں خدیجہ بنت خویلد سے کہہ دیا کرتا تھا اور وہ مجھے اس طرح کا جواب دیا کرتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور مجھ کو کوئی رنج نہیں ہوتا تھا۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب خاوند یہ محسوس کر رہا ہو کہ بیوی اس کے ہر دکھ کا مداوا ہے اور اس کی بہترین مونس و ہمد ہے۔ حضور ﷺ نے آپ سے کوئی بات نہیں چھائی اور

ایک محبت کرنے والے خاوند کی طرح ہر بات آپ کے سامنے ظاہر کر دی اور ہر مشکل مقام پر آپ سے مشورہ لیا۔

جس سال حضرت خدیجہ ؓ نے وفات پائی۔ حضور ﷺ کو بہت صدمہ ہوا اسی سال ابو طالب بھی فوت ہوئے۔ آپ نے اس سال کا نام 'عام الحزن' یعنی غم کا سال رکھا..... حضرت خدیجہ ؓ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ کو بہت عزیز رہیں مگر ان کو بھی وہ مقام نہ مل سکا جو حضرت خدیجہ ؓ کو حاصل تھا۔ آپ حضرت خدیجہ ؓ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو رشک ہوا کرتا۔ ایک بار حضرت عائشہ رہ نہ سکیں اور کہہ دی آپ ان کو اب بھول جائیے خدا نے آپ کو اس سے بہتر بیویاں دے رکھی ہیں۔ حضور طیب السلام نے فرمایا:

وہ اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے انکار کیا اور اس وقت میری تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا اور اس وقت مجھے مل دیا جب سب نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی محبت کا یہ عالم رہا کہ آپ کی سسلیوں کی خاطر مدارت کیا کرتے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: گھر میں جب بھی بکری ذبح ہوتی آپ حضرت خدیجہ ؓ کی لٹے والیوں کو ضرور بھیجے۔ (بخاری شریف)

جب گھر میں کوئی اچھی چیز آجایا کرتی تو حضور ﷺ فرماتے کہ اسے فلاں فلاں عورتوں کے ہاں دے آؤ وہ خدیجہ کی دوست تھیں۔ (زرقاتی)

آپ کو امور خانہ داری میں بھی خاص مہارت حاصل تھی اور بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام بہت اچھی طرح کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:



وہ بچوں کی بہترین ماں اور گھر کی منتظم تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

ایک دفعہ حسان بنت حرینہ آئی۔ حضور ﷺ اس وقت تک اس سے باتیں کرتے رہے جب تک وہ خود اٹھ کر نہ چلی گئی۔ حضرت عائشہ کے استفسار پر بتایا یہ خدیجہ کی سہیلی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چچا زاد بہن حالہ حضور سے ملنے آئیں تو ان کو اندر بلایا اور دیر تک باتیں کرتے رہے اور بار بار فرمایا ”مجھے خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں ملی۔“

غزوہ بدر کے بعد جبکہ قیدیوں کو فدیہ پر رہا کیا جا رہا تھا تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص کو رہا کروانے کیلئے وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دیا تھا۔ آپ دیکھ کر پر غم ہو گئے اور نہ صرف وہ ہار واپس کر دیا بلکہ صحابہ سے کہہ کر ابوالعاص کو بھی رہا کر دیا۔

لاکھ لاکھ رحمتیں اور برکتیں ہوں تربت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر جن کی مساعی جمیلہ اور وقاداری کی بدولت تاریخ اسلام میں ایک زرین اور درخشاں باب کھلا۔

ایسی سمجھدار روشن ضمیر بیوی ایسی پاک و بے مثل ہمد امی محبت کرنے والی رفیقہ حیات اور خود کو شوہر کیلئے وقف کر دینے والی بیوی کا وجود ایک انعام سے کم نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے حکم الہی کی تعمیل میں بتوں کو جھٹلایا تو قریش آپ کے دشمن بن گئے۔ آپ کو ستایا جاتا اور مذاق اڑایا جاتا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر گھر تشریف لاتے تو آپ حضور ﷺ کو تسلی دیتیں کہ دنیا کا یہی قاعدہ چلا آ رہا ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے۔ آپ تبلیغ جاری رکھتے اور لوگوں کے مذاق اڑانے کی پرواہ نہ کیجئے ایسی تسلی و تشفی

سے آپ نے حضور ﷺ کا حوصلہ قائم رکھا اور یہ آپ کی کتنی بڑی اسلامی خدمت تھی۔
حضور اکرم ﷺ تو مردوں میں دھڑ و نصیحت کرتے مگر آپ مجالسِ نسواں
میں جاتیں اور انہیں ایک نئے دین سے آگاہ کرتیں اور یہ آپ کی انہیں بے مثال
کوششوں کا ثمرہ تھا کہ قریش کی کئی سرزیمیاں مسلمان ہو گئی تھیں۔

ایک تحریک کو پودا ان چڑھانے کیلئے روپیہ کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے
کیونکہ ایک موقف خواہ کتنا ہی حق و صداقت پہنچی کیوں نہ ہو اس کی ترویج اس وقت
تک محال ہے جب تک کہ مادی وسائل نہ ہوں۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے ایک
غریب گھرانہ میں جنم لیا تھا اور پھر والدین کا سایہ بہت جلد اٹھ گیا۔ لہذا مادی وسائل کو
بروزے کار لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خدا نے یہ معاشی نگلی بھی دور کر دی اور اس لحاظ سے بھی اسلام کو تقویت
بخشی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا کاروبار آپ کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور
آپ کو تمام تجارتی معاملات میں سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔ اب حضور علیہ السلام
پوری توجہ سے اپنے مشن کی طرف توجہ ہو گئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی موقع پر بھی مالی اعانت سے گریز نہیں کیا۔
تاریخ یہی بتاتی ہے کہ بے شمار مواقع ایسے آئے جب حضور ﷺ کو آپ کی اعانت کی
ضرورت پڑی تو آپ نے کبھی بھی مایوس نہ کیا اور اشاعتِ اسلام کیلئے جس مالی قربانی
کی ضرورت تھی اس سے کبھی بھی مفر اختیار نہ کیا۔

ایک روز حائے بے کساں رضی اللہ عنہا نے ایک قریشی مالک کو اپنی لوطی کو مارے

ہوئے دیکھا تو آپ بڑپ اٹھے۔ اس قریشی کو مارنے سے منع کیا مگر وہ بولا ”یہ لوٹری
میری ہے تمہیں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں“۔ آپ خاموش ہو کر گھر چلے آئے۔

بے چینی و بے قراری میں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا
نے اس اضطراب کا سبب دریافت کیا تو آپ نے سارا ماجرا سنا کر کہا ”جو قوم عورتوں
پر ظلم کرتی ہے اس کا حشر کیا ہوگا؟“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”فکر نہ کیجئے مہج ہو لینے دیجئے میں اس
لوٹری کو آزاد کرادوں گی۔ چنانچہ مہج ہوتے ہی آپ نے مالک کو معقول رقم دے کر
لوٹری کو آزاد کرادیا۔

اسلام کی اشاعت اور تبلیغ دین میں آپ کا زبردست حصہ تھا۔ خدا تو حامی و
ناصر تھا ہی ظاہر میں آپ بھی حضور علیہ السلام کی مدد و معاون اور حامی و مددگار تھیں۔
آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام خود کیا کرتی تھیں۔ یہ کام نوکرانوں سے بھی کرو
اسکتی تھیں مگر آپ اپنے شوہر کی اطاعت گزار و قادیار اور جاثار بیوی تھیں۔ آپ کا یہ عمل
واقعی اس دور کیلئے مشعل راہ ہے جب ایک بیوی خاوند کو گلاس بھر کر پانی دینے میں بھی
اپنی توہین سمجھتی ہے اور بات بات پر شکر رنجیاں اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ آپ نے
دکھلادیا کہ کس طرح ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے اور اپنی جان و مال کو کس
طرح اپنے خاوند پر نچھاور کیا جاسکتا ہے۔

غریبوں کی امداد کیا کرتیں اور بعض کو قرضے دیا کرتیں۔ وہ وقت جبکہ کفار مکہ کی
قطع تعلقی پر بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑی خاندان رسول کیلئے بہت

تارک تھا اور بیرونی دنیا سے ان کے تعلقات پہلی طرح سے کٹ چکے تھے۔ آپ نے اس موقع پر اپنا سرمایہ ہوشم پر بے دریغ خرچ کیا اور باہر سے سامان منگوا کر ان کو دیا کرتی تھیں۔

اور یہ اس محبت و الفت و قادیانی جانگزی اور فداکاری کا ثمرہ تھا کہ ایک بار حضور ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر سلام بھیجتا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سلام آپ تک پہنچایا تو آپ نے فرمایا ”بے شک اللہ پاک خود سلامتی والا ہے جبریل علیہ السلام پر اور اسے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر سلام ہو“۔

اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے کہ خود خدا بھی سلام بھیجے اور جنت کی بشارت دے۔

عائشہ ہوں یا خدیجہ یا کہ ہو بہت جہش
خاتم احمد اور نگین ہیں اُمہات المؤمنین
ہیں نبی کے عقد میں ان کے عقد میں روح میں
روح ختم المرسلین ہیں اُمہات المؤمنین

(راجہ شہید محمود)

ظاہر ہے کہ ایسی اہل درد اور دل سوز بیوی جو شوہر کی رضا مندی اس کی اطاعت اور راحت رسانی میں کوشاں رہنے کے علاوہ اپنی جگہ دی سے تمام مصدات کو دور کر دیتی ہو اور مخالفوں اور مشرکوں کی مخالفت غیر اہم ثابت کر دیتی ہو شوہر کو کہاں

تک محبوب نہ ہوگی چنانچہ آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے ان کی اچھی طرح تعریف کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”جتنا رشک مجھے خدیجہ رضی اللہ عنہا پر تھا کسی اور بیوی پر نہ تھا۔“

ایک دفعہ آپ نے فرمایا: بخدا مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اُس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے اس نے میری تصدیق اس وقت کی جب سب نے مجھے جھٹلایا اس نے میری مال سے مدد کی جب دوسروں نے محروم رکھا۔ اللہ نے مجھے اس سے اولاد دی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اولاد پر بہتر مہربان تھیں۔ امور خانہ داری سے کما حقہ واقف تھیں۔ گھر کا انتظام بہت اچھا کرتی تھیں۔ انہیں خوبیوں کا احساس فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں ”کانت امر العیال وریعہ البیت“ فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم آپ کا شعار تھا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے آپ اس کی تصدیق کرتی تھیں اور یہ حالت آپ رضی اللہ عنہا کی ہر زمانہ میں رہی بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا "تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا "اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔"

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "جنتی عورتوں میں سب سے افضل چار بیویاں ہیں خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت حرام ہابیہ فرعون۔" سرور عالم ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عقیدت و محبت کی یہ کیفیت تھی کہ بشت سے پہلے اور بشت کے بعد حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا انہوں نے ہمیشہ اس کی پُر زور تائید و تصدیق کی۔ اسی لئے حضور ﷺ ان کی بے حد تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے۔

۷۔ بعد بشت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس اہلواء میں حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ وہ پورے عین برس تک اس محسوری کے دوح فرسا آلام و مصائب بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ بھگتی رہیں۔

۱۰۔ بعد بشت میں یہ ظالمانہ محاصرہ ختم ہوا لیکن اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا زیادہ دن زعمہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں ان کی طبیعت نامساں ہوئی۔ حضور ﷺ نے علاج معالجہ اور تسکین و تسخنی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ کھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۰ نبوی کو انہوں نے پیکر اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے قبرستان جحون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۵ برس کی تھی۔



حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی فوراً اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ خواتین میں سے اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو قیامت تک آپ کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کرتا رہے گا

السلام اے مومنوں کی مادر عالی مقام
خالق کونین نے بخشا تجھے اونچا مقام
جنگائے گا بلندی پر ابد تک تیرا نام
رہبر دنیا و دین کی اولیں زوجہ ہے تو
تیری عظمت ہے مسلم دو جہاں میں لاکلام



اُمّ المؤمنین

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

مومنوں کے دل کی دھڑکن تھیں سراج نور تھیں
 سیرت عالی سے وہ حل چرایا طور تھیں
 خدمت سرکار پر ہر آن وہ معبود تھیں
 آپ کی خدمت بجا لا کر بہت سرور تھیں
 اُن کے دل کی دھڑکنوں میں بس رہے تھے مصطفیٰ
 شوکت کونین ہاں عارے حبیب کبریا
 مومنوں کی ماں محمدؐ کی شریکِ زمی
 ہر گھڑی میں نظر ان کے تھی آقاؐ کی خوشی
 سالہ تھیں ' عابدہ تھیں زہد شب زعمہ دار
 صائمہ تھیں ' طاہرہ تھیں ' وقف حق لیل و نہار
 ہے اگر مقصود اپنا بزمِ فطرت میں نبات
 سیدہ سودہؓ کا اُسودہ سانسے ہو تاحیات
 اے رضا میرے لئے ہیں قابلِ صد احترام
 مومنوں کی ماں کا اُونچا ہے جہاں بھر سے مقام



اُمّ المؤمنین

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ کا اسم گرامی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔

والد کا نام زمعہ بن قیس تھا جو قبیلہ عامر بن لوی سے تھے۔

ماں کا نام سموس تھا جو انصار کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہایت پاکیزہ خصائل عطا کئے تھے جب

نبی کریم ﷺ نے اعلائے کلمۃ الحق کیا اور خدائے واحد کا پیغام سنایا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

نے فوراً آواز دے رسول پر لبیک کہا اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نہایت سعید

طبیعت، بلند حوصلہ اور راہِ حق کے حلاشی تھے۔ انہوں نے بھی فوراً نبی کریم ﷺ کے

دستِ حق پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا جب کفار نے مسلمانوں کو شدت سے ستانا

م شروع کیا تو نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ بھی

حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ کئی برس حبش میں بسر کئے پھر مکہ واپس آئے جہاں چند دن

بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے اور ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ بیوہ ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تھی۔ بن ماں

کے بچوں کو دیکھ دیکھ کر سرور کائنات ﷺ کی طبیعت مبارک افسردہ رہتی تھی۔ رسول کریم

ﷺ کی ایک جان نثار صحابیہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے ایک دن بارگاہِ نبوی میں

عرض کیا:

یا رسول اللہ! خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملوں

دیکھتی ہوں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مگر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خود بخود ﷺ ہی کے سپرد تھی۔“ خولہؓ نے عرض کی تو پھر آپ کو ایک شخص دھمکسار کی ضرورت ہے اگر اجازت ہو تو آپ کے نکاح دانی کیلئے سلسلہ عہدانی کروں۔“

رسول کریم ﷺ نے اسے منظور فرمالیا۔ حضرت خولہؓ اب حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول کریم ﷺ کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہؓ نے بخوشی حرم نبویؐ بننے پر اظہارِ رضامندی کیا۔ ان کے والد زموہؓ نے بھی حضور ﷺ کا پیغام قبول کر لیا اور انہوں نے اپنی تختِ جگر کا نکاح سرورِ کائنات ﷺ سے چار سو درہم پر خود پڑھا دیا۔ نکاح کے بعد ان کے صاحبزادے عہدائہؓ مگر تشریف لائے وہ ابھی تک شرفِ باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس نکاح کا حال سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور سر پر خاک ڈالی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں ساری عمر اپنی اس نادانی کا بہت قفس رہا۔

اپنے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ کی زندگی میں حضرت سودہؓ نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ مکہ کے سہارے لٹھی ہیں کہ آسمان پھا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انہوں نے یہ خواب حضرت سکرانؓ سے بیان کیا۔ آپ نے کہا: اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں مغرب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد ﷺ کے نکاح میں آؤ گی۔ واقعی اس خواب کی تعبیر چند دن بعد پوری ہو گئی۔

۱۳ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ وہاں سے آپ نے حضرت ابورافعؓ اور زید بن حارثہؓ کو کہہ بھیجا کہ حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ اُنم کلثوم اور حضرت سودہؓ (رضی اللہ عنہا) وغیرہ کو مدینہ منورہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ حضرت ابورافعؓ اور زید بن حارثہؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ چلے آئے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ دراز قامت، فربہ جسم، سن رسیدہ، سلیقہ شعار اور نہایت پاکیزہ خاتون تھیں۔ آپ کے حراج میں کچھ تیزی بھی تھی مگر طبیعت میں عرافت کا پاکیزہ حراج بھی تھا جس سے رسول اللہ ﷺ اکثر مملوٹ ہوتے۔ آپ کئی بار جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بڑھکے انداز سے چلتیں جسے دیکھ کر حضور ﷺ قسم فرماتے۔

ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ”یا رسول اللہ! کل رات میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے اتنا طویل رکوع فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری گیسری نہ پھوٹ جائے۔ اس لئے میں نے دیر تک اپنی ناک پکڑے رکھی۔“ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرانے لگے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد لکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ اپنی قد کی درازی سے فوراً پہچان لی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ قحطائے حاجت کیلئے جنگل کی طرف نکل گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہچان لیا۔ اس سے قبل جناب عمر رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کے باہر نکلنے پر اٹھارنا پسندیدگی اور پردہ کی تحریک کر چکے تھے۔ اس لئے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ سودہ ہم نے تم کو دیکھ لیا۔ حضرت سودہ کو بہت برا معلوم ہوا اور اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کی۔ یہ واقعہ نزولِ حجاب سے پہلے کا ہے۔ امام بخاری اسی کے بعد آیتِ حجاب کا نزول بتاتے ہیں۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ اب اس حج کے بعد گھر سے نہ نکلنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی وفات کے بعد اور بیویاں حج کرتی تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اس حکم کی سختی سے تعمیل کی اور گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں ”میں نے حج کیا، عمرہ ادا کیا اور اب اپنے گھر بیٹھی ہوں جیسا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے۔“ ۱۰ھ کے حج میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی

آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، چونکہ بدن کی قربت میں اور چڑھنے سے محذور اس لئے
آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے حوالہ سے روانہ ہونے سے پہلے اُن کو چلے جانے کی
اجازت دے دی تاکہ ان کو جہم سے تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بہت باایثار اور مہربانی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ
رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ میں کچھ درہم بھیجے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”یہ کیا ہے؟“ لوگوں
نے کہا ”درہم ہیں“۔ آپ نے فرمایا ”قبیلہ میں کچھ دوں کی طرح“ یہ کہہ کر اسی وقت
سب تقسیم کر دیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”میں نے کسی عورت کو حسد سے خالی
نہیں دیکھا سوائے سودہ کے“ نہ طلاؤں سودہ کے کسی عورت کی نسبت میری یہ تمنا ہوئی کہ
میری روح اس کے قالب میں ہوتی۔“

صفان بن مسلم کے حوالے سے ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک دن سب ازواج
’مطہرات‘ جمع ہوئیں اور نبی کریم ﷺ سے کہا:

”یا رسول اللہ! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملے گا۔“

آپ نے فرمایا ”جو تم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والا ہوگا۔ حضور ﷺ کے
وصال کے بعد شب بیدیاں ایک دوسرے کے ہاتھ مالا مالا کرتی تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا
ہاتھ سب سے بڑا تھا۔ جب سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کی وفات ہوئی
تو معلوم ہوا کہ طویل ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات تھا۔ جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا
کوئی ثانی نہ تھا۔

چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سن زیادہ ہو چلا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نو عمر
تھیں اس لئے انہوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی جو انہوں نے
خوشی سے قبول کر لی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت سکران رضی اللہ عنہ کے صلب سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام عبدالرحمن تھا۔ انہوں نے عہد فاروقی میں جنگ جلولاء میں شرکت کی اور نہایت بہادری سے دشمن کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہادت کے بلند رتبے پر فائز ہوئے۔ حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ ان دونوں کے نکاح میں تھوڑا سا فرق تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو ان تھیں اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سن رسیدہ اس لئے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں رسول اللہ مجھے طلاق ہی نہ دے دیں اور میں شرفِ زوجیت رسول سے محروم ہو جاؤں۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ قیامت کے روز وہ دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ اٹھائی جائیں اس لئے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

”مجھے اپنے پاس رکھئے مجھے خاوندوں کا کوئی حرص نہیں، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں اٹھائے کہ میرا نام آپ کی ازواج میں شامل ہو میں اپنی باری حضرت عائشہ کو بخشتی ہوں میں وہ نہیں چاہتی جو اور عورتیں چاہتی ہیں۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی اس پیشکش پر حضور رحمتِ عالم ﷺ بھی خوش ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہو گئیں۔ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ ایثار ان کے خصائص میں تھا اور یہ اس خاطر تھا کہ اس کی بدولت وہ محبوبہ رسول کے توسط سے خوشنودی رسول ﷺ حاصل کر لیں۔ بعد ازاں ان کی باری ان کو دے دی گئی تاکہ آپ کے ساتھ بے اعتنائی یا علم نہ رہے۔

”رسول اللہ ﷺ سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ جب رسول اللہ نے اپنی

ازواجِ مطہرات کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا تو یہ بھی گھر میں رہیں جبکہ دوسری ازواج نے حج و غیرہ کر لئے لیکن آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حج کر لیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں۔ اس سے جو بھی آمدنی ہوتی تمام کی تمام خدا کی راہ میں خیرات کر دیتیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اُمت کیلئے بہت سے اعمالِ حج آسان بنانے کا سبب بنیں جیسے حردانہ سے لکنا ہجر سے پہلے نگریں مارنا اور جلدی نہ کہ لوٹنا وغیرہ۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث بخاری شریف میں اور چار دیگر کتب احادیث میں ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المؤمنین تھیں جنہوں نے اپنی محبت و وفا خدمتِ گساری اور غمِ گساری کی شمع روشن رکھی۔ حضور ﷺ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ اسی دوران میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کی وجہ سے ان کے اندر نگہار اور حسن پیدا ہوا جس کی بدولت وہ بھری کے بعد حرمِ نبوی میں داخل ہونے والی خواتین کیلئے اپنی محبت و چاہت اور حسنِ سلوک کا دامن دراز کر دیا۔ اور اس ضمنِ کبھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتا ہر ایک کو پڑھا پے کی جانب لے جاتا ہے۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو ان کی عمر پچاس برس کی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا سن مبارک بھی پچاس برس کا ہو چکا تھا۔ پانچ بھری میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کافی سن رسیدہ ہو گئیں اس لئے انہوں نے حقوقِ زوجیت سے از خود کنارہ کرنے کی سوجھ بولی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ اسی ایثار کا کرشمہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حسن

نسلوک کے حلق وہ الفاظ کہے جو انہوں نے کسی اور کیلئے ادا نہیں کئے تھے۔

جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر ۷۲ برس کی تھی (۱۹ ہجری) وصال کے وقت انہوں نے اپنے گھر کے حلق و میت فرمائی۔

”مجھے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جائے۔“

جب اُمّ المؤمنین حضرت سودہ کا انتقال ہو گیا اور وہ سلطانِ دو عالم ﷺ سے ابدی ملاقات کیلئے جہانِ قانی سے جہانِ بھا کی طرف تشریف لے گئیں تو خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مومنوں کی اس مقدس ماں کا جنازہ رات کو اٹھاؤ۔“

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کی میت کیلئے پردہ دار مسہری بناتے دیکھا تھا۔ لہذا میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیلئے ویسی ہی مسہری تیار کی اور جب اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاحظہ فرمایا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو عادی اور فرمایا:

”تم نے ان کو پردہ میں ڈھانپا اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔“

جب جنازہ تیار ہو گیا تو اسے ابدی منزل کی طرف لے جا کر جنت البقیع کی قبر میں اتار دیا گیا اور حرمِ نبوت کا یہ ستارہ بھی لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہمیں ملنے کیلئے آئیں۔ جب وہ بیٹھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور ایک آپ کی طرف۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کیلئے حریرہ بنا رکھا تھا۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جو انہوں نے

تکاول فرمایا۔ میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا یا تو آپ حریرہ کھائیں وگرنہ میں آپ کے منہ پر تل دوں گی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں نے پیٹ سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر تل دیا تو انہوں نے بھی تھوڑا لے کر میرے منہ پر تل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ غصے۔

اس سکرانی ہوئی مگر محبتِ آفریں روایت سے اعزازہ ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا میں کس قدر محبت اور قربت تھی۔ شکرِ ربی یا رب شک کا دور دور تک نام نہ تھا اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کو ان لفظوں میں یاد کرتی تھیں جو کسی بھی خاتون کیلئے اعزاز ہوتے ہیں۔ ربّ کریم اپنا انجام نازل فرما۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا پر کہ جنہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد آپ کے گھر کو سہارا دیا اور تمام ذمہ داری آپ کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنے میں بسر کر دی۔





اُمّ المؤمنین

سیدہ عائشہ صدیقہؓ

مومنوں کی ماں وہ کونین کی آنکھوں کا نور
جن کی عظمت دیکھ کر ملتا ہے ہر دل کو سرور
طیب و طاہر عقیقہ بیکر صدق و یقین
اُمّتِ احمد کے حق میں رحمتِ ربّ غفور
صورتِ لعل و جواہر آپ کے اقوال ہیں
آپ کا ارشاد برحق ہے مثالِ شمع طور
آپ کی عفت کا شاہد ہے خدائے پاک خود
آپ کی عفت کا ہے قرآنِ ربّی سے ظہور
آپ تھیں محبوبِ محبوبِ خدائے دو جہاں
آپ کی ہر اک ادا تھی زینتِ قلبِ حضور
شارحِ ارشادِ احمدِ محرمِ ذاتِ نبی
ذاتِ والا آپ کی تھی ظلمتوں میں مثلِ نور
تھیں محدث اور مُفسر، حسنِ فطرت اے رضا
آپ نے بتلایا ہم کو اُسوۂ ذاتِ حضور

(محمد اکرم رضا)

عظیمہ کائنات

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عظیمہؓ اسلام ہیں۔ آپ کے فضائل اور
محاسن گل و خرد سے ملبوئی ہیں۔ آپ نے رسول کریم ﷺ کی حیاتِ گاہری اور آپ
کے وصال کے بعد اسلامی تعلیمات کو جس شان سے اصحابِ اسلام تک پہنچایا وہ اپنی
مثال آپ ہے۔ اگر آپ اخلا اور مال سے کام لیتیں تو نبھانے کتنے ہی مسائل محاسن ہتھ
اور خاص طور پر مخدثین اور مشرین کی نگاہوں سے دو چار رہ جاتے۔ آپ کا جبہ سہلی کریم
ﷺ سے عقد ہوا تو آپ کی عمر تھوڑی تھی مگر آپ کی کمالِ نبوی کی عظمت اور سرکارِ
دو عالم ﷺ سے اثر پہنچ رہی تھی آپ سیرتِ نبوی کی سب سے بڑی شہداء تھیں اور آج
علومِ اسلامیہ کا جو ایمان آفرین سرچشمہ بہہ رہا ہے اس میں آپ کا بھی قابلِ قدر حصہ ہے۔

بیتِ صدیقی امامِ جانِ نبی

اس حرمِ برأت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۃ نور جن کی گواہ

ہن کی پندورِ صحت پہ لاکھوں سلام

آپ اس عظیم الشان رباپ کی بی بی تھیں جو رسولِ خدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا جسے
دنیا صدیقی اکبر ﷺ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کے بارے میں حضورِ نور ﷺ
نے فرمایا تھا کہ میں نے سب کے احسان چکا دیے مگر صدیقی کا احسان باقی ہے اور جن
کی وقاداری و جاوہاری آج ایک ضربِ المثل بن چکی ہے۔

آپ حضرت فاطمہ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور ۴ نبوی میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدین آپ کی پیدائش سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے لہذا دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی توحید کی صداکانوں میں پڑی۔ جس ماحول میں پروان چڑھیں وہ عین اسلام تھا اسی بناء پر آپ شروع ہی سے کفر و شرک کی آلودگیوں سے محفوظ رہیں۔ آپ بچپن ہی سے کافی ذہین تھیں۔ خدا نے صورت بھی پسندیدہ دی تھی اور سیرت بھی یکساں تھیں۔

دوسری بچیوں کی طرح حضرت عائشہ بھی بچپن میں کھیل کود کی شائق رہیں۔ گڑبڑوں سے کھیلتا اور جھولے جھولتا آپ کے پسندیدہ کھیل تھے جن کا ذکر آپ شادی کے بعد بھی کیا کرتی تھیں۔ ذہن اس بلا کا پایا تھا کہ بچپن کی باتیں جوانی میں اس طرح بتایا کرتی تھیں جیسے سامنے کا واقعہ ہو۔ آپ کے والدین آپ کی ذہانت دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح سے اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزاری تھی وہ ناقابلِ فراموش تھی اور پھر ساتھ ہی ساتھ حضرت ابوطالب بھی انتقال کر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کفارِ مکہ کے ظلم و ستم انتہائی شدید ہو چکے تھے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات پہلے کی نسبت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی مونس و ہمد رفیقہ حیات کی وفات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے محسوس کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے غم میں دیکھ کر حضرت خولہ زوجہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا ”حضور نکاح کر لیجئے“۔ اگر کنواری سے کرنا چاہیں تو افضل البشر (بعد الانبیاء والرسل) کی بیٹی عائشہ موجود ہیں اور اگر بیوہ سے کرنا

مقصود ہو تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں رشتے منظور کر لئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے تو فوراً نکاح ہو گیا اور پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت ابوبکر اور امّ رومان سے بات اٹھائی گئی۔ دونوں کو انکار کچھ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر کو نائل صرف یہ تھا کہ حضور ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہتے ہیں اس طرح آپ حضور کی بھتیجی ہوئیں اور بھتیجی سے نکاح کیونکر ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر میرے سگے بھائی نہیں ہیں لہذا رشتہ ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منگنی حضرت جبر بن مطعم سے ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر نے جبر کی والدہ سے مل کر منگنی توڑ دی اور پانچ سو درہم حق مہر پر ان کا آپ سے نکاح پڑھا دیا گیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات سال کی تھی اور آپ کو اپنے نکاح کی خبر تک نہ ہوئی بس والد آئے اور کھلتے ہوئے لے گئے اور نکاح پڑھا دیا۔

نکاح کے بعد چونکہ آپ کم سن تھیں لہذا اپنے والد کے گھر رہیں اور پھر وہ وقت بھی آیا جب حضور ﷺ کو مشیت ایزدی کے مطابق مکہ سے ہجرت کر کے عازم مدینہ ہونا پڑا۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں کے اہل و عیال مکہ ہی میں تھے۔ جب مدینہ میں امن و سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا اور فضا سازگار ہو گئی تو آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو بھیجا کہ آپ کے اہل و عیال کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کیلئے دو آدمی اور بھیج دیئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے بعض افراد خاندان کے علاوہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اپنی والدہ اور دونوں بہنوں کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ ابتداءً مدینہ کی فضا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس نہ آئی اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئیں۔ جب آپ کو بیماری سے صحت نصیب ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود

حضرت امام علیؑ کی مرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی بیوی کو گھر منگوا لیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میرے پاس لائے مہر کیلئے روپیہ نہیں ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مہر کی رقم لا کر حضور کے حوالے کر دی جسے حضور نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیج دیا اور ۲ ہجری ۱۹ شوال کو رخصتی عمل میں آئی۔ جس سادگی سے نکاح ہوا تھا اُسی سادگی سے یہ تقریب بھی منائی گئی۔ شوال کا مہینہ عرب عقیدہ کے مطابق منحوس خیال کیا جاتا تھا مگر اس خوش آئند اور مبارک واقعہ نے اس مہینہ کی نحوس کے باطل عقیدہ کو پاش پاش کر دیا۔ آپ نے اس مہینہ میں شادی کی تقریب کو بہت پسند فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اور میری رخصتی دونوں شوال میں ہوئے اس کے باوجود میرے شوہر کے نزدیک مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

آپ نے ۹ سال حضور ﷺ کی رفاقت میں بسر کئے۔ آپ کی اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ماہ عرب جو ظلمت کدوں میں نور پھیلانے اور پردہ باطل چاک کرنے کیلئے قارآن کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تھا آپ ہی کے حجرے میں غروب ہوا۔ آپ وہ پہلی عقیقہ و عصمت مآب خاتون تھیں جو نو عمری میں حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو کر حضور کے زیر سایہ ہیں۔ آپ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد حضور کو سب سے زیادہ محبوب رہیں اور آپ پر ہمیشہ حضور ﷺ کی چشمِ رحمت رہی۔ آپ علم و فضل کی ماہتاب نقیہ، فاضلہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ نے حضور سے کثیر احادیث روایت فرمائیں۔ خلاصۃ التہذیب میں مروی ہے کہ آپ سے دو ہزار دوسو دس احادیث مروی ہیں جن میں سے بخاری نے چوتن اور مسلم نے اڑسٹھ راویوں سے روایت لی۔

صالِ حضور ﷺ کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ کل عمر تریسٹھ سال ہوئی۔



آپ میں چند ایسی خصوصیات تھیں جو دوسری ائمہات المؤمنین کو حاصل نہ تھیں

اور وہ یہ ہیں:

آپ حضور اکرم ﷺ کی واحد بیوی ہیں جو کتواری آپ کے نکاح میں آئیں۔

فرشتے نے خواب میں آپ کی صورت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی۔

آپ پیدائش سے ہی شرک و کفر کی آلودگی سے منزہ رہیں۔

آپ ہی کے لحاف میں کئی بار حضور کو وحی ہوئی۔

آپ کے والدین مہاجر تھے۔

آپ کی برأت میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں

آپ کا مرتبہ و مقام اس لحاظ سے بھی بلند ہے کہ بریت قرآن حکیم میں مولا

کریم نے فرمائی ہے۔ یہ مرتبہ آپ سے پہلے حضرت مریم علیہا السلام کو ملا تھا۔ واقعہ یوں ہے

کہ غزوہ بنی المصطلق میں قرعہ ڈالنے کے نتیجہ میں آپ بھی حضور پر نور ﷺ کے ساتھ

تھیں۔ قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ قضائے حاجت کیلئے ایک سمت گئیں۔ جب

واپس آئیں اور گلے پر ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ ہار گر چکا ہے۔ چنانچہ پھر ہار کو ڈھونڈنے

گئیں۔ جب تلاش کر کے اسی جگہ آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ قافلے والے آپ کی غیر

حاضری سے بے خبر تھے۔ آپ پر پریشانی لاحق ہوئی اور چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ موسم

خوشگوار تھا، آنکھ لگ گئی۔ حضرت صفوان بن معطل قافلہ کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کیلئے

پیچھے آ رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو سوتا پایا کر قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرنا شروع کر دیں۔

آپ جاگ پڑیں تو انہوں نے اُونٹ پیش کر دیا، آپ بیٹھ گئیں اور پھر قافلہ سے جا ملیں۔

اب منافقوں کی بن آئی، وہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے کے بہانے

ڈھونڈا کرتے تھے۔ اس واقعہ نے ان کی زبانوں کو دراز کر دیا۔ اس دریدہ و فنی کا نتیجہ چند

حاجۃ الاسلام

سادہ لوحوں کی اسلام سے برکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے منافقوں کا شوشہ قرار دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکیزہ طینت قرار دیا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں سوائے بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تحقیق کر لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رازدار خادمہ بریرہ کو بلایا گیا اور سختی سے دریافت کیا گیا، مگر اُس نے کہا کہ میں نے عائشہ میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی، ہاں البتہ آٹا گوند حے ہوئے سو جاتی ہے۔ منافقوں کی دریدہ دہنی سے اصحاب رسول میں اشتعال پھیل گیا اور وہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے سخت خلاف ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام تو اس منافق اعظم کا سر قلم کرنے کیلئے اجازت طلب کرنے لگے مگر سرور کائنات ﷺ نے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ اُن دنوں بیمار تھیں۔ اس صدمہ نے اور بڑھ چال کر دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو کہنے لگیں ”خدا گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں اور وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے بیٹوں کو سخن سازی پر کہا تھا۔ خدا ضرور میری مدد کرے گا“ اور پھر باپ کے گھر آ گئیں۔ ایک روز حضور ﷺ آپ ہی کے گھر آئے ہوئے تھے کہ حضور پر وحی نازل ہوئی، چادر اوڑھادی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب حضور کی طبیعت بحال ہو گئی تو آپ نے سورہ نور کی وہ دس آیات تلاوت فرمائیں جن میں آپ پر عائد کردہ الزامات کی تردید کی گئی ہے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضور باہر تشریف لائے اور اصحاب کو آپ کی برکت سے مطلع فرمایا اور غلط الزام لگانے والوں کو اتنی اتنی دُرے لگائے گئے۔

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مل کر کہا کہ جس کے ہاں

حضور تشریف لائیں وہی کہے: حضور نے شاید مغایر کا گوند کھایا ہے۔ حضور ﷺ آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے یہی فقرہ دہرایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں نے تو شہد کھایا تھا لیکن اب خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ شہد کبھی نہیں کھاؤں گا“ تم اس بات کو کسی دوسرے تک نہ پہنچانا۔

اس پر سورہ تحریم نازل ہوئی۔ اے نبی تم اس چیز کو اپنے پر حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ تم اپنی بیوی کی مرضی چاہتے ہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح سادہ تھی اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات نے بھی آپ کے ساتھ نباہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی دو وقت متواتر گیہوں کی روٹی کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ فرمایا کرتی تھیں کہ میں جب بھی سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رونا آ جاتا ہے اور وہ وقت یاد آ جاتا ہے جب حضور نے سیر ہو کر دو دفعہ متواتر گوشت نہیں کھایا تھا۔ اور پھر اس وقت جب سلسلہ فتوحات پھیلنے لگا اور آسودگی کا دور دورہ ہوا تو ازواجِ مطہرات نے خرچ میں فراخی چاہی تو حضور ﷺ نے ایک ماہ تک آپ کے بالا خانہ پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُمّات المؤمنین کی طرف سے وکیل بن کر حاضر ہوئے تو حضور کے بدن پر پلنگ کے بانوں کے نشان دیکھ کر رو پڑے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو مزے اٹھائیں اور اللہ کا حبیب اس حال میں“ آپ نے فرمایا: تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان کیلئے تو دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ ایک ماہ بعد حضور حجرہ سے باہر آئے اور سورہ احزاب رکوع نمبر ۴ کی آیات تلاوت فرمائیں جن میں آپ کی بیویوں کو نیکی پر ہیز گاری، عبادت گزاری اور کفایت شعاری کی تلقین کی گئی

میں دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کو کہا تھا اور انہیں دوسروں سے ممتاز اور ہر لحاظ سے فائق بنانا چاہا تھا۔ سب سے پہلے یہ آیات حضور نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور پھر کہا: والد سے پوچھ لو۔ آپ نے عرض کیا: مجھے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے مجھے تو اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ یہی جواب تمام ازواجِ مطہرات کا بھی تھا۔

اس زندگی میں کتنا تیس ستن ہے دنیا داروں کیلئے۔ حضور ﷺ نے ان بیویوں کو اسلامی تعلیم کے رنگ میں ایسا مطمئن رکھا کہ انہوں نے کبھی دنیاوی سامان کی خواہش نہ کی اور ہمیشہ آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھا۔ کاشانہ نبی کیا تھا؟ اللہ کے محبوب نبی کا برتر از عرشِ بریں حجرہ تھا جس کا دل دنیا کے تمام دولت مندوں سے زیادہ غنی تھا۔ باوجودیکہ تمام عرب مطیع تھا لیکن گھر کی حالت یہ تھی کہ مٹی کی چار دیواری تھی اور کھجور کی پتیوں کی چھت تھی جو بارش سے بچتے کیلئے ڈال دی گئی تھی مگر آپ کی ازواجِ مطہرات نے صرف اسی کو دنیا و آخرت کا اعزاز سمجھ کر زندگی گزار دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کو سرمایہ حیات سمجھا ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی کو اپنے لئے باعثِ اعزاز خیال کیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کی نظین پر ایک دفعہ معمولی سی آلودگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیج کر نظین شریفین کے اتارنے کا آپ کو حکم دیا۔ آپ کی زوجہ مطہرہ مقدسہ میں اس قسم کی آلائش ہوتی جس کا منافقین چرچا کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو نکال دینے کا بھی آپ کو حکم دیتا کیونکہ جب اُسے آپ کی نعل شریف کی آلودگی پسند نہیں تو بیوی کس طرح پسند ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ کرنا۔ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ منافقین مجھوٹے ہیں۔ (تفسیر مدارک ص ۱۳۵/۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے بہت ذہین تھیں۔ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرورِ عالم ﷺ پاس سے گزرے۔ ننھی عائشہ کی گڑیوں میں ایک پردار گھوڑا بھی تھا۔ حضور نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا ”گھوڑا ہے“۔ حضور ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے۔ انہوں نے بے ساختہ کہا ”کیوں یا رسول اللہ ﷺ! حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے“۔ حضور نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا۔

شادی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی زندگی میں بہت ذمہ داری آگئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی سہولتوں کا خیال رکھتیں اور آپ کی دلدی اور دلداری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آپ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن عاص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: یا حضرت! ”آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟“ فرمایا ”عائشہ“ کہا ”مردوں میں پوچھتا ہوں“ فرمایا ”عائشہ کا باپ“ یہی حال حضرت عائشہ کا تھا وہ بھی محسنِ کائنات محمد ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو بیدار ہو جاتیں اور آپ کو پاس نہ دیکھتیں تو مضطرب ہو جاتیں۔ ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی اور بمقتضائے عشق است و ہزار بدگمانی خیال ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں۔ ادھر ادھر تلاش کیا تو دیکھا آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں۔ اپنی غلط خیالی پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس حال میں ہیں“۔

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا حضرت عائشہ نے انہیں

بڑی محبت سے محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو آپ کا تہ بند اور ایک کبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول کریم ﷺ کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں پڑتا تھا بلکہ سب سے زیادہ انہی کو آپ کا شرف خدمت حاصل تھا۔ رسول اکرم ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھویا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کا انصرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھا۔

آپ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی بچہ پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور حضور ﷺ کا انتظار شروع کیا۔ آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں۔ آپ آئے تو جگایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لباس کے متعلق مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سُرخ کرتہ اور سیاہ اوڑھنی زیب تن فرماتی تھیں، لیکن زعفرانی رنگ کے لباس کا تذکرہ اکثر ملتا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو محالِ احرام سونے کی انگلی اور زرد رنگ کا لباس پہنے دیکھا ہے۔ ایک ریشمی چادر بھی کبھی کبھی استعمال فرماتی تھیں جو بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عنایت فرما دی۔ قناعت پسندی کی وجہ سے ایک ہی جوڑا پاس رکھتی تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ لباس میں شرع کا اتنا لحاظ تھا کہ ایک بار ان کی بھتیجی حضرت حصہ بنت عبدالرحمن ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالے ملنے آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور فرمایا ”تم نہیں جانتی ہو سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ پھر ایک دبیر کپڑے کی اوڑھنی منگوا کر انہیں پہنا دی۔

آپ پردے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اُتریں۔



صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جواب جوان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید فرمائی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ ایک دفعہ ابن اسحاق نابینا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئے تو آپ نے پردہ کیا۔ ابن اسحاق نے کہا ”آپ مجھ سے چھٹی ہیں میں تو آپ کو نہیں دیکھتا“ فرمایا کہ اگر تم مجھ کو نہیں دیکھتے تو کیا ہوا میں تو تم کو دیکھتی ہوں۔

عورتیں بالعموم اسراف کی عادی ہوتی ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں قناعت کا وصف خصوصیت سے ودیعت ہوا تھا۔ لہذا نذ دُنوی اور مال و منال کی طرف رُخ بھی نہ کرتی تھیں۔ ترمذی کے باب زہد میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب فرمایا۔ پھر فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا آتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا: یہ کیوں؟ فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے دنیا کو چھوڑا تھا خدا کی قسم دن میں دو دفعہ بھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

ایک دن آپ روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے کچھ اور موجود نہ تھا۔ اس حالت میں ایک مسکین عورت آئی تو آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ وہ روٹی اُس کو کھلا دے اس نے عرض کی: افطار کس چیز سے کیجئے گا؟ بولیں ”اللہ مالک ہے۔“ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لوٹتی کو بلا کر فرمانے لگیں ”لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ رات کے وقت اُٹھ کر کہیں تشریف لے گئے جب حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور حضور کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں دیوانہ وار اُٹھیں اور ادھر ادھر اندھیرے میں ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ حضور کا قدم مبارک ملا دیکھا تو آپ سر بسجود یا دِ الہی میں مشغول



ہیں۔ اس وقت انہیں المینان ہوا۔

جب نبی اکرم ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جسم مبارک پر خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ سفر میں حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت آ گیا، ووردور تک پانی نہیں تھا اس لئے لوگوں نے بغیر وضو نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضور ﷺ سے ماجرا بیان کیا۔ اس وقت آیت ستم نازل ہوئی۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اُمّ المؤمنین! خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے آپ کو نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔“

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پایہ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اُس کو بیان کرنے کیلئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ عالم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کے اعتبار سے حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں ”محسنہ اُمت“ کہا جائے تو اس میں مُطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور مستفیدین کی تعداد دوسو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے جن میں متحدہ اکابر صحابہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضیاں بھی ضرب المثل ہیں۔ وہ بڑی فراخ دستی سے راہِ خدا میں صرف کرتی تھیں۔ تھوڑے بہت کا لحاظ نہ ہوتا تھا جو کچھ پاس ہوتا سائل کو



دے دیتیں۔ ایک بار حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ آپ اُس دن روزہ سے تھیں سب اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ جب شام ہوئی تو اُمّ ذرہ نے کہا: یا اُمّ المؤمنین! اس رقم سے افطار کیلئے کچھ گوشت ہی لے لیتا تھا۔ فرمایا ”تم نے یاد دلایا ہوتا۔“

ایک بار حضرت مُنکدر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا ”تمہارے کوئی اولاد ہے؟“ انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا ”اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تم کو دے دیتا۔“ حُسنِ اتفاق سے اسی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کے پاس کچھ رقم بھیجی۔ فرمانے لگیں ”کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی ہے۔ فوراً آدمی بھیج کر حضرت مُنکدر کو بلایا اور دس ہزار درہم ان کو عطا کئے۔ انہوں نے اس رقم سے ایک لوٹ خریدی جس سے مسعد و بچے پیدا ہوئے۔

خدا تعالیٰ سے بہت ڈرتی تھیں بڑی رفیقِ القلب تھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے یہ مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے پہنچ کر ان کو اطلاع دی تو وہ دعوتِ اصلاح کیلئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر بیٹھی تھیں اس لئے اس کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جنگِ اتفاقہ پیش آگئی تھی تاہم جب ان کو اس کی شرکت یاد آتی تھی تو بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ ان کو اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس رہا۔ اکثر فرمایا کرتیں کاش آج سے بیس برس پہلے میں معدوم ہو چکی ہوتی۔ اسی واقعہ جمل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک اونٹ پر بیٹھنے والی ہے جس کے آس پاس بہت سے مقتول ہوں گے اور اس کے بعد ہی اُس کی مغفرت ہوگی۔



اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دین کو سمجھنے اور اصول دین کو پھیلانے کا خاص ملکہ تھا اس مقام میں آپ وہاں تک پہنچی ہوئی ہیں کہ چند ہی صحابہ آپ سے سر بلند نظر آتے تھے۔ یہ کمال کی عنایت خداوندی ہے کہ شادی ہوتی ہے تو لڑکپن ہے فقط ۹ سال حضور ﷺ کی معیت میں گزارے ہیں مگر اس مدت میں ہی تفقہ فی الدین کے اس مقام تک پہنچ گئیں جہاں بڑے بڑے صحابہ آپ سے رجوع کرنا باعث اعزاز سمجھا کرتے تھے۔ آپ پوری شرح صدر اور کمال احتیاط کے ساتھ مسائل سمجھا کرتی تھیں۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت کی بناء پر چند ایسے فضائل اور بلند درجات حاصل تھے جو کسی اور کا مقدر نہ بن سکے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان اوصاف خاص کا بڑے فخر سے ذکر کرتیں اور فرمایا کرتیں:

- ۱۔ بجز میرے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں کوئی بیوی ناکتہ نہیں آئی۔
- ۲۔ آپ کی ازدواج میں صرف مجھی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ میرے ماں اور باپ دونوں مہاجر ہیں۔
- ۳۔ اللہ عزوجل نے آسمان سے میری برأت کی آیت نازل فرمائی۔
- ۴۔ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہ سے شادی کر لیجئے۔
- ۵۔ میں آپ کے سامنے ہوتی تھی اور آپ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔
- ۶۔ نزول وحی کے وقت صرف میں ہی آپ کے پاس ہوتی تھی۔
- ۷۔ جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی اُس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔
- ۸۔ جس شب کو میری باری تھی اسی شب کو رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا۔

۹۔ میں اور آنحضرت ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۱۰۔ میرے ہی حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مزید چند فضائل پیش خدمت ہیں:

☆ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ عائشہ کو عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔“

☆ تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں حضور ایک ایک رات قیام کرتے جبکہ سیدہ عائشہ کے ہاں دو راتیں۔ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری آپ کو دے دی تھی)

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اہل خانہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی خصوصی تلقین فرمایا کرتے۔

☆ حضور ﷺ آپ کیلئے خصوصی دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت جبریل امین ریشم کے ایک کپڑے میں آپ کی تصویر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ان سے شادی کر لیں۔

☆ عبادتِ الہی سے بے پناہ شغف تھا نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کرتی تھیں۔ اکثر روزے سے رہتی تھیں حج کی شدت سے پابند تھیں۔ آپ کے پردے کا اندازہ سے اس بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ کے حجرے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق آرام فرما رہے اس وقت تک آپ وہاں آیا جابا کرتی تھیں اور سوتی بھی تھیں لیکن حضرت عمر کے آجانے سے رک گئیں حالانکہ شریعت میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

آپ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ



میں فروخت کر دیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب خرباہ اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جو کہ آپ کے بھانجے تھے اور سیدہ کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ کی خدمت اکثر بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا کہ آپ کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ جب سیدہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابن زبیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔ بہت عرصہ حضرت ابن زبیر سے ناراض رہیں آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں مُعاف فرمایا۔

چند ممتاز صحابہ کی آپ کے بارے میں رائے دیکھئے جس سے آپ کی وسعت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

سروق تابعی سے کسی نے پوچھا ”کیا حضرت عائشہ“ فرائض سے واقف تھیں۔“ جواب دیا ”بخدا میں نے اُن سے بڑے بڑے صحابہ کو فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔“

امام زہری کا معقولہ ہے ”اگر تمام مردوں اور ائمہات المؤمنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا ہو اور اُن کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔“

عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں ”میں نے فقہ طہ اور شاعری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا۔“

یہی عروہ اپنے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اکثر حضرت عائشہ

صدیقہ فاطمہؓ ساٹھ ساٹھ سو شعر کے قصیدے سنایا کرتی تھیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے بیان کرتے ہیں ”میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ سنت نبویؐ کا عالم تفقہ فی الدین کا ماہر اور آیات کلام مجید کے شان نزول اور فرائض کا جاننے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں ”میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت اہت کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے حکام اور فصحاء کے فیصلے سنے ہیں لیکن جو شان حضرت عائشہؓ کے خطبوں میں پائی وہ اور کہیں نہیں دیکھی۔

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دو جہاں مرض وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضور تیرہ دن علیل رہے۔ ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواج کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔ شدت مرض میں کمزوری کی وجہ سے حضورؐ اپنی مسواک حضرت عائشہؓ کو دیتے وہ اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرتیں اور پھر حضورؐ استعمال کرتے۔

۲ یا ۹ ربیع الاول ۱۱ھ کو سرور کونینؐ کی روح اطہر نے عالم قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت حضورؐ کا سرمبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سینہ پر رکھا ہوا تھا اور پھر انہیں کے حجرہ مبارک کو حضور کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

رحلت نبی اکرمؐ کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۳۸ برس انہوں نے عالم بیوگی میں بسر کئے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالم اسلام کے لئے رشد و ہدایت، علم و فضل و خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔ ان سے ۲۲۱۰



(دو ہزار دوسو دس) حدیثیں مروی ہیں، بعض کا قول ہے کہ احکام شریعہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

آپ کو جنت البقیع میں دوسری اُتھات المومنین کے قریب دفن کیا گیا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتیں تو اپنی تدفین کیلئے روضہ رسول ﷺ کے حوالے سے بھی وصیت کر سکتی تھیں لیکن آپ نے دیکھا کہ وہاں آقائے دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر حاضر ہیں تو کوئی حق نہیں جتایا بلکہ جنت البقیع کو پسند فرمالیا۔

دین و دنیا میں پیام نور اُمّ المومنین
لاڈلی صدیق کی ہاں افتخار عالمیں
سرور کونین کے الطاف کی حقدار ہیں
عائشہ یعنی حبیبہ رحمۃ للعالمین



اُمّ المؤمنین

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہؓ وقارِ جانِ اُمّ المؤمنین
 ان کا اُسوہ اہل ایمان کیلئے نورِ نبی
 ان کی ساری زندگی تھی حُبِ احمد کی مثال
 اُن کا ہر ارشاد ہے اپنے لئے شمعِ حبیب
 لاڈلی حضرت عمرؓ کی نورِ چشمِ مصطفیٰؐ
 اُمّہات المؤمنین کے درمیاں جانِ یقین
 تھی مزاجِ پاک میں تلخی مگر پھر ایک دن
 فیضِ احمدؐ سے ہوئی تلخی بِالْآخِرِ آہکیں
 اُمّہات المؤمنین ہیں رُوحِ ایمان و عمل
 ہے وجودِ پاک ان کا آج گرچہ در زمیں
 اُن کے فیضِ عام کا ہے گلستاں مہکا ہوا
 اُن کا ہر انداز ہے تاریخِ فطرت کا نگین
 اے رِضا نسبت رہے ان سے بفیضانِ نبیؐ
 ہے یہی اک آرزو بس حاصلِ قلبِ حُزین



اُمّ المؤمنین

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین ہونے کی حیثیت سے آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو شخصیت بھی سرورِ کائنات ﷺ کی زوجیت میں آگئی وہ مقام و مرتبہ میں کائنات کیلئے نمونہ ہدایت بن گئی۔ آپ نبی کریم ﷺ کی چوتھی زوجہ تھیں۔ سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے حراج میں ذرا تیزی تھی مگر آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ اُن کے پیشِ نظر ہمیشہ یہی مقصد تھا کہ محبوب کائنات ﷺ کی خوشنودی عطا ہو۔ قرآنِ پاک کی کثرت سے تلاوت کرتیں، اکثر روزے سے رہیں۔ آپ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

جب سیدہ حفصہ نے ہوش سنبھالا اور تو ان کے والد گرامی حضرت عمر بن خطاب اور والدہ حضرت زینب اسلام قبول کر چکے تھے۔ دیگر اہل خانہ بھی مسلمان تھے اس لئے سیدہ حفصہ نے اسلام کی آغوش میں آنکھ کھولی۔

آپ کا پہلا نکاح حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ سے ہوا جو بنو سہم سے تھے۔ وہ دعوتِ حق کی ابتداء میں شرفِ اسلام بہرہ ور ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ ہی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ۶ بعد بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ راہِ حق کے ایک جاہلِ سپاہی تھے۔ ۲ ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا تو وہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر ۳ ہجری میں



غزوہ اُحُد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں اٹھا کر مدینہ لے گئے لیکن علاج کے باوجود جاں بر نہ ہو سکے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔ جب اُن کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جن کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ العالمین کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ بہت مغموم تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت حفصہ کا رشتہ پیش کیا تو انہوں نے غور کیلئے وقت طلب کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور رشتہ پیش کیا مگر وہ بھی خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رنجیدہ ہوئے اور بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضر ہو کر ماجرائے غم عرض کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حفصہ سے شادی وہ کریں گے جو عثمان سے بہتر ہوں اور عثمان اس سے شادی کریں گے جو حفصہ سے بہتر ہوگی۔“

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی اور حضرت حفصہ سے خود نکاح کر لیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مزید عقد فرمائے تو سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ میں بہنوں سے بڑھ کر محبت ہو گئی۔

ابو اسامہ حماد بروایت حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ عصر کی نماز کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ بمقتضائے فطرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا اور انہوں نے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ کسی عورت نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیہ شہد بھیجا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اسے کھایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس

کا ذکر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور ان کو سکھا دیا کہ جب آنحضرت ﷺ تمہارے پاس آئیں تو کہنا: یا رسول اللہ! آپ نے مغایر کھایا ہے (مغایر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کو شہد کی مکھی چوستی ہے اس میں کسی قدر بو ہوتی ہے اور بو آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند تھی) آپ فرمائیں گے کہ مجھے حصہ نے شہد پلایا ہے تم کہنا: شاید یہ شہد عرفط کی مکھی کا ہے۔ یہی بات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھا دی۔ آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حسبِ قرارِ ادویٰ کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی گفتگو کی۔ اس کے بعد آپ ایک دن حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے حسبِ معمول شہد پیش کرنے کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور عہد کر لیا کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

”اے نبی! تم اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو“۔ (پارہ ۲۸، سورہ تحریم، آیت ۱)

واقعہ تحریم کے کچھ دن بعد آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حصہ رضی اللہ عنہا سے کہی اور تاکید فرمادی کہ کسی سے نہ کہیں مگر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھپانہ سکیں اس پر یہ آیت اُتری:

ترجمہ: ”اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ اُن سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب اُن سے کہا تو انہوں نے کہا کس نے آپ کو خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خدا نے علیم وخبیر نے خبر دی“۔ (سورہ تحریم، آیت ۳)

چونکہ یہ صورتِ حال رسول اللہ ﷺ کی برہمی کی تھی اس لئے حضرت حصہ



ﷺ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے متفق ہو کر معاملہ کو سلجھانا چاہا تو دونوں کی شان میں اس آیت کا نزول ہوا:

”اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کے (حق) میں مظہرہ کرو تو خدا جبریل اور دنیا تمام سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔“ (سورہ تحریم، آیت ۴)

کچھ وجوہ کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو ایک طلاق دے دی۔ بس آپ کے پاس جبریل آئے اور عرض کی: یا محمد ﷺ آپ نے حفصہ کو طلاق دے دی جبکہ وہ صوامہ اور قوامہ ہے اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوگی۔ بس حضور نبی کریم ﷺ نے اُن سے رجوع کر لیا۔

حضرت حفصہ کو حصول علم کا بہت شوق تھا اس لئے سرور کائنات ﷺ ہان کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا: ارشاد رسول اکرم ﷺ کے مطابق حضرت شفا بنت عبد اللہ نے ان کو لکھنا سکھایا اور چوٹی کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ اُمّ المؤمنین کو دین میں تقہ کا بھی ایک خاص ملکہ تھا۔ مختلف آیات پر غور کرتیں اور ان سے مختلف نکات نکالتیں۔ چونکہ مزاج شناس رسول تھیں اس لئے آپ کا حراج دیکھ کر سوال پوچھنا ہوتا بے دھڑک پوچھ لیتیں۔ اُمّ مبشر انصاریہ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی اور وہاں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں اُمید کرتا ہوں کہ اصحاب حدیبیہ جہنم میں نہ جائیں گے“ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سن کر کہا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”تم میں سے ہر شخص جہنم میں سے گزرنے والا ہے۔ یہ تیرے رب پر لازم

ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔“ (پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۷۱)

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہے:
 ”پھر ہم ان لوگوں کو پچالیں گے جو ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا
 چھوڑ دیں گے۔“ (سورہ مریم، آیت ۷۲)

ہر شخص کو جہنم عبور کرتے ہوئے پلِ صراط کے اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان بخیر و
 عافیت گزر جائیں گے اور کافر گرجائیں گے۔

تدوینِ حدیث میں اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بڑا ہاتھ ہے۔ حضرت عمرو
 بن رافع کہتے ہیں کہ میں اُمّ المؤمنین کیلئے مصحف لکھا کرتا تھا۔ کتبِ احادیث میں ان
 سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا
 ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ روزے سے تھیں۔ آپ کی ایک
 جائیداد تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی نگرانی میں دے دی تھی۔ جب آپ کے
 وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا کہ میرے
 بعد اس جائیداد کو فروخت کر کے صدقہ کر دینا۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں تریسٹھ برس کی
 زندگی میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت تھا۔ مدینہ کے گورنر
 مروان بن الحکم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنازے کو قبر تک
 لے گئے۔ سیدہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادوں حضرت
 عاصم، حضرت سالم، حضرت عبداللہ اور حضرت حمزہ نے قبر میں اتارا۔ اُمّ المؤمنین کی ایک
 فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے کروایا کیونکہ حضرت عمر
 کے پوچھنے پر رسول اللہ ہی نے تو فرمایا تھا کہ عمر اللہ تعالیٰ نے عثمان کا نکاح تیری بیٹی سے
 اچھی عورت سے کر دیا ہے اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا ہے۔



رسول کریم ﷺ نے کتابت شدہ قرآن مجید کے اجزاء کو جمع کر کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا جو تا زندگی آپ کے پاس رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو کسی اُمّ المؤمنین کے حصے میں نہیں آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کروائیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کو دیکھ کر تیار کی گئی تھیں۔ آپ کے طویل قیام کی گواہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دی اور حضرت جبرائیل نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کو یہ پیغام دیا کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی، بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیزگار خاتون ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دجال کے شر سے بہت ڈرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص ابنِ صیاد تھا۔ اس میں دجال کی بعض علامات پائی جاتی تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں مل گیا۔ انہوں نے اس کی بعض حرکتوں پر اظہارِ نفرت کی۔ ابنِ صیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بھائی سے کہنے لگیں:

”تم اس سے کیوں اُلجھتے ہو تمہیں نہیں معلوم حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اُس کا غصہ ہوگا۔“

آخری وقت میں جوں جوں آپ نے ہمارے رسول اللہ ﷺ کی قربت کا فیض اٹھایا، مزاج کی تیزی نرمی اور حلم و حیا میں بدل گئی۔ اسی طرح یہ محبت رسول ﷺ کا گداز تھا جس نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے سخت خو اور بلند لہجہ میں گفتگو کرنے والے کو بارگاہِ رسول میں سراپا عجز و نیاز بنا دیا تھا۔

اُمّ المؤمنین کو اُمت میں اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ



کے زمانے میں جنگِ صفین کا واقعہ پیش آیا تو اس کا خاتمہ حکیم پر ہوا تو آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے کیونکہ قاتلانِ حضرت عثمان کے قصاص کے سلسلہ میں حضرت مولانا علی اور حضرت امیر معاویہ کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نذر ہو گئی تھی۔ ایک دن آپ اپنی بہن سیدہ خضہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: آپ دیکھ رہی ہیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے اس لئے میں اس معاملے میں گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔ سیدہ خضہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس میں شرکت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں تاہم اس کی اصلاح کوشش میں تمہیں شریک رہنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ تمہاری گوشہ نشینی سے ان میں اختلاف ہو جائے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے سمجھانے پر اس معاملہ کی اصلاح میں شریک رہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خضہ رضی اللہ عنہا میں بہت قربت تھی شاید اس لئے بھی کہ دونوں کے والد آپس میں گہرے دوست تھے لیکن آپس میں اس قدر محبت اور شیر و شکر ہونے کے باوجود بھی دونوں میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے رشک کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔ ایک دن یہ دونوں اُمّاتِ رضی اللہ عنہن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں۔ راتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلے گئے اور ان سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت خضہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سہیلی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

”آجِ جدات تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں تمہارے اونٹ پر“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ حضور اکرم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت خضہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو گھاس کے درمیان اٹکا کر کہنے لگیں:

”اللہ کسی سانپ یا بچھو کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے“

یہ سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرنے کیلئے تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی جانب کوچ فرمایا تو اس سانپ ارتحال کے وقت حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ آپ نے ساڑھے سات سال کا عرصہ اپنے محبوب شوہر کی محبت و رفاقت میں گزارا تھا۔

خُدائے پاک کی رحمتیں ہوں اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ فی الجہا پر جنہوں نے قرآن حکیم کا ابتدائی دور سنبھالے رکھا۔

سلام ہو آپ پر کہ آپ از حد عابد و زاہد اور پرہیزگار تھیں۔
سلام ہو آپ پر کہ آپ سخاوت و رحمت کا بہتادریا تھیں

.....○.....

وہ دلبرِ عمرؓ وہ سرورِ بطحا کی دیوانی
ہماری مادرِ عالیٰ یقیں کی شمعِ ایمانی
سلام اس پر کہ کردارِ حبیب جس کا معنہ ہے
سلام اس ذات پر جس پر تھی رحمت کی فراوانی





اُمّ المؤمنین

زینب بنت خزیمہؓ

جس طرح افلاک پر تاروں کا اونچا ہے مقام
اس طرح سے دہر میں ہے حضرت زینبؓ کا نام
جس طرح گُزارِ ہستی کے ہیں بکھرے رنگ و بو
ہے مُسَلَّم حضرت زینب کی عظمت چار سو
عمر اپنی وار دی سرکارِ والا کے لئے
زندگانی کی بر الطاف آقا کے لئے
سرورِ عالم کی راحت، یزیمِ ہستی کا نگین
تھیں نہی پاک کی زینت، یہی شمعِ حسیں
یاد رکھتی تھیں سدا اقوالِ شاو دوسرا
تاکہ اُن سے قلمتِ حالات میں پھیلے رُیا
تھیں یہ اُمّ المؤمنین گُزارِ ہستی کا جمال
تھا عبادت اور ریاضت میں اُنہیں حاصل کمال
رات دن وقفِ عبادت خود کو رکھتی تھیں رِضا
رَبِّ عالم پر یہ راضی اُن پہ راضی تھا خدا



اُمّ المؤمنین

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا شمار حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج میں پانچویں نمبر پر ہوتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی حضرت زینب تھا جبکہ آپ کا لقب ”اُمّ المساکین“ تھا اور یہ لقب آپ کو اس لئے عطا ہوا تھا کہ آپ مسکینوں، غریبوں، یتیموں کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ بے پناہ دریا دل اور نخی تھیں۔ آپ اپنے پاس کچھ رکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں جو بھی پاس ہوتا بلا تاخیر خیرات کر دیتیں۔ بھوکوں کو کثرت سے کھانا کھلاتیں اس لئے تاریخ میں اُمّ المساکین کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں جب ۳ ہجری جنگ اُحد ہوئی تو آپ بھی اس میں شریک تھے۔ لڑائی سے قبل حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کمال عاجزی سے دُعا مانگی۔

”اے خالق کونین! مجھے ایسا مددِ مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو میں تیری راہ میں لڑتا ہوں اُس کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں اور وہ میرے ناک کان کاٹ ڈالے تاکہ جب میں تجھ سے ملوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں عرض کروں اے: میرے خدا! فقط تیری اور تیرے محبوب ﷺ کی خوشنودی کیلئے کہ میں اُن کے راستے میں سُرخرو ہو جاؤں۔“

کیسی عجیب دُعا تھی! کیسا جذبہ عشقِ رسول تھا! کیسا حبِ الہی کا مچلتا ہوا سمندر تھا! نہیں رہا تھا۔ انہیں غیب سے شہادت کی بشارت ملی۔ چنانچہ فرطِ اشتیاق شہادت سے فرمایا:

”رَبِّ دُوعَالَم کی قسم! میں دشمن سے لڑوں گا، حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مسئلہ کرے گا۔“

چنانچہ جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش اور

بہادری سے لڑے کہ آپ کی تلوار کھڑے کھڑے ہو گئی۔ آپ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک چھری دی۔ آپ اس چھری کو لے گئے اور اس چھری نے تلوار کا کام کیا۔ اسی حالت میں بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ مشرکین نے ان کے ہونٹ ناک اور کان کاٹ کر انہیں دھاگہ میں پرو دیا۔ اس طرح ان کی یہ خواہش بھی اللہ رب العزت نے قبول فرمائی۔

یاد رہے کہ یہی بہادرِ جرات آزما اور شجاعت کی اعلیٰ ترین مثال حضرت عبداللہ بن جش ام المومنین سیدہ ننب بنت جحش کے سگے بھائی تھے۔

دس ماہ تک عیوہ رہیں۔ لیام بیوگی میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ میرے معاملے میں خود مختار ہیں۔ چنانچہ ابتدائے رمضان ۳ ہجری میں پیارے مصطفیٰ ﷺ ان کو اپنے حوالہ عقد میں لے کر حرمِ نبوی ﷺ میں داخل فرمایا۔ ان کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مقرر ہوا۔ اس وقت حرمِ رسول ﷺ میں حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ خضہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھیں جبکہ حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا چھ سال قبل وصال ہو چکا تھا۔ ام المومنین سیدہ ننب رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ تک زندہ رہیں اس لئے آپ کے مزید حالات کتبِ احادیث و سیرہ میں نہیں ملتے۔

ام المومنین سیدہ ننب بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ حیات رہیں اور عین شباب کے عالم میں جب ان کی عمر ایک روایت کے مطابق تیس (۳۰) سال اور دوسری روایت کے مطابق بتیس (۳۲) سال ہوئی تو آپ ماہ ربیع الثانی ۴ ہجری میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ رسول اللہ

ﷺ نے خود ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ جنت البقیع میں ایک قبر تھا جس کو قبۃ ازواج النبی کہا جاتا تھا یہاں پر ازواجِ مطہرات آسودۂ خاک تھیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ واحد زوجہ ہیں جنہوں نے پیارے مصطفیٰ ﷺ کی ظاہری زندگی میں وصال فرمایا اور حضورِ رحمتِ عالم ﷺ کے ہاتھوں اپنا آخری سفر طے کیا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اعلانِ نبوت سے چودہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا خاندان بنو ہلال مکہ مکرمہ کا ایک نہایت معتز اور قابلِ عزت خاندان تھا جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھے اور یہ شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی۔ چونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ زندہ رہیں اس لئے کتبِ سیرت میں آپ کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

☆ آپ کا سب سے بڑا فخر اور اعزاز تو یہی ہے کہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور مؤمنین کی ماں تھیں۔

☆ آپ نے بھی مکہ سے مدینہ منورہ تک ہجرت فرمائی اس لئے آپ کا شمار بھی مہاجرینِ مدینہ میں ہوتا ہے۔

☆ آپ کی سخاوت و دریادلی ایسا کو پختی ہوئی تھی۔ آپ کے حجرۂ انور سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ مساکین کو کھانا کھلا کر بے پناہ مسرت محسوس کرتی تھیں۔

السلام والسلام اے سیدہ زینب سلام

آپ تھیں زوجِ نبیؐ ہے آپ کا اُونچا مقام

ہم غلاموں کا سلام عاجزانہ ہو قبول

آپ کا ملحوظ ہے بزمِ جہاں کو احرام

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

اُمّ سلمہ مومنوں کی ماورِ عالی وقار
مہرباں ہر آن جن پر تھے حبیبِ کردگار
اُن کا تھا سرمایہ ایمان دیدارِ نبی
اُن کو تھی ہر پلِ مُیسرِ رحمت پروردگار
عالم و فاضل، محدث اور مُفسرِ آپ تھیں
خدمتِ اسلاموں سے آپ پاتی تھیں قرار
آپ کے اقوالِ عالی تھے جواہرِ نور کے
آپ کا ہر اک عمل تھا مثلِ شمع تابدار
سرورِ دیں کے غلاموں کو ہمیشہ کے لئے
آپ ہی کی ذات نے بخشا حقائق کا نکھار
آپ کا یہ فخرِ ہی تاریخ کا اعزاز ہے
آپ کے سرتاج تھے دونوں جہاں کے تاجدار
آپ ہی کی ذاتِ والا کا رضا ہے مدحِ خواں
اس تصورِ ہی سے ہے اس کے گلستاں کی بہار

اُم المؤمنین

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

جملہ اُمّہات المؤمنین اہل ایمان کیلئے بے پناہ معزز اور قابلِ صدا احترام ہیں۔ جسے دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی پہلی دو پہلی کیلئے ہی سبکی سعادت مل گئی وہی اعزازِ حیات بن گیا۔ اور پھر اُمّہات المؤمنین کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا جنہوں نے حضور ﷺ کے حرم میں آپ کے کاشانہ اقدس میں حالتِ زوجیت میں وقت گزارا۔ ان کے مقام و مرتبہ کا نہ تصور کیا جاسکتا ہے نہ تخیل۔ البتہ ان مقدس شخصیات کے پاکیزہ وجود پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ کیا یہ ان معزز ترین شخصیات کا کم احسان ہے کہ یہ رازدانِ نبوت تھیں اور جنہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی بدولت ہی تاریخِ اسلام حضور ﷺ کی سیرتِ قدسیہ کے انوار سے جگمگار رہی ہے۔

اُم المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسی ہی برگزیدہ اور محترم شخصیت تھیں۔ ان کے والدِ حذیفہ ایک دولت مند اور فیاض آدمی تھے ان کی دریا دلی کا شہرہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور اپنی صفات کی بناء پر تمام قبائلِ قریش میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔

ان کا پہلا نکاح ابوسلمہ بن عبدالاسد سے ہوا جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ فطرت پاکیزہ اور صالح تھی۔ آپ نے کفار کے ظلم و ستم سہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی بلا تاخیر مسلمان ہو گئیں۔ تمام تر تکالیف اور مصائب کے باوجود ان کے قدمِ جاوہ حق سے نہ ہٹ سکے۔ کفار کی ایذا رسانیاں بڑھتی گئیں تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جان کے تحفظ کیلئے حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوسلمہ

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کچھ عرصہ جیشہ میں گزارا اور پھر مکہ آمدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "جب ابو سلمہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے پاس صرف ایک اونٹ تھا اس پر مجھے اور میرے بیٹے کو سوار کر کے چل پڑے۔

بنو مغیرہ نے جو میرے میکے کے لوگ تھے ہم لوگوں کو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے حراحت کی کہ ہم اپنی لڑکی کو ایسی خراب حالت میں نہ جانے دیں گے۔ ابو سلمہ کے ہاتھ سے گیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں بنو عبد الاسد ابو سلمہ کے لوگ آ پہنچے اور انہوں نے میرے بچے سلمہ پر قبضہ کر لیا اور بنو مغیرہ سے کہا "اگر تم اپنی لڑکی کو شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے بچے کو تمہاری لڑکی کے پاس ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اب میں میرا شوہر میرا بچہ تینوں ایک دوسرے سے جدا تھے۔ مارے صدمہ کے میری حالت خراب تھی چونکہ ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ابو سلمہ تو مدینہ پہنچ گئے میں تنہا رہ گئی۔ روزانہ صبح کو گھر سے نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر شام تک رویا کرتی۔ اسی حال میں مجھ کو کم و بیش ایک سال ہو گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک شخص نے جو میرا عزیز تھا۔ میری یہ پریشانی دیکھ کر ترس کھایا اور بنو مغیرہ کو جمع کر کے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا: آپ لوگ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے جس کو آپ نے اس کے بچہ اور شوہر سے جدا کر دیا ہے۔

یہ مفہوم کچھ ایسے مؤثر الفاظ میں ادا کیا گیا تھا کہ میرے میکے والوں کو رحم آ گیا اور انہوں نے اجازت دے دی کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس جاسکتی ہو۔ یہ سن کر بنو عبد الاسد نے بھی میرے بچے کو میرے پاس بھیج دیا۔ اب میں نے اونٹ پر کجاوہ کسا اور سلمہ کو گود میں لے کر سوار ہو گئی۔ میں بالکل تنہا تھی اور اسی عالم میں تنہم پہنچی وہاں عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے انہوں نے میرا ارادہ معلوم کر کے مجھ سے پوچھا: کیا کوئی تمہارے ساتھ ہے؟ میں نے کہا: نہیں صرف میں ہوں اور یہ میرا بچہ۔ انہوں نے میرے اونٹ



کی ٹکیل پکڑ لی اور ہاتھ سے کھینچتے ہوئے آگے آگے چلنے لگے۔ خدا جانتا ہے مجھے طلحہ سے زیادہ شریف آدمی عرب میں نہیں ملا۔ جب منزل آئی اور ہم کو ٹھہرنا پڑتا تو وہ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے۔ چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو تیار کر لاتے اور جب میں اطمینان سے بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار لے کر آگے آگے چلنے لگتے۔ تمام سفر میں یہی معمول رہا۔ مدینہ پہنچ کر بنی عمرو بن عوف کی آبادی (موضع قبا) سے گزر رہا تو عثمان ابن طلحہ نے مجھ سے کہا: تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے۔ ابوسلمہ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اللہ کے بھروسہ پر اس محلہ میں داخل ہوئی اور خدا خدا کر کے اُن سے ملاقات ہوئی۔ عثمان ابن طلحہ مجھے ابوسلمہ کا پتہ بتا کر مکہ واپس ہو گئے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت مدینہ کے نام پر جو تکلیفیں اٹھائی ان کا ذکر کرتے ہوئے رو پڑتیں اور پھر فرماتیں میں نہیں جانتی الٰہی بیت میں سے کسی نے میری طرح کی تکالیف برداشت کی ہوں۔ جب لوگ ان کا نام سنتے تو انہیں یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی اس بے سروسامانی کے عالم میں اتنے مصائب برداشت کر کے آئی ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے۔ داؤد شجاعت دی۔ ایک زہر پلے تیر سے شدید زخمی ہو گئے اور پھر زخم ناسور بن گیا تو جاں بحق ہو گئے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا بار بار پکارتی تھیں:

”ہائے غربت میں کیسی موت آئی ہے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو صبر کی تلقین کی اور ابوسلمہ کی آنکھیں خود بند کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھایا حضرت ابوسلمہ اور اُم سلمہ میں بے پناہ محبت تھی اور دونوں نے عہد کیا ہوا تھا کہ ایک کی موت کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے گا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ابوسلمہ نے کہا کہ

میرا کہا مانو تو اگر میں پہلے مرجاؤں تو تو میرے بعد نکاح ضرور کر لینا۔ پھر ابوسلمہ نے دعا مانگی کہ ”اے رب العالمین! اگر میں اُم سلمہ کی زندگی میں مرجاؤں تو اسے مجھ سے بہتر جاہلین دے۔“

ابن سعد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی کس پرسی کے خیال سے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی کس پرسی اور بے مانگی سے بہت متاثر تھے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے راقیہ میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا بے حد احساس تھا۔ چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی معرفت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے قبول کر لیا اور شوال ۴۴ھ میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ نکاح کے بعد وہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لائی گئیں جو وفات پا چکی تھیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی دن اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو خرے کی چھال سے بھرا ہوا ایک چرمی تکیہ دو مشکیزے اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد بھی انہوں نے اپنے پہلے شوہر کی اولاد کی پرورش نہایت شفقت اور توجہ سے کی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے بچوں کی پرورش کا اجر ملے گا یا نہیں؟ فرمایا ”ہاں“

۵۵ھ میں جبکہ بنو قریظہ کے محاصرہ میں یہود سے گفتگو کرنے کیلئے بارگاہ نبوت سے حضرت ابولبابہ بھیجے گئے تو حضرت ابولبابہ نے اثناء مشورہ ہاتھ کے اشارہ سے یہودیوں کو بتلایا کہ تم قتل کئے جاؤ گے مگر اس کو افشاء راز سمجھ کر بعد میں اتنے نادم ہوئے

کہ مسجد کے ستون سے اپنے تئیں باندھ دیا۔ کئی دنوں تک اپنے آپ کو اسی حال میں رکھا۔ ایک دن صبح کو جناب رسالت مآب ﷺ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں مُسکراتے ہوئے اُٹھے تو آپ بولیں: اللہ آپ کو ہمیشہ ہنسائے اس وقت ہنسی کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت چاہی کہ ان کو یہ مژدہ سنا دیں۔ فرمایا: ہاں اگر چاہو۔ ان کا مکان مسجد نبوی سے اتنا قریب تھا کہ اگر گھر سے آواز دیں تو مسجد میں سُنی جاسکے اجازت پا کر اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا: ابولبابہ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی پھر کیا تھا یہ آواز کانوں میں پہنچنے ہی تمام مدینہ اکٹھا ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے صلب سے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنے غلام سفینہ رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ تاحیات حضور ﷺ کی خدمت کریں۔

ایک دن نبی کریم ﷺ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ آیہ تطہیر کا نزول ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان پر اپنا کبیل ڈال دیا اور فرمایا ”بار الہی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی اہل بیت سے ہوں فرمایا ”تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا نہلی انشاء اللہ (ہاں اگر اللہ نے چاہا)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا: تم بھی اور یہ بھی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بہت صائب الرائے تھیں جب مسلمان عمرہ شریف کیلئے مکہ معظمہ گئے اور کفار

نے اجازت نہ دی تو حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانیوں کے جانوروں کو ذبح کریں مگر بہت سے صحابہ کے دل تمکین تھے اس لئے انہوں نے قربانیوں میں کچھ نال کیا۔ حضور ﷺ اس سے ملول ہوئے۔

آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو انہوں نے مشورہ دیا ”یا رسول اللہ ﷺ! مسلمانوں نے آپ کا فرمان اچھی طرح نہیں سمجھا۔ آپ ﷺ خود باہر نکل کر قربانی کریں اور احرام اتارنے کیلئے بال منڈوائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ قبول کر لیا اور کسی سے کچھ کہے بغیر خود ہی قربانی کی اور احرام اتارا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا فرمان ناطق ہے تو سب نے دھڑا دھڑ قربانیاں کیں اور سر کے بال منڈوا دیئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول کریم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ ابھی زبان مبارک سے ایہا الناس ہی نکلا تھا کہ صغائلہ کو حکم دیا کہ ”بال باندھ دو“۔ اس نے کہا ”اتنی بھی کیا جلدی ہے ابھی تو حضور ﷺ نے ایہا الناس ہی فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے بال خود باندھے اور برہی سے بولیں: کیا ہم آدمیوں میں شامل نہیں؟ اس کے بعد بڑے ہانہاک سے پورا خطبہ سنا۔

حضرت ام المومنین کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایسا ہار پہن لیا جس میں سونے کی بھی آمیزش تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا۔ آپ نے اسی وقت اس ہار کو توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذرا ہمارا مانگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں جب ازواجِ مطہرات نے اپنا وکیل بنا کا ان کو

رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اُمّہات کے ہاں تحائف بھیجیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مجھے اذیت نہ دو۔ تو فوراً انہوں نے کہا کہ میں اللہ سے آپ کی اذیت دینے سے پناہ مانگتی ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ قرآن میں ہمارا ذکر نہیں تو رسول اکرم ﷺ اسی وقت منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور یہ آیت مبارکہ پڑھی:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اس سے رسول اللہ ﷺ کو آپ سے جو محبت تھی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے حضور ﷺ کے کچھ موئے مبارک چاندی کی ڈبیہ میں محفوظ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد جب بھی کوئی بیمار آتا تو ان موئے مبارک کو پیالی کے پانی میں پھینک کر اسے پلا دیتیں وہ صحبت یاب ہو جاتا۔ واقعہ ایلا کے ضمن میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو وہ زائد مصارف کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں چونکہ حضرت اُمّ سلمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ دار تھیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کو سمجھانا چاہا تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے سخت لہجے میں کہا:

اے ابن خطاب! تعجب ہے کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو۔ یہاں تک کہ اب تم رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے ہو۔ چونکہ جواب بہت سخت تھا اس لئے آپ خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی

ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کا ہوا و قصہ بیان کیا اور جب سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو عیدائے مصطفیٰ ﷺ سکڑ کر لوہے۔ آپ کی ذمہ کی نہایت ذہدیت نہ تھی۔ عبادتِ بالی سے خصوصی لگاؤ تھا۔ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھتے اور دلوای کی بے حد پابند تھے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے ایک شیشی عطا کی تھی جس میں خاک تھی فرمایا سنبھال کر رکھنا اور یہ یاد رکھنا کہ جس دن یہ خاک خون بن جائے وہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن ہوگا۔

مسند احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ میں روایت ہے کہ ۶۶ ہجری میں جس دن امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عظیم المرتبت رفقاء کے ساتھ دشتِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ رحمتِ دو عالم ﷺ اُشریف لائے ہیں۔ سر اور لٹ مبارک قُبرا آلود ہے اور بہت غمزہ ہیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے؟
فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے آ رہا ہوں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور بے اختیار رونے لگیں اور بلند آواز سے فرمایا: عرفوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا خدا انہیں قتل کرے۔ انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے دعا کی خدا ان پر لعنت کرے۔ (مسند احمد)

پھر آپ نے شیشی کی طرف دیکھا تو خاک خون میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اور دلوای کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔ نماز کے اوقات میں بعض لوگوں نے مستحب وقت ترک کر دیا تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو سبب کی اور فرمایا کہ

آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ خود بھی بڑی سخی تھیں اور دوسروں کو بھی سخاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ ایک بار چند فقیران کے گھر آئے اور بڑی لجاجت سے سوال کرنے لگے، اُمّ الحسین ان کے پاس بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا مگر اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور کہا کہ ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ پھر لوٹ کر دیا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کر دو کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اماں! میرے پاس مال اس قدر جمع ہو گیا ہے کہ اب جاعی کا خطرہ ہے۔ بولیں ”بیٹا! خرچ کرو“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی مانند بے حد سخی تھیں۔ خود بھی سخاوت کرتی تھیں دوسروں کو بھی سخاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل ان کے گھر سے خالی ہاتھ چلا جائے زیادہ نہ ہوتا تو تھوڑا آتا یا جو کچھ بھی ہوتا سائل کو دے ڈالتیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ۶۳ ہجری میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔





اُمّ المؤمنین

حضرت زینب بنت جحشؓ

زویج سرکارِ دو عالمِ زینبِ ایمان ہیں
 سیدہ زینبؓ خدائے پاک کا احسان ہیں
 جو بھی ہے منسوب آقا سے وہی ہے معتبر
 اس کا اُسوۂ زندگی اقوال اس کے پُر اثر
 سیدہ زینب کہ تھیں وقفِ عبادت ہر گھڑی
 خالقِ کونین کی رحمت انہیں حاصل ہوئی
 غم کے ماروں کا سہارا ایک ان کی ذات تھی
 شارحِ اقوال احمد علیہ السلام ان کی اک اک بات تھی
 جو ملا جتنا ملا وہ راوی مولا دے دیا
 اس کے بدلے میں رضائے مصطفیٰ علیہ السلام کو لے لیا
 خادمہ خود کو سمجھتیں تھیں نبیؐ پاک کی
 ان کو تھی ملحوظِ خدمت سرورِ لولاک کی
 اُن پہ راضی تھے محمد علیہ السلام، اُن پہ راضی تھا خدا
 نورِ بر سے اُن کے مرقد پر ہمیشہ اے رضا

اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ اُمّہات المؤمنین اور صحابیات میں عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ آپ حضور رسول کریم ﷺ کی قریبی رشتہ دار تھیں، حسین و جمیل تھیں، معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حکم رسول ﷺ کی تعمیل حضرت زید بن حارثہ کی صورت میں ایک امتحان سے گزریں اور بِالْآخِرِ اُمّ المؤمنین کا لقب اُن کے اسم گرامی کا حصہ بن گیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جب اپنے خاندان والوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچیں تو بڑے آرام و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں لیکن رشتے کی قرابت کی بناء پر وہ رسالت مآب ﷺ کی کفالت میں رہیں۔

حضرت زینب ان نہایت خوش بخت نفوس میں تھیں جنہوں نے السابقون الاولون بننے کا شرف حاصل کیا۔ ۱۳ بعد بخت اپنے اہل خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ازواجِ مطہرات رسول ﷺ میں ساتواں نمبر ہے۔

آپ پیارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ اپنی اور اپنے نکاح کے ولی ہونے کے اعتبار سے تمام ازواجِ رسول سلام اللہ علیہم اجمعین میں ممتاز ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج سے کہا کرتیں:

میرے علاوہ ان میں سے ایسی کوئی بھی عورت نہیں مگر اس کی شادی یا تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اہل خاندان نے کی مگر میری شادی کا آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اہتمام فرمایا۔

آپ وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے دو ایسی رسموں کا

فلح فتح ہوا جو اسلامی حراج کے تحت خلاف تھیں۔ ان میں ایک تو غلام اور آزاد۔ غریب اور مالدار۔ صاحبِ نسب اور غلام کے درمیان تمیز کا خاتمہ کر کے سب کو مساوی حقوق عطا کرنا اور دوسرا اپنے متعلق بیٹے کی بیوی سے بعد از طلاق نکاح کرنا شامل تھا جس کو عرب بہت بڑا خیال کرتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بے حد محبوب رکھتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بعض وجوہ کی بناء پر یہ رشتہ پسند نہ تھا اس لئے انہوں نے نکاح سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

”یا رسول اللہ! میں زید رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی“

لیکن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نکاح میں بہتری سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنائے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ کا عقد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہو گیا لیکن دونوں میں جہاد نہ ہو سکا۔ تقریباً ایک برس بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ ”یا رسول اللہ! زینب مجھ سے زبانِ دراز کرتی ہے میں اُسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے چنانچہ سورہ احزاب کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا۔ **وَإِذَا تَقُولُ لِكُلِّدِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ**

(پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

ترجمہ: اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھو اور خدا سے ڈرو۔

بہر حال حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نباہ نہ ہونا تھا نہ ہوا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بالآخر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش بن رباع اسدیہ رضی اللہ عنہا سے ماہ صفر ۵۵ھ (م جون ۶۲۶ھ) میں عقد فرمایا۔ آپ عبد اللہ بن جحش کی ہمشیرہ تھیں اور آپ کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب آنحضرت کی چھوٹی چھٹی تھیں۔ حضرت زینب پہلے اسلام لانے والوں میں تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے انہیں طلاق دینے کے بعد آپ نے ان سے عقد فرمایا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 'حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے جنہیں انہوں نے آپ کی نبوت سے قبل آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا حسنی بنا لیا۔ اسی لئے لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی چھوٹی زیدہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد فرما دیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کا رشتہ حضرت زید سے مانگا تو انہوں نے زید سے عقد کرنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان پر زور دیا کہ آپ ان سے عقد کر لیں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے دل سے مشورہ کروں گی۔

ابھی دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

(پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۶)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر کسی مومن مرد یا کسی مومنہ عورت کو اپنے معاملہ کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

جلالہ علیہ السلام ﴿۱۱۵﴾
 تب حضرت ننب ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے حضرت
 زید کو مجھ سے نکاح پر راضی کر لیا ہے۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: تب میں رسول اللہ کی حکم
 عدولی نہیں کرتی میں نے خود کو ان کے عقد میں دے دیا۔

ابتداء میں ان کے اس عقد کے اعراض کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتی تھیں کہ زید غیر کفو
 ہیں اور وہ حسب نسب میں ان سے کہیں بہتر و افضل ہیں اور ان کے مزاج میں تیزی و
 غصہ تھا لیکن جب اس کے متعلق آیت نازل ہوئی تو راضی ہو گئیں۔

طلاق کے بعد جب حضرت ننب ﷺ ایام عدت پورے کر چکیں تو حضور
 ﷺ نے خود ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک رسوم جاہلیت کا اثر
 باقی تھا اور لوگ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھتے تھے۔ چونکہ حضرت زید رضی اللہ
 عنہ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے اور لوگوں میں زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے۔ اس
 لئے حضور ﷺ کو عام لوگوں (اور بالخصوص منافقوں) کے اعتراض کے خیال سے اس
 نکاح میں تامل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو چونکہ جاہلیت کی رسوم کا مٹانا منظور تھا۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:
 وَنُخَفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْہِ وَنَخْشِی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ
 نَخْشَہُ (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

ترجمہ: تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور لوگوں
 سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں معترضین کو متنبہ کیا۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
 النَّبِیِّیْنَ (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۴۰)

”(لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“

اور پھر حکم ہوا:

ادْعُوهُمْ لَابَائِهِمْ

لوگوں کو ان کے (حقیقی) باپ کے نام سے پکارو۔

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكُنَىٰ لَا يَكُونَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ خَرَجٌ لِّىَ أَزْوَاجٍ أَدْعَيْنَاهُمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
مَفْعُولًا (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

جب حضرت زید حضرت زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے تو ہم نے ان کا عقد آپ سے کر دیا تاکہ دوسرے مومنوں کو اپنے مہیناؤں کی مطلقہ بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اللہ کا حکم پورا ہی ہونے والا تھا۔

حق تعالیٰ نے اس سے قبل ہی آنحضرت ﷺ پر وحی نازل فرمادی تھی کہ زید عنقریب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے۔ ان کے بعد آپ ان سے عقد کر لیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام فرمایا اور حضرت زید سے بھی فرمایا کہ اپنی بیوی سے تعلق باقی رکھو لیکن اس پر حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ط (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اپنا انعام کیا اور

آپ نے بھی ان پر احسان کیا تھا فرما رہے تھے کہ ابھی اپنی بیوی کو روکے رکھو طلاق نہ دو۔ اللہ سے ڈرو کہ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے رکھنا چاہتے ہیں جسے خدا ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں حالانکہ صرف حق تعالیٰ ہی کی وہ ہستی ہے جس سے آپ کو ڈرنا چاہیے۔

اب کوئی امر مانع نہیں تھا چنانچہ حضور ﷺ نے یہ خدمت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی کو تفویض کی کہ وہ آپ کا پیغام نکاح لے کر حضرت ننب رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت ننب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور کہا:

”ننب! رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے خواہشمند ہیں“

حضرت ننب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”میں خدا کے حضور متوجہ ہوتی ہوں۔“ یہ کہہ کر مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آیات اناریں تو بالآخر ہاں میں جواب دیا۔

خداے کریم نے یہ فرما کر کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی کے حقیقی باپ نہیں ایک جھوٹی رسم کا بطلان کر دیا تھا۔ اس رسم کا خاندانی دارمان کے حقوق پر زہریلا اثر ہوتا تھا اور ورانشوں کے مسئلہ پر خاندانوں میں عداوتوں کی بنیاد قائم ہو جاتی۔ جھنپنی بننے والا فرزند جو شجرہ خاندان سے شاخ بریدہ کی مانند ہوتا تھا۔ اس کے دل اور روح میں تمام عمر یہ بات کلکتی رہتی تھی کہ اس نئے خاندان سے سچ بچ اس کا کوئی تعلق خون کا نہیں۔ اگر برادرانِ حقیقی کو اچھی حالت میں دیکھتا تو حسد کرتا اور اگر برادرانِ حقیقی اسے اچھی حالت میں دیکھتے تو وہ حسد کرتے۔ جب جھنپنی بالغ ہو جاتا تو جھنپنی کرنے والا بھی مایوس ہو جاتا۔

طلاق یافتہ خاتون کا مقام معاشرہ میں گھٹ جاتا مگر یہاں تو معاملہ کو اس طرح سلجھایا گیا کہ تاریخ اسلامی کا باب زرتگاہ بنا دیا گیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود حضرت ننب

بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کا پیغام لے کر گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ تو فدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اُن کو چھوڑ کر ہر حین سے تو ان جیسے کردار کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ عیسائیوں اور منافقوں نے بہت شور مچایا مگر اُنکا تمام تر اوویلا ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر افواہیں اور خرافات تراشنے کا تھا۔ رب کریم نے واضح کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے افراد کیلئے باپوں سے بڑھ کر محترم ہیں مگر سوائے اپنی ذاتی اولاد کے کسی کے حقیقی باپ نہیں۔ خدائے کریم نے اس رسم کو ختم کر کے آنے والے دور کو کتنی ہی خاندانی مناقشوں اور قباحتوں سے بچالیا۔

روایت کے مطابق چونکہ یہ نکاح رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور اس نکاح کے اعلان کیلئے آیت بھی نازل فرمائی تھی اس لئے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولیمہ کا بڑا اہتمام فرمایا کہ ایسا ولیمہ آپ کی پہلی کسی زوجہ کا نہیں ہوا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ آپ نے ایک بکری کو ذبح کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین اشخاص وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید حیا کی وجہ سے انہیں تو کچھ نہیں کہا لیکن خود مجلس سے اُٹھ کر حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس نکاح کی مبارک باد دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس تشریف لائے تو یہ تینوں ابھی ابھی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسی حجرے میں ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی دیوار کی طرف منہ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر باہر تشریف لے گئے اور باری باری تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ تمام ازواجِ مطہرات سلام اللہ علیہم نے آپ کو مبارک باد دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو تب یہ تینوں واپس چلے



گئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت حجاب نازل فرمائی:

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھر مت جاؤ مگر اس صورت میں جب تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔ اس طرح کہ تم اس کی تیاری کے خطر نہ رہو لیکن جب تمہیں مدعو کیا جائے تو آ جاؤ پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ اس بات سے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے سو وہ تمہارے لحاظ سے کچھ نہیں کہتے۔ مگر اللہ کو حق بات کہنے سے کوئی شرم نہیں اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے مکان کے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر داخل ہونے کی ممانعت ہو گئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کئی خصوصیات کا مظہر تھا۔

- ۱۔ جاہلیت کی رسم کہ حتمی حقیقی بیٹے کا درجہ رکھتا ہے مٹ گئی۔
- ۲۔ لوگوں کو حکم ہوا کہ کسی کو حقیقی باپ کے علاوہ دوسرے (منہ بولے باپ) سے منسوب نہ کرو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح وحی کے ذریعے کیا۔

۴۔ نہایت شاندار ولیمہ کیا گیا جس میں بکری کا گوشت اور روٹی اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا بھیجا ہوا مالیدہ تھا۔ بکثرت لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

۵۔ اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور پردہ کا رواج ہوا۔

یہی خصوصیات تھیں جن کی بناء پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہمسری کا دعویٰ تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت دیندار پرہیزگار حق گو اور بخیر تمہیں ان کی عبادت

وزید کا خود رسول کریم ﷺ نے اعتراف فرمایا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر موجود تھیں آپ نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزری انہوں نے ذرا تلخ لہجے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دخل دینے سے منع کیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عمر ان سے کچھ نہ کہو یہ اواہ (یعنی بڑی عابد و زاہد) ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

”میں نے دین کے معاملے میں زینب رضی اللہ عنہا سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی“

آپ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی بڑی شدت سے پابند تھیں جو کہ آپ کی پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ جب آپ کے بھائی کا وصال ہوا تو تین دنوں کے بعد آپ نے خوشبو منگوائی اور اسے اپنے جسم اور کپڑوں پر لگایا پھر فرمایا: خدا کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت تو نہ تھی لیکن میں نے یہ کام صرف اس لئے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن کا سوگ کرنا چاہیئے۔ آپ کی محبت کی وجہ سے پیارے مصطفیٰ ﷺ بھی ان سے محبت فرماتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیارے مصطفیٰ ﷺ سے کہا کرتیں کہ مجھے تین باتوں میں آپ پر ناز ہے۔ آپ ﷺ کی کوئی اور بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی۔

میرے جدا مجد اور آپ کے جدا مجد ایک ہیں۔

میرا اور آپ کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پڑھایا۔

میرے معاملے میں سفیر حضرت جبریل امین تھے۔



حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

واقعہ انک میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن حسنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں لیکن جب رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا:

”میں عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتی“

ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا:

”تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ہم اکٹھی ہوئیں تو دیوار پر اپنے بازو پھیلا دیتیں۔ انہیں لمبا کرتیں تاکہ یہ لمبے لگیں۔ (یہ اس لئے کہ تمام کی خواہش تھی کہ وہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس جائے) ہم ہمیشہ ایسا کرتی رہیں یہاں تک کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا حالانکہ وہ چھوٹے قد کی عورت تھیں۔ اللہ ان پر رحم فرمائے ہم سے زیادہ لمبی نہ تھیں۔ پس ہم سمجھ گئیں کہ لمبے ہاتھ سے پیارے مصطفیٰ ﷺ کی مراد سخاوت تھی۔ آپ اپنے ہاتھ سے کام کرتیں تھیں۔ رنگ اور سلائی کرتیں اور جو اجرت ملتی سب کی سب صدقہ کر دیتیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش سلام اللہ علیہا اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور جو کچھ بھی اجرت ملتی سب کی سب مساکین میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ چڑے اور کپڑے پر دستکاری کرتیں اور دوسری روایت کے مطابق چڑا پکاتی تھیں۔ ابو بکر بن خثیمہ سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

میں نے ان سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی سب سے زیادہ صدقہ خیرات کرنے والی سب سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھتی۔

آپ بڑی نیک روزہ دار اور عبادت میں محو رہنے والی تھیں۔ اپنا کام بڑی مشقت سے کرتی تھیں۔ کمائی کیلئے شدید محنت کرتی تھیں مگر مجال ہے کہ کبھی پاس کچھ رکھا ہو۔ مال بیچنے پر جو کچھ بھی ملا بلا تاخیر غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ”نزدہ“ تھا۔ حضور ﷺ سے آپ کا نکاح آسمانوں پر ہوا تھا۔ اس لئے آپ ان کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہوتے تھے اور پوچھنے پر فرمایا تھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ میرا نکاح آسمانوں پر کر دیا اور جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اس کے گواہ ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آسمانوں پر نکاح والی بات فرمائی تو مجھے خیال ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میں حسن و جمال تو پہلے ہی موجود ہے۔ اب وہ اس بات پر فخر کریں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آسمان پر کر دیا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اصل نام واقعی یہی تھیں لیکن سلطانِ دو عالم ﷺ نے اُسے بدل کر زینب کر دیا۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش سلام اللہ علیہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق جب وصال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ مجھے اس کفن میں دفنایا جائے جو کہ آپ نے خود اپنے لئے تیار کیا تھا اور پھر فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے لئے کفن بھیجیں تو اسے صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کیلئے بھیجے جو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی بہن حضرت آمنہ نے صدقہ کر دیئے۔

اُمّ المؤمنین سلام اللہ علیہا نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے پیارے مصطفیٰ ﷺ کے تابوت میں اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کو اس تابوت پر اٹھایا جا چکا تھا۔ آپ وہ پہلی خاتون تھیں جن کو پیارے مصطفیٰ کے تابوت پر اٹھایا گیا۔ سیدہ کا وصال ۲۰ ہجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۵۳ سال تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب آپ کی لحد بنائی جا رہی تھی تو گری بہت تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ خیمہ لگوایا۔ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت بقیع میں نصب کیا گیا۔ آپ کو قبر میں حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت عبداللہ بن جحشؓ محمد بن عبداللہ بن جحشؓ اور عبداللہ بن ابی بن جحشؓ نے اتارا۔ روایت میں ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماری تھیں:

”افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی عبادت گزار اور قیموں اور بیواؤں کا سہارا تھیں۔“

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ گھرانہ شروع ہی سے صدقہ و خیرات اور داد و دہش کے لئے مشہور تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شادی سے پہلے آپ کے لباس بہت خوبصورت ہوتے تھے۔ چونکہ خوبصورت تھیں اس لئے آرائش کا خصوصی خیال رکھتی تھی، مگر جب سرکارِ دو عالم ﷺ سے شادی ہوئی تو انتہائی سادہ زندگی بسر کرنی لگیں۔ خود کو نبی کریم ﷺ کے اسوہ میں ڈھال لیا، کبھی کسی چیز کی ضد نہ کی، جو کچھ عطا ہوا خدا کی راہ میں بلاتا خیر خیرات کر دیا۔ حتیٰ کہ امیر المؤمنین نے آپ کے پاس وظائف کی رقم بھیجیں مگر وہ سب کچھ بھی خیرات کر دیا۔ آپ مدینہ منورہ کے غرباء، فقراء، قیموں، بے کسوں اور رنج و آلام کے مارے ہوؤں کیلئے جائے امان تھیں۔ بے کسوں کا سہارا تھیں۔ آپ بہت رقیق القلب تھیں، کسی کو



تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ آپ مسکینوں اور غریبوں کی سرپرستی فرماتی تھیں۔

متحد روایت میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو (۱۲ ہزار درہم کا) وظیفہ بھیجا تو انہوں نے اسے تمام ازواج کیلئے سمجھا۔ آپ نے فرمایا: عمر مجھ سے بہتر تقسیم کر سکتے تھے۔ بتایا گیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا سبحان اللہ! پھر اپنے اور اس مال کے درمیان پردہ حائل کر دیا اور پھر مال لانے والے سے کہا کہ اس ڈھیر پر پردہ ڈال دو پھر گھر میں موجود برزہ بنت رافع سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا اور جتنا ہاتھ میں آئے اسے فلاں بنی فلاں کو دے آؤ۔ آپ اسی طرح فرماتی رہیں کہ یہ مال فلاں یتیم کو فلاں مسکین کو دے آ۔ جب برائے نام مال رہ گیا تو میں نے (برزہ) عرض کی: اے ام المومنین! اللہ آپ کی معفرت فرمائے اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ اس پر ام المومنین نے فرمایا: اچھا جو کچھ بھی اس کپڑے کے نیچے ہے وہ تم لے لو۔ اس پر جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے ۸۵ درہم تھے جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ اس سال کے بعد عمر (رضی اللہ عنہ) کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔

چنانچہ سال گزرنے سے پہلے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

دوسری روایت کے مطابق جب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا تمام وظیفہ اسی وقت تقسیم کر دیا تو اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گئی۔ آپ نے ایک ہزار درہم اور روانہ کئے اور پیغام دیا کہ میری طرف سے سلام قبول کریں۔ بارہ ہزار تو آپ نے تقسیم کر دیئے یہ ایک ہزار اپنی ضروریات کیلئے قبول فرمائیں۔ آپ نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے۔

آپ کے انتقال سے قیاموں میں کُہرام مچ گیا۔ غرباء کی آنکھیں آنسوؤں کے

دریا اُگلنے لگیں۔ مساکین اور یتیم بچوں محسوس کرنے لگیں جیسے سر سے رحمت کا سائبان اُٹھ گیا ہو۔ رسول کریم ﷺ نے آپ کے گھر کو غرباء و مساکین کیلئے مرکزِ بخشش کہا تھا۔ اس موقع پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ تاریخ کا اعزاز بنتے ہیں۔
 ”میں نے کوئی عورت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے زیادہ دیدارِ زیادہ پرہیزگارِ زیادہ راست گفتارِ زیادہ فیاض حقیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔“

حضرت زینب بنت جحش کا تعلق محدثین کے پانچویں طبقے سے تھا جن سے چالیس یا چالیس سے کم احادیث مروی ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کو سیرت و صورت دونوں لحاظ سے بے حدو حساب نوازا تھا۔ نسوانی حسن و جمال اور سلیقہ شعاری میں اپنے دور کی کسی خاتون سے کم نہ تھیں۔ آپ کا قد مبارک نہایت موزوں تھا۔ موزوں اندام اور خوبصورت تھیں۔ شب بیداری فرماتیں خدا کی بے پناہ عبادت کرتیں۔ اپنے محترم شوہر آقائے دو عالم ﷺ سے اس وجہ عقیدت تھیں کہ آپ کی ہر بات کو دیکھنے حیاتِ سمیعہ کر دل میں اتار لیا کرتی تھیں۔ زوجہ رسول (ﷺ) ہونے کے ناتے سے آپ کا مقام و مرتبہ پہلے ہی بے حد سر بلند و سرفراز ہے مگر آپ کے نکاح نے ایک بہت بڑی سچائی کو کائنات کے لئے واضح کر دیا اور آپ کی بدولت حتمی اور حقیقی بیٹے کا فرق واضح ہو گیا تا کہ اسلام کے انتہائی اُچلے اور جھلکاتے دامن پر کوئی کم ظرف ایک معمولی سادہ لگانے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔

۔ سیدہ زینب غریبوں کیلئے وجہ قرار

ہاں وہ اُمّ المؤمنین شہرِ مدینہ کی بہار



اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ

جویریہؓ سیدہٗ دو عالم کے نامِ نامی پہ مرنے والی
 جویریہؓ خوفِ خالقِ بزمِ ہر دو عالم سے ڈرنے والی
 یہ مادرِ مومنات ہے اور ہے یہ زوجِ محبوبِ ہر دو عالم
 سرِ عقیدت ہر ایک مومن کا اُن کے ہی احترام میں خم
 حبیبِ عالم کے واسطے ہی ہر ایک پلِ محوِ جستجو تھیں
 یہ پاک ہستی، عظیم ہستی، یہ پاک دل اور نیک خوتھیں
 انہی کے دم سے قبیلہ اُن کا تھا پا گیا قید سے رہائی
 شہِ دو عالم کی ایک پل کی گوارا اُن کو نہ تھی جدائی
 وہ جن کو دیکھا، تو عائشہؓ نے کہا تھا ہے یہ نصیبِ والی
 وہ جن کو اُلفت تھی شہِ جہاں سے وہ جن کا اُسوۂ کہ تھا مثالی
 حریمِ نبوی کی شان ہیں یہ شہِ دو عالم کی آن ہیں یہ
 عقیدتوں کا نشان ہیں یہ وفاؤں کی ترجمان ہیں یہ
 جویریہؓ کہ جنہوں نے حُبِ نبی کا ہر اک پیام سمجھا
 جویریہؓ کہ جنہوں نے ایمان کی عظمتوں کا نظام سمجھا



اُمّ المؤمنین

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

بِیعت سے دو سال پہلے حارث بن ابی ضرار کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا۔ باپ نے اس کا نام بڑہ رکھا۔ بچی نہایت خوبصورت اور ذہین قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہونے کے سبب سے اس کی ناز و نعمت کے ساتھ یہ پرورش ہونے لگی۔ جب بڑہ جوان ہوئیں تو ان کی خوبصورتی کے چہ چہ پھیل گئے اور ان کی شادی مشہور خاندان سے تعلق رکھنے والے مسافع بن صفوان سے ہو گئی۔ ایک دن یہ اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہی تھیں، عالم خواب میں دیکھا کہ یثرب کی طرف ایک چاند ہوا کے دوش پر آتا ہوا اُن کی آغوش میں اتر آیا ہے۔ فرط حیرت سے اُن کی آنکھ کھل گئی اور مسلسل اس خواب کے بارے میں سوچنے لگیں۔ اس دوران اسلام اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہ چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ بڑہ ذہین تھیں اس لئے مدینہ منورہ اسلام اور اس کے بارے میں سوچنے لگیں۔

حارث بن ابی ضرار اور مسافع کے دل میں اسلام کے خلاف انتہائی نفرت تھی۔ غزوہ بدر میں کفار کی شکست سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ قریش مکہ کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے کفار نے انہیں (بنو مصطلق) کو بھڑکایا اور یہ قریش کو دوسری جنگ کیلئے بھڑکانے لگے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آ گئی کہ بنو مصطلق نے ارد گرد کے دیہات کے کفار کو ساتھ ملا کر مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو ۲ شعبان ۵ ہجری کو مجاہدین کی ایک جمیعت کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حارث کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ رسول

کریم ﷺ نے مریض میں قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں نے کچھ دیر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی، بہت سے آدمی مقتول ہوئے اور ۶۰۰ کے قریب گرفتار ہوئے۔ ان گرفتار شدگان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو آپ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ قبیلہ کے رئیس کی بیٹی تھیں، لوٹدی بن کر رہنا گوارا نہ تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے درخواست کی مجھ سے کچھ روپے لے کر چھوڑ دو۔ وہ راضی ہو گئے اور ۹ اوقیہ سونے کا مطالبہ کیا۔

اب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ”مصیبت زدہ ہوں، آزاد ہونا چاہتی ہوں، ازراہ کرم میری مدد فرمائیے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں تم کو ازراہ فدیہ ادا کروں اور تم سے نکاح کر لیں۔“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فوراً راضی ہو گئیں۔ رسول کریم ﷺ ان کا زیرِ مکتب ادا کر کے نکاح کر لیا اور ان کا پہلا نام (بزہ) بدل کر جویریہ رضی اللہ عنہا نیا نام رکھ دیا۔ آپ کے حرمِ نبوی میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرام کو نسبتِ رسول ﷺ کا خیال دامنگیر ہوا۔ اور انہوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کی اس قبیلہ سے قرابت داری کا پاس کرتے ہوئے اپنے اپنے حصے کے قیدی آزاد کر دیئے۔ اس طرح حضرت جویریہ کی نسبت سے ان کا تمام قبیلہ آزاد ہو گیا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتی تھیں کہ ”میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلے کیلئے باعثِ رحمت نہیں پایا۔ یعنی ادھر وہ حرمِ نبوی میں آئیں اور ادھر ان کے قبیلے کے تمام اسیرانِ جنگ آزاد ہو گئے۔“ طبقات ابن سعد کے مطابق اس قبیلے سے جنگ میں قیدیوں کے علاوہ

مسلمانوں کو مالی قیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ صد بھیر بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔
جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن ابی قیس کے حصہ
میں آئیں تو انہوں نے حضرت حارث سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لیں۔
مکاتبت یہ ہے کہ غلام اپنے آقا سے معاہدہ کرے کہ اگر میں حسب معاہدہ تجھے اتنی رقم ادا
کر دوں تو مجھے آزاد کر دینا۔ اس معاہدہ کی رو سے غلام رقم ادا کر کے بعد آزادی حاصل
کر لیتا ہے۔ حضرت ثابتؓ نے حضرت جویریہؓ سے ۹ اوقیہ یعنی ۳۰ تولے سونے پر
مکاتبت کر لی چونکہ سیدہ جویریہؓ کے پاس سونا نہ تھا اس لئے وہ حضور نبی کریم ﷺ کی
بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ”میں سردار بنو مطلق کی بیٹی ہوں میری غلامی
میرے اور میرے قبیلہ کیلئے سخت بدنامی کا باعث ہے میں نے حضرت ثابت بن قیس
سے مکاتبت کر لی ہے۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ بدل کتابت
میں میری مدد فرمائیے۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تمہاری طرف سے
مکاتبت کی تمام رقم ادا کر کے تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے فرمایا
”میں مجبوری یا جبر کے بغیر اپنی خوشی سے حرم نبوی میں آنا قبول کر لیا“

ادھر حضرت جویریہؓ کے والد کو خبر ملی کہ اُن کی بیٹی لونڈی بنالی گئی ہے۔
چنانچہ وہ بہت سامال و اسباب اونٹوں پر لا کر بیٹی کی رہائی کیلئے عازم مدینہ آئے۔
راستے میں ۲ اونٹ جو انہیں پسند تھے معیت کے مقام پر کسی گھاٹی میں چھپا دیئے اور باقی
اونٹ اور مال و اسباب لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”آپ میری
بیٹی قید کر لائے ہیں یہ تمام مال و اسباب لے لیں اور اُسے رہا کر دیں۔“ حضور ﷺ کو
غیب سے اطلاع ملی کہ یہ شخص ۲ اونٹ چھپا آیا ہے۔ آپ نے فرمایا ”۲ اونٹ جو تم چھپا

آئے ہو وہ کہاں ہیں؟“

حادثہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور اسی وقت نبی کریم ﷺ کے قدم چومے اور بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا، جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا لوٹتی نہیں بنائی گئیں بلکہ حرم نبوی میں داخل کر لی گئی ہیں تو بے حد مسرور ہوئے اور شاداں و فرحاں بیٹی سے مل کر گھر واپس لوٹے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت عابد و زاہد تھیں۔ رسول کریم ﷺ گھر تشریف لاتے تو انہیں اکثر عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک دن رسول کریم ﷺ نے انہیں صبح کے وقت مسجد میں عبادت کرتے دیکھا۔ دوپہر کو پھر اُدھر سے گزرے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اسی حالت میں پایا۔ حضور ﷺ نے اُن سے پوچھا کیا تم اکثر اسی حالت میں رہتی ہو جواب دیا ”بے شک یا رسول اللہ!“ حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ کلمات پڑھا کرو تمہاری نقلی عبادت پر ترجیح رکھتے ہیں

سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ خَلْقِهِ سُبْحَانَ عَدَدِ خَلْقِهِ سُبْحَانَ
اللَّهِ رَضِيَ نَفْسَهُ ، سُبْحَانَ اللَّهِ رَضِيَ نَفْسَهُ سُبْحَانَ اللَّهِ زَلَّةَ عَرْشِهِ سُبْحَانَ
اللَّهِ زَلَّةَ عَرْشِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادَ كَلِمَاتِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادَ كَلِمَاتِهِ

جس جنگ میں اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قیدی بنیں اور پھر حرم رسول ﷺ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی، اس جنگ میں اُن کا بھائی عبداللہ بن حارث شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔ اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ اس کی بہن اُمّ المؤمنین کے درجے پر فائز ہو چکی ہے۔ والد مسلمان ہو چکا ہے اور قبیلے کے تمام قیدی آزاد کئے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے قیدیوں اور اپنی بہن کی آزادی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آیا، راستہ میں پہاڑ کی گھاٹیوں میں اونٹنیوں اور ایک لونڈی کو چھپا دیا۔ خدمت سرکار

ﷺ میں حاضر ہو کر جب رہائی کی بات کی تو حضور ﷺ نے پوچھا:

”قد یہ کیلئے کیا لائے ہو؟“

عبداللہ بن حارث نے عرض کیا ”میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ اونٹنیاں اور ایک لوٹھی جو فلاں جگہ پر چھپا

آئے ہو۔“

عبداللہ بن حارث حیرت میں ڈوب گیا کہ میرے ساتھ کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی اُدھر سے آیا ہے پھر سلطانِ مدینہ ﷺ کو کیسے پتہ چل گیا۔ سمجھ گیا کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ صرف عرب کے حکمران نہیں بلکہ خدا کے رسولِ برحق ہیں فوراً اسلام قبول کر لیا اور دیکھتے ہی اس کا تمام قبیلہ اور ارد گرد کے اُن کے حلیف قبائل اسلام کے دامانِ رحمت میں داخل ہو گئے۔

اب سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا پر اس چاندکار راز آشکارا ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئیں کہ جو چاند اُن کی آغوش کی زینت بنا تھا وہ ماورِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ آپ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا

”کچھ کھانے کو ہے“ عرض کیا ”میری کینر نے صدقہ کا گوشت دیا تھا بس وہی

موجود ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا ”لے آؤ“ جس کو صدقہ دیا گیا اس کو پہنچ چکا۔“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو عزتِ نفس کا بھی بہت خیال تھا۔ چنانچہ اسیر ہونے پر اپنی آزادی کیلئے انہوں نے حتی الامکان پوری کوشش کی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ۶۵ سال کی عمر میں ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔

جنت البقیع دفن کی گئیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے ۵۰ ہجری اور بعد بعض نے ۵۲ ہجری لکھا ہے جس پر اکثریت کو اتفاق ہے۔ اس کے مطابق آپ ربیع الاول ۵۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں فوت ہوئیں۔ مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی نہ تو پہلے خاوند مسافع بن صفوان (جو غزوہ بدر میں قتل ہوا) اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد تھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں جن کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

بروایت طبقات ابن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو ہر سال خیر کی کھجوروں میں سے اتنی (۸۰) دسک کھجوریں اور بیس (۲۰) دسک جو یا گیہوں عطا کرتے تھے۔



اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ

حضرت اُمِّ حَبِیبہؓ

ہر دین سے وفا کی روشنی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 گلستانِ یقین کی تازگی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 اُتو سفیان کی بیٹی مسلمانوں کی ماں ٹھہرے
 سراسر عی پیامِ زندگی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 بڑے آلام سے گزریں مصائب سے بڑا پالا
 روح حق میں وفا کی رہبری اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 مقتدر نے دیا اِنعامِ آقا سے ہوئی شادی
 دل و جاں کو پیامِ آگہی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 زہے قسمت انہوں نے جیت لی بازی محبت کی
 ملی جن کو بہارِ سرخوشی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 خدائے پاک عی کے ذکر میں مشغول رہتی تھیں
 زمانے میں پیامِ بندگی اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں
 نیا اُن کا 'خدا اُن کا' تو سارا ہی جہان اُن کا
 رضا ہر ملی وقارِ رہبری اُمِّ حَبِیبہؓ تھیں

اُمّ المؤمنین

حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کا شمار نبی کریم ﷺ کی محترم ازواجِ مطہرات میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام رملہ یا ہند تھا۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ اُمّ حبیبہ کی پہلی شادی عبید اللہ بن جحش سے ہوئی، جب نبی کریم ﷺ نے کفار کے ستائے ہوئے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کیلئے کہا تو یہ میاں بیوی ہجرت کر گئے۔ حضرت اُمّ حبیبہ کے والد ابوسفیان اس وقت اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی اور داماد پر بھی عرصہ حیات تک کر رکھا تھا۔

ہجرت کے بعد یہ میاں بیوی جب حبشہ پہنچے تو عبید اللہ بن جحش کو عیسائیوں نے اپنا دوست بنا لیا۔ یہ اُن کی مجلس میں باقاعدگی سے بیٹھنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ شراب نوشی شروع کر دی۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر قدرت نے اُن کی آخرت تاریک کر دی تھی۔ وہ اس ذلت خواری کے عالم میں مرتد کی حیثیت سے انتقال کر گئے۔ عبید اللہ سے حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی تھی جس کا نام حبیبہ تھا۔ یہ اسی نسبت سے اُمّ حبیبہ مشہور ہوئیں۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ یوں ہے۔

”اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس

والدہ صفیہ بنت ابی العاص کا اوپر ذکر ہو چکا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

پھوپھی تھیں۔

حضورِ نبوی ﷺ کیلئے دنیا اندر میر ہوگی۔ کفار کے قلم و قلم سے بچتے کیلئے مکہ چھوڑا۔ خاوند کا سہارا تھا وہ مرتد ہو گیا اور کفر کی موت مرا۔ اب حبشہ میں انہیں ہر چیز انجی نظر آ رہی تھی جاتیں تو کہاں جاتیں۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ ان مشکل ترین حالات میں بھی آپ نے بھرپور مستقل حرا جی کا مظاہرہ کیا اور اسلام پر قائم رہیں۔

حضورِ رحمتِ دو عالم ﷺ کو معلوم ہوا تو عمرو بن أمیہ الغمری کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اُسے تحریر فرمایا تھا ”اُمّ حبیبہؓ کو آپ کا پیغام میری طرف سے پہنچائیے۔ بادشاہ نے اپنی وٹوڑ حوشاعی لباس و ضریات کی انچارج تھی پیغام دینے اُمّ حبیبہؓ کے پاس بھیجی۔ اُمّ حبیبہؓ اس سے قبل خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ اُن کو کوئی شخص اُمّ انوسین کہہ کر پکار رہا ہے۔ لوٹتی سے سن کر خدا کا شکر ادا کیا۔ نجاشی نے مجلسِ نکاح خود منعقد کی جس میں حضرت جعفر طیارؓ مع جملہ اصحابؓ تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے خطبہ پڑھا پھر حضرت خالد بن سعیدؓ نے خطبہ پڑھا جو اُمّ حبیبہؓ کے وکیل تھے۔ یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

نکاح کے بعد حضرت اُمّ حبیبہؓ بذریعہ بحری جہاز مدینہ پہنچیں۔ حضور ﷺ ان دونوں خیر کی مہم پر تشریف لے گئے تھے۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ بی بی نیک فطرت اور صالح خاتون تھیں۔ وہ ایسے وقت میں ایمان لائیں جب ان کے والد دشمنانِ اسلام کے قائد تھے۔ اسلام کی خاطر انہوں نے سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور حبش میں غربت کی زندگی اختیار کی۔ حالانکہ ان کا گھرانہ حتمول اور ریاست کے لحاظ سے قریش میں بہت ممتاز تھا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ حُسنِ ظاہری سے بھی مُتَّصِف تھیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسخیانؓ اپنی بی بی کے حُسن و جمال پر فخر کیا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حضور ﷺ سے شادی پر نجاشی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کا نکاح ان سے کر دوں۔ لہذا میں نے ان کی فرمائش پوری کی۔ یہ کہہ کر نجاشی نے چار سو دینار مہر میں نبی محترم کی طرف سے مقرر کئے اور حاضرین کے سامنے ڈال دیئے۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص نے مہر والے دینار لے لئے اور حاضرین اٹھ کر چلنے لگے تو شاہ حبشہ حضرت نجاشی نے تمام حاضرین کی ضیافت کی۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جب یہ مہر کی رقم میرے پاس آگئی تو میں نے اُس میں سے پچاس دینار ابراہیم بامدی کو اور دے دیئے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ بادشاہ نے قبول کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس سے پہلے جو چیزیں اسے دی تھیں وہ بھی واپس کر دیں۔

جب اس نکاح کی خبر حضرت ابوسفیان کو پہنچی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تو اپنی ہار مان گئے چونکہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ سے لڑتے تھے اور مشرکین مکہ کو آنحضرت سے لڑانے میں بہت پیش پیش تھے اور اسلام اور داعی اسلام کا نام تک مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کو یہ کہاں منکور ہوتا کہ ان کی بیٹی آپ کے نکاح میں جائے۔ نکاح کی خبر سن کر یوں بول اُٹھے:

صَوَّا الْفَحْلُ لَا يُجْدَعُ أَنْفَهُ (محمد رسول اللہ ﷺ جو انمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی) (یعنی وہ بلند ناک والے عزّت دار ہیں ہم اُن کو ذلیل نہیں کر سکتے) ادھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں ادھر ہماری لڑکی اُن کے نکاح میں چلی گئی۔ اس کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کے ارشادات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو شخص دن رات میں بارہ رکعات پڑھ

لے اللہ جبارک و تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔“

آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سننے کے بعد سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کبھی یہ داخل ترک نہیں کئے۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بی بی تُحّج شریعت تھیں جب ان کے والد حضرت ابوسخیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر وہ خوشبو اپنے لباس، جسم اور اپنے رخساروں پر لگائی پھر فرمایا ”کسی عورت کیلئے جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے۔“

ایک دن سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح دعا کی ”اے اللہ! مجھے میرے شوہر نبی ﷺ، میرے والد ابوسخیان، میرے بھائی سخیان سے قائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: تم نے اللہ سے ایسی باتوں کا سوال کیا جن کی سیادت مقرر ہیں۔ قدم تک لکھے ہوئے ہیں روزیاں مقسوم ہو چکی ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مقدم یا مؤخر نہیں کرے گا۔ اگر تم اللہ سے یہ مانگتیں کہ اے اللہ! مجھے جہنم اور قبر کے عذاب سے عافیت دے تو بہتر ہوتا۔“

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بہن عزہ سے نکاح کر لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟“ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں ایک عی تو آپ کی بیوی نہیں ہوں، جہاں اتنی ہیں ایک اور سہیلی“ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اس خیر و فضیلت میں میری بہن بھی شریک ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”وہ میرے لئے حلال نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب (وقات سے قبل)

مریض ہوئے تو آپ کی ایک بیوی نے اہل کتاب کے ایک عبادت خانہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے۔ چونکہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر آئی تھیں اس لئے انہوں نے اس کی خوبصورت بناوٹ اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ یہ حرکت کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی نیک انسان مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے پھر اس میں وہ تصویریں بنا لیتے تھے (جن کا تم ذکر کر رہی ہو) یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں۔ فکر آخرت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بٹا کر کہا کہ زندگی میں ہم میں آپس میں سوکنوں والی رنجش رہی ہے لہذا تم میرا کھانا سب کچھ معاف کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔ اس کے بعد اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ خدا تمہیں خوش کرے جیسے تم نے مجھے ابھی خوش کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بٹا کر کہا ہاں فتلو کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن کے راویوں میں کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ آپ کے اقارب میں درج ذیل شخصیات خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

☆ ابوسفیان بن حرب مشہور دشمن اسلام جو بوقت فتح مکہ مسلمان ہوئے۔

☆ یزید بن ابوسفیان فتح مکہ پر مسلمان ہوئے۔ ۱۹ھ میں دمشق میں وصال ہوا شام کے حاکم تھے۔

☆ دوستر بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوسری ماں سے بیس سال تک گورنر پھر میں

مہل حکومت کی بانی سلطنت اُمیہ۔

☆ حبیبہ بنت اُمّ حبیبہ۔ نیا کریم اس کو بہت عزیز جانتے تھے۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں بیسٹھ روایتیں منقول ہیں۔

راویوں کے نام یہ ہیں: حبیبہ عتبہ معاویہ ابوسفیان عبد اللہ بن عتبہ ابوسفیان بن سعید ثقفی سالم بن سوار ابوالجراح صفیہ بنت شیبہ نضیب بنت ابوسلمہ عروہ بن زبیر ابوصالح ہشام بن شہر بن خوشب۔ حدیث پر بہت شدت سے عامل تھیں۔ دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ اُن کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ آئے انہوں نے ستوکھا کر کئی کی تو بولیں کہ تم کو وضو کرنا چاہیے کیونکہ آگ جس چیز کو پکادے اس کے استعمال سے وضو لازم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو باقی نہیں رکھا یہ حکم منسوخ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر وضو ہوتا تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ ہجری میں ۷۳ سال کی عمر میں اپنے

بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر سفر کی طویل صعوبتیں برداشت کیں۔

راہِ وقا میں ہر دکھ کو سینے سے لگایا ہر غم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مکہ میں ان کا گھرانہ امارت و ثروت اور دولت و تمول کے لحاظ سے سرفہرست تھا۔ والد کفار مکہ کے سردار تھے اسلام کے دامن میں آ کر رنجِ دالم سے دبا کرنا سیکھا۔ غریب الوطنی کے دکھ برداشت کئے مصائب پر لبیک کہا۔ سب سے بڑا دکھ اس وقت پہنچا جب خاوندِ مرتد ہو گیا۔ اسے محبت اور سختی سے سمجھایا پھر وہ حالتِ کفری ہی میں مر گیا۔ غریب الوطنی بیوگی اور پریشانی مگر اس عالم میں بھی اُن کے دل میں مکہ مکرمہ کی جانب اپنے باپ سے رجوع

کرنے کا خیال نہ آیا۔ فقط عشقِ رسول ﷺ ہی پیش نظر تھا۔ محبتِ رسول اُن کا خضرِ راہ تھی۔ یہی واحد سہارا تھا جس نے ان کو راہِ وفا میں زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔

یہنا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جماعی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

اور پھر ان تمام مصائب و آلام کے کانٹے اس وقت راحت و آرام کے پھولوں میں تبدیل ہو گئے جب سلطانِ دو عالم تک ان کی بیوگی کی خبر پہنچی تو آپ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ پیغام کیا تھا، دنیا و آخرت میں سرخروائی کا بہانہ تھا، عشقِ رسول سر بلندی کا افسانہ تھا۔ عِدّت کے بعد جب آپ کا حضور ﷺ سے نکاح ہوا تو یوں لگا جیسے فرش سے عرش پر آ گئی ہیں۔ دل کی بے قراریاں اُبدی سکون و راحت کی پیغام بر بن گئیں۔ آپ نے جس قدر رنج و آلام برداشت کئے اُن کا انعام بھی اتنا ہی عظیم عطا ہوا۔

۱۔ رنج و راحت ہی پیامِ راحت و آرام تھا

قُرْبَتِ سُلْطَانِ بُلْغَا آپ کا انعام تھا

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ مدینہ پہنچیں تو اُسی دن حضورِ رحمتِ عالم ﷺ غزوہ خیبر سے فتح یاب ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اُمّ المؤمنین کے ساتھ آنے والوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے چچا زاد اور آپ کے ہم شکل حضرت جعفر بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ جب حضور ﷺ کو اس وفد کی آمد کی اطلاع ملی تو حضور ﷺ ان کے پاس گئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کی طرف بڑھے اور انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا تو سیرت و صورت میں میرے مشابہ ہو میں نہیں جانتا کہ میرے لئے زیادہ خوشی کی بات کون سی ہے۔ فتح خیبر یا آمدِ جعفر۔

حضرت امین عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا نکاح سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

”عقرب اللہ تعالیٰ تم میں اور ان لوگوں میں جن کے ساتھ تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے۔“

پھر ہوا بھی یہی۔ کفار مکہ کے سردار ابوسفیان کا میر جھک گیا۔ اسلام دشمنی کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور اس نے ہر لحاظ سے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کی رضا جوئی میں لگ گیا۔ اُمّ المؤمنین حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین و جمیل تھیں جس کا اعتراف ائمہات المؤمنین کو بھی تھا۔ چنانچہ ابوسفیان آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے:

”میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت اُمّ حبیبہ ہے۔“

☆ اُمّ المؤمنین سیدہ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو السابقون الاولون ہونے کا شرف حاصل تھا۔

☆ آپ کو اسلام کے ساتھ اس درجہ محبت تھی کہ اس کی خاطر گھربار و والدین اور وطن چھوڑ دیا۔ اپنے والد کو مشرک ہونے کی بناء پر پیارے مصطفیٰ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔

☆ آپ احادیثِ رسول کو دل و دماغ میں بٹھا کر رکھتی تھیں اور ارشاداتِ مصطفیٰ ﷺ پر شدت سے عمل پیرا ہوتی تھیں۔

☆ آپ بہت بڑی عالم الحدیث تھیں۔ جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے آپ سے ۱۶۵ احادیث روایت کی ہیں۔

☆ یہ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت عطا کرنے کا ہی اثر تھا کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد آپ کی وجہ سے ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا تھا۔

آپ کے مدفن میں بارے مختلف روایات ہیں۔ استیعاب کے مطابق حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس پر لکھا تھا:

”یہ رملہ رضی اللہ عنہ بنتِ صخر کی قبر ہے۔ (رملہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام تھا) امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں حافظ ابوالقاسم کی تاریخ دمشق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا دمشق میں اپنے بھائی سے ملنے تشریف لے گئی تھیں اور وہیں آپ کا وصال ہوا اور ان کی قبر وہیں ملکِ شام میں ہے۔ لیکن قول صحیح یہی ہے کہ آپ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔



اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

صفیہؓ جن پہ واری ہے قلوب و جان کی دنیا
 دلی خوش بخت ہے جس نے مقام ان کا ہے پہچانا
 جناب سرور کونین کی ساتھی رفیقہ ہر دو عالم میں
 تحنیل سے بہت اونچا ہے ان کے نام کا رتبہ
 عبادت میں ریاضت میں شہ والا کی اُلفت میں
 نہیں پایا زمانے بھر میں ہم نے کوئی ان جیسا
 یہ مشفق ماں ہمارے واسطے اللہ کی رحمت
 غلاموں پر خدائے پاک کے انعام کا سایہ
 یہ سیرت اور صورت میں رہیں بے مثل و لامانی
 شہ دارین کی اُلفت نے ان کو کر دیا یکتا
 رضائے مُصلطے اُن کی رضا تھی بزم ہستی میں
 تھا ان کے دل میں ہر ساعت حبیب پاک کا جلوہ
 رضا قربان جاؤں مادرِ اہل عقیدت ہیں
 کہ جن سے پیار کرنا ہی ہے خست سرورِ بطن

ام المؤمنین

حضرت صفیہ بنت حنیؓ

جب حضرت صفیہؓ حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں تو ایک دن حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر چند ابھرے ہوئے نشانات دیکھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: یہ کیسے نشانات ہیں؟ حضرت صفیہؓ نے بتایا کہ ”میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹا اور میری آغوش میں آ گیا“ میں نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا جس سے وہ سخت غضبناک ہو گیا اور اتنے زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ابھر آئے۔ پھر اس نے کہا: کیا تو ملکہ عرب بننے کے خواب دیکھتی ہے یہ تھیں حضرت صفیہؓ جنہوں نے حالت کفر میں حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں آتے دیکھا۔ یہودیوں کے سربراہ کی نہایت خوبصورت بیٹی جو ایک ہولناک جنگ میں مسلمانوں کی فتح کے بعد حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت صفیہؓ کے والد حنی بن اخطب یہودیوں کے مشہور قبیلے بنو نضیر کے سردار تھے۔ ان کی والدہ کا نام ”ضرہ“ تھا جو نامور سردار سموئل کی بیٹی تھیں۔ اس طرح حضرت صفیہؓ کا ددھیال بنو نضیر اور نہیال بنو قریظہ قرار پائے ہیں جو یہودیوں کے ایک جدی خاندان تھے۔ اس لحاظ سے آپ کا حسب و نسب نہایت ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ہارون علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی لیکن دونوں میں ناچاقی ہو گئی۔ آخر مشکم نے انہیں طلاق دے دی تو ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریظہ کے نامور سردار کنانہ بن ابی التحقیق سے کر دیا جو رئیسوں کی اولاد اور خود بھی بہت امیر کبیر تھا۔

خیبر کے مشہور قلعے اقموں کا سردار تھا۔

نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا۔ وہ خیبر میں آباد ہو گئے، کئی قلعے بنائے مگر سازشوں کا سلسلہ نہ چھوڑا۔

اوائل ۷ ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کی روزِ روز کی شرارتوں کا قلع قمع کرنے کیلئے ان کے مرکز خیبر پر چڑھائی کی۔ خیبرِ مدینہ کے شمال مغرب میں ایک نہایت زرخیز مقام تھا جہاں یہودیوں نے چند نہایت مضبوط قلعے بنائے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ مدینہ پر قبضہ کر کے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں، چنانچہ اس مقصد کیلئے وہ مدت سے لشکر اور آلاتِ حرب و ضرب جمع کر رہے تھے۔ اپنی تیاری مکمل کر لینے کے بعد انہوں نے دو اور قبائل بنو غطفان اور بنی اسد کو بھی اس وعدہ پر اپنے ساتھ ملا لیا کہ مدینہ کی فتح کے بعد نصفِ نخلستان انہیں دے دیا جائے گا۔

خیبر میں یہودی رہتے تھے۔ ان کی رہائش اس طرح کی تھی کہ بہت سے قلعے بنائے تھے ہر ایک قلعہ کی آبادی علیحدہ علیحدہ تھی۔ ۴۰ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے یہودی نصیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا تو ان میں سے اکثر لوگ شام جا کر اور کچھ خیبر پہنچ کر رہنے لگے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ خنی بن اخطب (جو بنی نصیر کا سردار تھا) خیبر میں ہی مقیم ہوا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ خیبر والوں سے جہاد کرنے کیلئے خیبر کی آبادی میں پہنچے تو اس وقت وہ لوگ اپنے کام کاج کے لئے قلعوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے لشکر کو دیکھ کر ہم گئے اور کہنے لگے کہ محمد والنعمیس (محمد ﷺ اور ان کا لشکر آپہنچا) حضور اقدس ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر کے یکے بعد دیگرے سب کو فتح کیا۔ آخری قلعہ جو فتح ہوا وہ طح کا قلعہ تھا۔ دس روز سے کچھ زیادہ اس کا محاصرہ رہا۔ مرحب نامی شخص (جو اس قلعہ کا بڑا تھا) قتل ہوا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

کا شوہر جنگ خیر میں مارا گیا۔

جب جنگ کے ختم پر قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت وحیہ رضی اللہ عنہا دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان قیدیوں میں سے مجھے ایک باندی عنایت فرما دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ ان میں سے ایک باندی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کر لیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صحابی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

یا نبی اللہ! آپ نے یہ عورت وحیہ کو دے دی وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہے اس لئے وہ صرف آپ ہی کیلئے مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا وحیہ کو بلاؤ۔ وہ اس کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ حسب فرمان والا شان حاضر خدمت ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اس کے علاوہ قیدیوں میں سے دوسری باندی لے لو۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا چونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا۔ صفیہ کے معنی ہیں انتخاب کردہ۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی محترم ﷺ نے حضرت صفیہ کیلئے حضرت وحیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اے وحیہ! دوسری لوٹھی لے لو پھر آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی کی خاطر سات لوٹھیوں کے بدلے میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا۔ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں یا پسند کریں تو آپ ﷺ کے نکاح میں آجائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنا



اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھا۔

خبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے منورہ روانہ ہوئے راستہ میں بمقام سد الصہبا میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا اور اس طرح ان کا نکاح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز جس کے پاس ہو لے آئے۔ لوگوں نے اپنے زادِ راہ لا کر چڑے کے دسترخوان پر رکھ دیئے۔ پھر کھجور، خیر اور گھی سے طیدہ تیار کیا گیا۔ اسی طیدہ سے رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو تین دن وہاں قیام فرمایا پھر آپ ﷺ نے منورہ روانہ ہو گئے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ ﷺ نے اونٹ پر بیٹھنے کی جگہ بتائی پردہ تان دیا اور اپنی چادر اوڑھادی راستہ میں جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں تو آپ ﷺ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے اپنا گھٹنا زمین پر ٹکلا دیتے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے گھٹنے پر اپنا پیر رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ راستہ میں آپ ﷺ نے اونٹ کو تیزی سے دوڑایا اتفاق سے اونٹنی کو ٹھوکر لگی۔

آپ ﷺ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سے گر پڑے۔ رسول اللہ ﷺ جلدی سے کھڑے ہو گئے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر پردہ تان لیا اور اونٹنی پر دوبارہ سوار ہو کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

اس نکاح کے بعد یہودی پھر مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے حضرت حارث بن نعمان انصاری کے مکان پر اتارا۔ اُن کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر انصاری کی عورتیں اور دوسری ازواجِ مطہرات انہیں دیکھنے آئیں۔ جب دیکھ کر جانے لگیں تو حضور ﷺ ان کے پیچھے چلے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: عائشہ تم نے اُس کو کیسا پایا؟“



جواب دیا: یہودیہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ نہ کہو وہ مسلمان ہو گئی اور اس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔“

قبول اسلام کے بعد یہودیت کا طعن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کیلئے بڑی دل آزاری کا موجب ہوتا تھا لیکن وہ نہایت صبر و تحمل سے کام لیتی تھیں اور کبھی کسی کو سخت جواب نہ دیتی تھیں۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں وجہ دریافت کی تو کہا ”عائشہ اور زینت کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں کیونکہ بیوی ہونے کے علاوہ ہم حضور ﷺ کے قرابت دار بھی ہیں لیکن تم یہودن ہو“ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کیلئے فرمایا۔

”اگر عائشہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ان کا خاندان نبوت سے تعلق ہے تو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارون رضی اللہ عنہ اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔“

ایک دفعہ کسی بات پر حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ناخوش ہو گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا ”آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ سرور عالم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کام کیلئے تیار ہو گئیں اور زعفران کی رنگی ہوئی ایک اوڑھنی لے کر اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی خوشبو مہک جائے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئیں۔ آپ نے فرمایا: عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں۔

بولیں: یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

پھر تمام واقعہ حضور ﷺ کو سنایا اور حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے راضی ہو

گئے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محارن جمع تھے۔ وہ عاتکہ فاضلہ، حلیمہ الطبع، خلیق کشادہ دل، سیر چشم اور نچی تھیں۔ جب وہ ام المومنین کی حیثیت سے مدینہ منورہ تشریف لائیں اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے اپنے پیش قیمت طلائی جھمکے اپنے کانوں سے اتر کر سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دے دیئے اور ان کے ساتھ آنے والی خواتین کو بھی کچھ نہ کچھ دیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن اس لوٹھی نے کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں اب تک یہودیت کی بو اور اثر باقی ہے اور وہ اب بھی (یوم السبت) ہفتہ کے دن کو تبرک سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کیلئے ایک شخص کو بھیجا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جب سے اللہ نے مجھے ہفتہ کے بدلے جمعہ عطا فرما دیا ہے تو ہفتہ کو دوست رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی، جہاں تک یہودیوں سے تعلقات اور ان سے نرمی کا معاملہ ہے تو یہودیوں سے میری قرابت داری ہے اور مجھے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کنیز کو بلا کر پوچھا کہ تجھے کس نے اس بات پر آمادہ کیا کہ تو میری شکایت کرے۔ کنیز نے کہا: شیطان نے یہ سن کر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض تھیں۔ آپ کا صرف ایک ذاتی مکان تھا وہ بھی آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صدقہ کر دیا۔



ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”قالتواؤنٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو“۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: اس یہودیہ کو میں اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔ آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے دو یاتمن مہینے اُن سے تعلق بالکل منقطع رکھا جب انہوں نے توبہ کی تب رجوع فرمایا۔

جب حضور رسالت مآب ﷺ ہر مرضِ آخری میں تھے شدید تکلیف تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خلوص سے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ محبوب ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سکر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ مونسِ بے کساں ﷺ نے کراہت فرمائی اور فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی قسم صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے دعوے بات میں سچی ہے“

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قد و قامت کے متعلق کوئی جملہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات قطعاً پسند نہ آئی۔ آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو وہ سمندر کو بھی گدلا کر دے۔

ایک مرتبہ رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف فرمایا ایک رات کو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے آئیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ ﷺ انہیں پہنچانے کیلئے ان کے ساتھ گئے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ ایامِ حج میں ان کو اذیتِ ماہانہ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: وہ ہمیں روکیں گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ انہوں نے طوافِ افاضہ تو کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو پھر کوچ کرو۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بے حد درد

مند تھیں جب ۳۵ ہجری میں خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مکان کا مُفسدوں نے محاصرہ کر لیا تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ ضعیف العمر امیر المومنین کی مصیبت سے بے چین ہو گئیں۔ ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے نجر پر سوار ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ اشتراختی نے ان کے غلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ کے نجر کو مارنے لگا۔ چونکہ حالات بگڑے ہوئے تھے اور اشتراختی کے مقابلہ میں کامیابی مشکل تھی اس لئے آپ مصطفیٰ واپس چلی گئیں اور جناب امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کھانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مختلف اوصاف اور اس سے قبل سرکارِ دو عالم سے شادی کا ذکر ہوا۔ اس ضمن میں یہ تفصیل یقیناً ایمان افروزی کا باعث بنے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز خیر اور مکہ کے درمیان قیام فرمایا۔ تینوں دن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس شبِ باشی کی اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی تو نہیں تھی (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑے کا دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا، جن پر کھجوریں اور خیر اور گھی لا کر رکھ دیا گیا۔ مجھے حکم فرمایا کہ لوگو کو بلاؤ، میں بلالایا اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی۔ پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا ہے یا باندی بتائی ہیں۔ پھر خود ہی اس کا فیصلہ کیا کہ اگر آپ نے ان کو پردے میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی اور اُمّہاتِ المومنین میں سے ہیں، ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپ نے ان کو لونڈی بنا لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کیلئے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بتائی اور ان کو سوار کر کے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ اُمّ المومنین



ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو کتاب النکاح میں ذکر کی ہے۔ دوسری روایت میں ہے جو حضرت امام بخاری نے کتاب المغازی میں درج کی ہے کہ دسترخوان بچانے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ اس واقعہ کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کھانے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لے آئے۔ چنانچہ کوئی کھجور لایا، کوئی گھی لایا، کوئی ستولا یا اور سب چیزیں مالیدہ کی طرح ایک جگہ ملا کر کھالی گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انہوں نے اپنا ذاتی مکان اپنی زندگی ہی میں راہ خدا میں دے دیا تھا۔ البتہ ترکہ میں ایک لاکھ درہم نقد چھوڑے اور اس کے ایک تہائی کی وصیت اپنے یہودی بھانجے کیلئے کی۔ لوگوں نے اس کا حصہ دینے میں تامل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو کہلا بھیجا ”لوگو! اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو“۔ اُن کے ارشاد کے مطابق وصیت کی تعمیل کر دی گئی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدین اسحاق بن عبد اللہ بن حارث سلم بن صفوان کنانہ اور یزید بن مقب نے روایت کیا ہے۔ دیگر ازواج مطہرات کی طرح سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی خلیج علم و عرفان تھیں۔ علم و فضل، تقویٰ و طہارت میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

اُمُّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اخلاق و کردار میں لامعانی تھیں۔ آپ یہودیوں کے دو بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں آپ نے اپنے حسب و نسب پر کبھی غور نہ کیا۔ کیونکہ جب مذہب ہی ترک کر دیا اور سلطانِ دو عالم ﷺ کے حرم پاک کی زینت

ملائقہ السلام ﴿﴾ بن گئیں تو پھر گزشتہ حسب و نسب کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ نے زندگی بھر عاجزی اور فروتنی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اپنے سے بڑی اہمات المومنین کا تمام زندگی بے حد احترام کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی خوشنودی کیلئے اپنی باری تک انہیں دینے پر آمادہ ہو گئیں۔ انہیں ہر آن ہر صورت اور ہر حال میں حضور ﷺ کی خوشنودی عزیز تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے شوہر نامہ اربعی نہیں تھے پیغمبر اسلام بھی تھے۔ عظیم فاتح بھی تھے حضور نے خیر کے علاقہ سے متعلق تمام قلعوں کو روند ڈالا مگر حضرت صفیہ ؓ نے کبھی اپنے دردناک ماضی کو یاد نہ کیا بلکہ اپنے روشن مستقبل کیلئے اپنے آقا و مولیٰ کی خوشنودی کے جو فکر رہیں۔

جہاں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے وہ بھی آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور بجا طور پر آپ سمجھتے تھے کہ سیدہ صفیہ کا تعلق یہودیوں کے بڑے اونچے خاندان سے ہے۔ آپ نے صحابہ کے مشہورے کو تسلیم کر کے یہ سوچ کر ہی سیدہ صفیہ ؓ کو اپنی زوجیت میں لیا تھا کہ سردار کی بیٹی ہے اسے سردارِ دو عالم ﷺ کے عقد ہی میں آنا چاہیے۔ آپ کم عمر تھیں اس لئے حضور آپ کی ناز برداری کرتے انہیں اونٹ کی سواری سکھاتے۔ اہمات المومنین جب سیدہ صفیہ ؓ پر طنز کرتیں تو جواب خود رسول ﷺ ہی دیتے جب انہوں نے سیدہ صفیہ ؓ پر یہودن کی پھبتی کسی تو حضور ﷺ نے سیدہ صفیہ ؓ سے فرمایا کہ تم ان سے کہو کہ تم نبیوں کی اولاد اور پیغمبر اسلام کی زوجہ حیات ہو۔ اگر حضرت صفیہ ؓ اہمات المومنین کے احترام کو مد نظر رکھ کر کم بولتی تھیں یا خاموش رہتی تھیں تو حضور ﷺ اس کا جواب دیا کرتے۔ بعض اوقات سیدہ صفیہ ؓ پر اعتراض کرنے والیوں پر سخت ناراض ہو جاتے اور سیدہ صفیہ ؓ کی بھرپور وکالت کرتے۔ حضور ﷺ کی رحمتِ عالم کا کیا کہنا جب قلعہ قوص (جو سیدہ علی المرتضیٰ نے

ہاتھوں ختم ہوا) سمیت تمام قلعے فتح ہو گئے۔ شرپسند یہودی قتل ہوئے جن ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور چچا بھی شامل تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو اور دوسرے قیدیوں کو بہتے ہوئے خون اور لاشوں کے درمیان سے قیدی بنا کر لاتے تو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

بلال! ”تمہارے دل میں اس وقت رحم ختم کر دیا گیا تھا جب تم ان کو ان کے باپ بھائی اور شوہر کی لاشوں کے پاس سے لے کر گزر رہے تھے۔“

دیگر ازواجِ مطہرات کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی حرمِ نبوی میں داخلے کے ساتھ پیارے مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اور دل جوئی میں لگ گئی تھیں۔ آپ کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں اور اکثر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سیدہ صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بہت نرم دل، کشادہ دل، سیر چشم، حلیم الطبع، عاقلہ اور فاضلہ خاتون تھیں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے دونوں خاوندوں سے اور نبی کریم ﷺ سے کوئی اولاد نہ تھی۔ خواتین آپ سے سوال پوچھا کرتی تھیں۔ آپ سے دس احادیث مروی ہیں۔ حسن و جمال آپ کا امتیازی وصف تھا۔ جب آپ مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے چہرے کو دیکھنے کیلئے آئیں۔ آپ کی وجہ سے خواتین کیلئے ایک مشکل آسان ہو گئی کہ جب خواتین حج میں طواف زیارت کر لیں اور ان کو ماہانہ ایام شروع ہو جائیں تو انہیں رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس مدینہ منورہ سے آپ کا باپ اور اس کا قبیلہ اور دوسرے یہودی قبائل حکمِ مصطفیٰ ﷺ کے حکم کے مطابق نکالے گئے ان قبائل کو سخت سزائیں بھی دی گئیں اور پھر چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا ذلیل و خوار کر کے نکالے

خلافتِ مسلم
 جانے والے یہودی نئی بن اخطب کی صاحبزادی اُمّ المومنین کی حیثیت سے مدینہ منورہ
 میں اس شان سے داخل ہو رہی ہے کہ مدینہ بھر کی خواتین ان کے راستے میں آنکھیں
 بچھائے ہوئے تھیں۔ آپ کے حسن، سخاوت، دریا دلی اور علم و فضل کے ذکر عام سے
 مدینہ منورہ کی فضا میں گونج رہی تھیں۔

اُمّ المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا خاندان بڑا امیر کبیر تھا۔ جب یہ قبیلہ مدینہ طیبہ
 میں آباد تھے تو مسلمانوں کو سود پر اجناس اور اشیاء دیتے تھے اور بھاری رقم کے عوض ان کی
 چیزیں رہن رکھا کرتے۔ اس امیری اور فارغ البالی نے ان میں غیر معمولی تکبر اور غرور
 پیدا کر دیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ آ گئے تو بھی ان کی یہی حالت رہی۔
 مسلمانوں کے میدانِ احد میں نقصان اٹھانے کے بعد یہ اور دلیر ہو گئے تھے۔ مسلمانوں
 اور خاص طور پر غریب مسلمانوں کا سر عام مذاق اڑاتے۔ ایک بار ایک مسلمان عورت جو
 سبزی بیچنے کیلئے مدینہ طیبہ آیا کرتی تھی اُسے عریاں کرنے کی کوشش کی یہی وہ لمحہ فکر یہ تھا
 کہ رسول اکرم ﷺ نے سوچا کہ اس فتنہ کا سر اس صورت نکلا جاسکتا ہے کہ اسے سزا دے
 کہ مدینہ سے نکال دیا جائے لیکن وہاں جا کر بھی ان کی امیری اور ٹھاٹھ باٹھ نے حقائق
 کی طرف مائل ہی نہ ہونے دیا۔ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اسی بہت بڑے امیر گھرانے کی
 بیٹی تھی۔ ماں باپ کی امارت اپنی جگہ اور خاوند کی امارت اپنی جگہ لیکن جب یہ اسلام
 لائیں اور حرمِ نبوی ﷺ کا حصہ بنیں تو پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا محلات کی رہنے والی تھیں، دولت کی ریل پیل تھی، فقر و فاقہ کا
 نام و نشان نہیں تھا، زرق برق کپڑے پہنتیں، قیمتی زیورات سے خود کو مزین کرتیں مگر
 جب یہ اسلام کے دامنِ فقر میں آئیں، چھوٹا سا کچا کونٹا رہنے کو ملا، سادگی اور درویشی کی
 . . . ایک وقت کھا لیا تو چار دھتوں کی خبر نہیں۔ اُمّ المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس



فقر و درویشی کے رنگ کو ایسے قبول کیا کہ زمانہ حیران رہ گیا۔ پیوند لگے کپڑے زیورات سے بے نیاز، فقیری میں خوش و مطمئن۔ ان کیلئے یہ امر سب سے زیادہ قیمتی تھا کہ ان کے رسول اللہ ﷺ ان سے خوش رہیں۔

دراصل ان کے دل و دماغ میں حضور نبی کریم ﷺ سے عابانہ تعلق خاطر پیدا ہو چکا تھا۔ ان کا باپ ختی بن اخطب اور ان کا چچا توریت کے عالم بھی تھے۔ انہوں نے کئی بار ان کو سرگوشیوں میں باتیں کرتے سنا کہ محمد بن عبد اللہ ہی نبی آخر الزماں ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، توریت سمیت تمام آسمانی سماوی کتب نے ان کے آنے کی بشارت دی ہے مگر ان کی انا پرستی آڑے آ جاتی کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر نبی آخر الزماں یہودیوں میں سے آتا۔ حضور ﷺ کو اندر سے نبی آخر الزماں مانتے بھی تھے مگر ان کا قبائلی فخر آڑے آ جاتا تھا۔ یہودیت کی اسلام دشمنی ان کا راستہ روک لیتی تھی اور یہ اسلام کو دل سے سچا مذہب مان کر بھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بارہا اسلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت کی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس لئے یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے دل و جان سے قبول کر چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیبر کے قبائل اور قلعوں کی تباعی کے بعد جب یہ مسلمانوں کی طرف آئیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے باپ اور چچا کی زبانی جس نبی آخر الزماں (ﷺ) کے تذکرے سنا کرتی تھیں وہ ان کے سامنے ہے۔ ان کے دل میں اسلام اور رسول خدا ﷺ کے خلاف تعصب نہیں تھا۔ اس لئے بلا تاخیر اسلام قبول کر لیا۔ رسول خدا ﷺ نے ان سے ملاقات کر کے فرمایا کہ ”تم پر جبر نہیں ہے چاہو تو واپس اپنے قبیلے میں چلی جاؤ چاہو تو میری زوجیت میں آ جاؤ۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھیں مگر انہوں نے ایک لمحہ کی

حافظ محمد
 بھی تاخیر نہیں کی اور اپنی ظاہری آزادی کو چھوڑ کر عمر بھر کیلئے حضور ﷺ کی غلامی میں
 ہمیشہ کیلئے آنا قبول کر لیا۔ ان میں بھی سچا اور بے غلوں جذبہ تھا جس نے ہمیشہ حضور ﷺ کو
 ان کی تائید و حمایت کیلئے آمادہ کیا۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب نبی کریم ﷺ نے ان سے
 رونے کا سبب پوچھا اور جب انہوں نے کہا کہ آپ کی خاندانی قرابت دار اُمہات
 المؤمنین مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ ہم رسول اللہ کے خاندانی رشتہ دار بھی ہیں اور امہات بھی
 ہیں تم ہم میں غیر ہو تم ہمارے برابر کی نہیں ہو تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے
 کیوں کہہ دیا کہ تم حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے
 چچا ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے شوہر ہیں۔ بتاؤ تم میں کوئی میرے جیسا ہے۔ اگر
 میری ایسا موقع آئے تو بلا تاخیر ایسا کہہ دیتا۔ سلام ہو آپ کی ذات والا پر۔





اُمّ المؤمنین

حضرت میمونہ بنت حارثؓ

سیدہ میمونہ زوجِ سرورِ ہر دوسرا
عابدہ و زاہدہ قدیلِ رحمت کی ضیا
زندگی اُن کی تھی وقفِ ذکرِ ربِّ کائنات
مہرباں اُن پہ شہِ دینِ مہرباں ربِّ اعلیٰ
وقفِ خود کو کر دیا سرکارِ والا کیلئے
زندگی اُن کی سراسر لطف و ایثار و عطا
اُسوۂ محبوبِ دو عالم رہا اُن کو عزیز
جو بھی اپنے پاس آیا دے دیا راہِ خدا
نرم دل اور نرم خو حُسنِ تحمل کی مثال
پاک دل اور پاکباز اور سربسر مہر و وفا
آپ کی سیرت سراسر شمعِ ایمانی ہو جب
تذکرہ ہوتا رہے پھر کیوں نہ ہر دم آپ کا
ہے مقامِ "سرف" پر تربتِ منورِ آپ کی
آپ کے تذکار سے ضوِ بار ہے کلکِ رضا

اُمّ المؤمنین

حضرت میمونہ بنت حارثؓ

اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہؓ نہایت مٹتی پرہیز گار دانا اور گھریلو نظام کے تقاضوں سے بہرہ ور خاتون تھیں۔ آپ کے اندر صلہ رحمی کا جذبہ موجزن تھا۔ آپ کا اصل نام ”بہدہ“ ہے جب حضور ﷺ کے عقد میں آئیں تو حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ آپ اعلانِ نبوت سے سترہ برس قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ اُمّ المؤمنین والد کی طرف سے جناب معمرؓ پر حضور ﷺ کے نسب سے جالمتی ہیں۔ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔ اُمّ المؤمنین کی آٹھ بہنیں تھیں۔ یہ تمام بہنیں بڑے بڑے گھرانوں میں بیاعی گئی تھیں اور ان کی اولادوں میں نامور لوگ پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے کفار کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر حضرت میمونہ کا نکاح جناب رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا تو بڑے بڑے قبائل بانی اسلام کے حلیف بن جائیں گے اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ آپ کی والدہ ہند بنت عوف کے دامادوں میں حضرت صدیق اکبرؓ سیدہ حمزہؓ سیدہ اشہدہؓ حضرت جعفر طیارؓ حضرت علی المرتضیٰؓ سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور شہداء بن الہادی جیسی شخصیات شامل تھیں۔

پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا، انہوں نے کسی وجہ سے طلاق دے دی، پھر ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ۷ ہجری میں ابورہم نے وفات پائی اور سیدہ میمونہؓ یتیم ہو گئیں۔

اسی سال رسول اکرم ﷺ عمرہ ادا کرنے میں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو سیدہ میمونہؓ کے بہنوئی نے کہا کہ آپ ﷺ میمونہ سے نکاح فرمائیں۔ چنانچہ



آپ ﷺ نے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کر دیا۔ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے بعد حدودِ حرم ہی میں رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ احرام اتار چکے تھے۔ پانچ سو درہم آپ کا مہر مقرر ہوا۔ جب آپ ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے تو سرف کے مقام پر جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے دس میل پر واقع ہے قیام فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سرف پہنچے۔ یہیں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں آنحضرت ﷺ نے اُن سے ملاقات کی یہیں رسمِ عروسی ادا ہوئی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے نکاح فرمایا اور ۱۰ھ میں نبی کریم ﷺ نے دُنیا ئے فانی کو چھوڑ کر مُلّاِ اعلیٰ کا سفر فرمایا۔ اس حساب سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں تین سال رہیں۔ آپ کی خدمت میں رہ کر دوسری بیویوں کی طرح دین کی معلّومات حاصل کیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اُن کے بھانجے ہیں ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ماہواری کے دنوں میں اپنی بیوی سے علیحدہ بستر کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز کرتے ہیں کہ اس کے پاس لیٹتے تک نہیں ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بائدی بھیجی اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے تمہیں کیوں اعراض ہے۔ آپ اس زمانے میں بھی ہمارے بستروں پر لیٹتے تھے۔ (ایام ماہواری میں میاں بیوی کا آپس میں ایک ساتھ لیٹنا بیٹھنا منع نہیں البتہ اس سے آگے نہ بڑھیں)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نہایت خُدا ترس اور شُکری تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

”میمونہ رضی اللہ عنہا ہم سب سے زیادہ خُدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔“

مدینہ میں ایک دفعہ ایک عورت سخت بیمار ہوئی۔ اُس نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شفا دی اور اُس نے اپنی منت پوری کرنے کیلئے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے رخصت ہونے آئی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اسے سمجھایا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم بیت المقدس جانے کی بجائے مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔ ثواب بھی زیادہ ہوگا اور منت بھی پوری ہو جائے گی کہ مسجد نبوی اللہ کو بیت المقدس سے زیادہ محبوب ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸، ص ۹۲)

ایک دفعہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ایک قریبی رشتہ دار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ وہ سخت غضب ناک ہوئیں اور اسے سختی سے جھڑک کر کہا ”آئندہ کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھنا۔“

ایک دفعہ انہوں نے ایک لونڈی کو راولہ خدا میں آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خدا تم کو جزا دے۔“

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بہت فقیر اور فیاض تھیں اس لئے وقتاً فوقتاً قرض لینے کی نوبت آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ بہت زیادہ رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا ”اُمّ المؤمنین اتنی زیادہ رقم کی واپسی کی کیا صورت ہوگی۔“

فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔“

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔ اُن کے راویوں میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن شداد وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا آپ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس رشتہ سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بھانجے ہوئے۔

آپ کا نام میمونہ حضور ﷺ نے رکھا تھا یعنی برکت والی رحمت و عطا والی۔ ان کے بعد حضور ﷺ نے کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔ مدینہ منورہ بھی سیدہ کا قیام رہا سیدہ میمونہ نے حضور ﷺ پر سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ نکاح کے پیغام کے وقت اُونٹ پر سوار تھیں اُونٹ اور جو کچھ اُونٹ پر تھا راہِ خدا میں پیش کر دیا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے خود کو حضور ﷺ کیلئے ہبہ کر لیا تو آیت مبارکہ نازل ہوئی

”اور مومن عورت اگر وہ جان نبی کی نذر کر دے اور اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے تو اسے اجازت ہے اور یہ اجازت صرف آپ کیلئے خاص ہے۔ دوسرے مومنوں کیلئے نہیں۔“ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب، آیت ۵۰)

تمام زندگی آپ کا یہی معمول رہا کہ کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہ بھیجا۔ ہر سوالی آپ کے ہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر گیا۔ آپ زیادہ سے زیادہ خیرات کرنے کا جذبہ رکھتی تھیں۔ ۵۱ ہجری میں سرف ہی میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ آپ سرف ہی میں دفن ہوئیں جہاں آپ کی رسم عروسی ہوئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احباب سے فرمایا ”جنازہ آداب سے آہستہ

اٹھائے یا تمہارے مومنین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے آپ کو اتنی محبت تھی کہ ذرا بھی آپ ﷺ کو پریشان دیکھتے تو خود غم زدہ اور پریشان ہو جاتے۔

ایک دن جب رسول اللہ ﷺ صبح کو اٹھے تو خاموش خاموش تھے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج صبح سے آپ ﷺ کچھ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات جبریل نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ آئے نہیں۔ بچانے کی بات ہے۔ اللہ کی قسم انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ یکا یک آپ ﷺ کو کتے کے بچہ کا خیال آ گیا جو چلک کے نیچے آ کر بیٹھ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو فوراً نکلوا دیا اسے نکالتے ہی فوراً حضرت جبریل امین تشریف لے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔

آپ ﷺ کے معنوں میں حراج شمس رسول ﷺ تھیں۔ آپ کے انداز کو دیکھ کر بھانپ لیتی کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس روایت سے بھی ہوتا ہے۔

سفر حج میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں۔ لوگوں کو نو ذی الحجہ کو شک ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا روزہ ہے یا نہیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک پیالہ دودھ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیج دیا جسے آپ ﷺ نے پی لیا۔ سب لوگوں نے دیکھ لیا اور اس ترکیب سے پتہ چلا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا روزہ نہیں ہے۔

حضرت یزید بن الاسم فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہر وقت نماز پڑھتی رہتی تھیں یا گھر کا کام انجام دینے میں اُن کا وقت گزرتا تھا۔ ان دونوں مشغلوں سے فرصت ملتی تو مسواک فرماتیں۔ آپ کی وفات کے حوالے سے مجمع الزوائد میں ہے کہ حضرت اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں۔ وہاں کچھ طبیعت بھاری ہوئی

اور علالت محسوس فرمائی۔ فرمایا: مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مجھے مکہ میں موت نہ آئے گی مجھے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ چنانچہ ان کو مقامِ سرف میں لایا گیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ (ایک روایت میں ہے کہ جس طرح سب سے آخر میں ان سے نکاح ہوا تھا اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج میں ان کی وفات بھی سب سے آخر میں ہوئی)

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا امر و نواہی کے معاملہ میں بے حد سخت تھیں جب کسی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ لیتیں تو سخت جھاڑ پلاتیں نہ اس ضمن میں کسی قسم کی کوئی مصلحت روانہ رکھتیں۔

یہ اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تقدیر نے عجیب اتفاق رکھا کہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ شادی بھی سرف کے مقام پر ہوئی جو مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے اور وصال بھی اُسی جگہ ہوا۔ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم ﷺ پر کس قدر ایمانِ کامل تھا کہ مرض الموت کے وقت فرمایا کہ چونکہ حضور ﷺ فرما چکے ہیں کہ مجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی اس لئے مجھے مکہ سے لے چلو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے دوسری ازواج کی طرح سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی رہائش کیلئے علیحدہ مکان عطا فرمایا جو مسجد نبوی سے ملکِ شام کی سمت واقع تھا۔ گزراوقات کیلئے بطورِ نان و نفقہ خیبر کی کھجوروں سے ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر فرمائے۔ ان اجناس کے خرچ کے معاملہ میں وہ خود مختار اور آزاد تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ اپنی باری کا انتظار کرتیں اُس دن خاص اہتمام فرماتیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد دُنیا ان کیلئے اعمیر ہو گئی۔ لباس کا تمام اہتمام جاتا رہا۔ اُن کے تربیت یافتہ حضرت عبداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں کہ

حلال و حرام
 سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا لباس اکثر ایک دوپٹے اور ایک لمبی سے قمیص پر مشتمل ہوتا تھا۔ لباس
 اتنا لمبا تھا کہ چہرہ اقدس کے سوا سارے جسم کو وہ ڈھانپ لیتا تھا اور اسی لباس میں وہ نماز
 بھی پڑھ لیتی تھیں۔ مختلف تذکروں سے واضح ہوتا ہے کہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا
 اُن کی نگاہوں کے سامنے چھ تھی۔ آپ اپنی گفتار اور عمل سے اُمتِ مسلمہ کی خواتین کی
 تربیت فرماتی تھیں۔ ایک بار آپ نے انار کے چھ دانے زمین پر پڑے دیکھے تو فرمایا
 ”اللہ تعالیٰ بگاڑ کو پسند نہیں کرتا“ بظاہر چھ دانوں کا ضیاع معمولی چیز ہے لیکن اس ضیاع
 سے کئی اخلاقی اور روحانی بیماریاں جنم لے لیتی ہیں جو بالآخر ایسے بگاڑ کی صورت اختیار
 کر لیتی ہیں جو خدائے دو عالم کو کسی طور پسند نہیں ہے۔

اے اُمّ المؤمنین! اے یزید ہستی کے اہل ایمان کی مقدّس ماں! اے انتہائی
 محترم ہستی! آپ پر ہم خاک نشینوں کے لاکھوں سلام ہوں۔





اُم المؤمنین

حضرت ریحانہ بنت شمعون

حضرت ریحانہ روح زندگی جان رسول
 حضرت ریحانہ گلزار عقیدت کا خمیں پھول
 حضرت ریحانہ نور آگئی شانِ حرم
 حضرت ریحانہ پر تھا رب عالم کا کرم
 بہر حب سرور کونین تھی شمع وفا
 پیکر لطف و کرم جان یقین شمع حیا
 آپ کے اسلام لانے سے تھے خوش سرکار دیں
 آپ کے تذکار سے ہے زندگی شمع یقین
 حضرت ریحانہ نور دلکشی جانِ نبی
 حضرت ریحانہ محو حسن فرمانِ نبی
 آپ جس دم شوکت اسلام پر مائل ہوئیں
 اُمہات المؤمنین اس گھڑی شامل ہوئیں
 آپ کے مرقد پر پہنچے اے رضا میرا سلام
 آپ کا اُونچے سے اُونچا ہو زمانے میں مقام

(محمد اکرم رضا)

ام المومنین

حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ام المومنین کا اسم گرامی ریحانہ تھا اور ان کا تعلق اہل یہود کے مشہور قبیلے بنو نضیر سے تھا۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

ریحانہ بنت شمعون بن زید بن حنّاف۔ ان کے والد کو صحابیت سماع حدیث اور احادیث مقدسہ کو روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ کا پہلا نکاح بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے ہوا۔ جب مسلمان نے بنو قریظہ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا تو حکم رسالت مآب کے مطابق وہاں جو یہودی قتل ہوئے ان میں حکم بھی شامل تھا۔

جب ان کے اموال و املاک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور مال غنیمت کے ساتھ بہت سے افراد کو قیدی بنایا گیا تو سیدہ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا بھی ان میں شامل تھیں۔ مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا فیصلہ ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرو تو میں تم کو اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ ریحانہ نے منظور کر لیا پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے بارہ اوقیہ مہر دے کر نکاح کر لیا اور رخصت کر کے حضرت ام المومنین بنت قیس کے گھر ٹھہرایا۔

قبول اسلام:

ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اور اگر چاہیں تو اپنے مذہب یہود پر قائم رہیں۔ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں اپنے مذہب پر رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوا آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول



کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، مگر وہ اپنی بات پر قائم رہیں اس پر رسول اللہ ﷺ کو ان کے رویہ سے رنج ہوا اور آپ ﷺ نے سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ حضور ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے اصحاب کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ ثعلبہ بن شعبہ ہیں جو ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔ حضرت ثعلبہ نے بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر آہستگی سے نبی کریم ﷺ کو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری سنائی۔ حضور ﷺ اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کر لوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

یہ سن ۶ ہجری کی بات ہے کہ قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہرات میں شامل کر لیا، وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی باری کا دن بھی مقرر تھا۔

قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہرات میں شامل کر لیا۔ بہر صورت وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا۔ حضور ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی اور آپ ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے، ان کی مستقل قیام گاہ دارقیس بن فہد میں تھی، حسن صورت کے ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔

آنحضرت ﷺ کو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ ان کا بہت

خیال رکھتے تھے اور ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ ان کی مستقل رہائش اور وارثیں بن قہد میں تھیں۔

حسن صورت کے ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق کی حامل تھیں۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنو قریظہ کی قیدی عورتوں میں سے تھیں اور رسول اللہ نے ان کو اپنے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ اس ضمن میں ملحوظ خاطر رہے کہ جب سالار افواج کسی کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تو وہ کسی اور کیلئے مخصوص نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی اور کی ملکیت ہو سکتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو و کرم اور شانِ عطاوت دیکھئے کہ اپنے لئے مخصوص کرنے کے باوجود انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہے تو ہماری ملکیت میں رہے اور چاہے تو اپنے قبیلہ میں واپس چلی جائے۔ ملکیت کو مالک پر کوئی اختیار نہیں دیتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت فرمادی کہ چاہو تو مجھ سے نکاح کر لو تمہیں ہر قسم کی عزت و توقیر ملے گی۔ اگر پسند نہ کرو تو اہل قبیلہ اور اہل خاندان کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا نے دوسری صورت کو قبول کیا۔

معتبر روایت کے مطابق جب سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے مخصوص فرمایا جب آپ ان کے پاس گئے تو انہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لئے مخصوص کر لوں گا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ یہ پانچ صدی کے آخر کا واقعہ ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا حق مہر (قبولیت اسلام) اور قبولیت زوجیت کے بعد بارہ اوقیہ سونا مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق بارہ اوقیہ چاندی اور عمدہ قسم کی خوشبوؤں کا حق مہر فرمایا۔ رخصی کے بعد حضرت ام المہاجر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہرائی گئیں۔ دوسری ازواجِ مطہرات کی طرح ان کی بارہ کا دن بھی مقرر ہوا اور ان کو



بھی پردہ کروا گیا۔

بہر حال اگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا ہو اور اگر بطور لونڈی اپنی ملک میں رکھا ہو تو بھی ان کی باری کا دن مقرر تھا اور دیگر ازواج مطہرات کی طرح ان کیلئے بھی پردہ کا حکم تھا۔ رسول کریم ﷺ کا ہے بگا ہے وہاں قیلولہ اور ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے رہے۔

رسول کریم ﷺ کو بھی ان سے بڑی محبت اور آپ کی ہر فرمائش پوری کیا کرتی تھی۔ آپ نہایت حسین و جمیل تھیں جب دامان رسول کے ساتھ وابستہ ہوئیں تو دنیا بھر کے لذائذ سے رشتہ توڑ لیا اور خود کو فقط رضائے مصطفیٰ ﷺ کیلئے وقف کر دیا۔

حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا نے قبولیت اسلام اسلام کے بعد ایک مثالی زندگی گزری۔ آپ کا کبھی کسی ام المومنین سے نزاع نہ ہوا۔ آپ نہایت حسین و جمیل اور خوبصورتی کے تمام لوازم سے آراستہ تھیں۔ مگر آپ نے اپنے سے بڑی اور انتہائی محترم امہات المومنین کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ امہات المومنین کے ہر حکم کو دل و جان سے بجا لائیں۔ آپ نے آقا و مولا ﷺ کی اس طور اطاعت کرتی تھیں کہ سلطان دو عالم بے حد سرور ہوتے اور ان کو دعاؤں اور جذبات خیر سے نوازتے۔ آپ کو بجا طور پر یہ احساس تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ میرے شوہر محترم ہی نہیں ہیں بلکہ دو عالم کے آقا و مولا اور شفیع المذنبین ہیں اور آپ کے احکامات کی اطاعت کر کے ہی دنیا اور آخرت سرخروئی کی خلعت جاودانہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئیں تو جملہ امہات المومنین کے آپ کے متعلق جذبات انتہائی کریمانہ اور مخلصانہ تھے۔

آپ نے سلطان دو عالم ﷺ کے وصال انور سے چند ماہ پہلے اور ایک روایت کے مطابق دس ماہ قبل وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

اُمّ المؤمنین

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

دینِ نبی کی شوکت و عظمت تھیں ماریہؓ
 دُنیا و دین میں باعثِ رحمت تھیں ماریہؓ
 اُن پر خُدائے پاک کے انوار بے شمار
 سرکارِ دین کے قلب کی راحت تھیں ماریہؓ
 محبوبِ دو جہاں کے وہ لختِ جگر کی ماں
 نورِ حیات و زینتِ فطرت تھیں ماریہؓ
 اُن کے وجودِ پاک پر الٰہی نظر کو ناز
 زوجِ رسولؐ ، مادرِ اُمت تھیں ماریہؓ
 اُن کی تھی وقفِ زندگی سرکارِ کیلئے
 حرمِ رسولِ پاک کی زینت تھیں ماریہؓ
 خود عائشہؓ کو آپ کی سیرت پہ رشک تھا
 نورِ یقین شمعِ ہدایت تھیں ماریہؓ
 اُن کا ہے نام اے رضا اعزازِ زندگی
 اُمت کا فخرِ رُوحِ عبادت تھیں ماریہؓ
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اُم المؤمنین

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

اُم المؤمنین سیدہ ماریہ قبطیہ تاریخ اسلام میں نہایت بلند مقام رکھتی ہیں۔ انہیں عزیز مصر مقوقس نے نبی کریم ﷺ کی دعوت اسلام اور اطاعت کے جواب میں بھیجا تھا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر دو خوبصورت اور سلیقہ مند لڑکیاں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں ارسال کر دیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو تو اپنے لئے وقف فرمالیا جبکہ ان کے ساتھ آنے والے دوسری لڑکی سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔

حضور ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی غیر معمولی پذیرائی کی۔ آپ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو بالا خانے میں ٹھہرایا جس کا نام بعد میں مشربہ اُم ابراہیم بن گیا۔ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کیلئے پردے کا حکم جاری فرمایا۔ پردے کا مطلب ازواجِ نبوی ﷺ میں شامل ہونا تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہی نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنم دیا۔ حضرت ابراہیم کی ولادت ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔ ان کی پیدائش کی خوشی میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے دو مینڈے ذبح کرائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سلطانِ دو عالم ﷺ کی آخری اولاد ثابت ہوئے۔ آپ نے ابورافع کو ایک غلام انعام کے ایک طور پر عطا فرمایا۔

حضور ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ انہیں گود میں لے کر کھلاتے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نے وفات کی اور وہ ہجرت کے دسویں سال فوت ہو گئے جب ان کی عمر بمشکل ۱۸ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کی وفات

کوشدّت سے محسوس کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اُدھر حضرت ماریہ قبطیہ ؓ کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی تھریاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کو رونا دیکھ کر صحابہ حیران ہوئے کہ

”یا رسول اللہ! آپ کی آنکھوں میں آنسو؟“

آپ نے فرمایا ”آنسو خدا کا رحم ہیں جو اللہ اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔“
پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اشکوں کے گہرہائے گراں مایہ
نچھاور کرتے ہوئے فرمایا:

”بخدا ابراہیم! ہم تمہاری موت سے نہایت غمگین ہیں۔ آنکھ رو رہی ہے دل غمزدہ
ہے مگر ہم کوئی ایسی بات زبان سے نہیں کہیں گے جس سے ہمارا خدا ہم سے راضی نہ ہو۔“
اس ضمن میں یاد رہے کہ حضور ﷺ کی جانب سے عزیز مصر مقوقس کے
پاس قبولیت اسلام کا دعوت نامہ لے کر حضرت حاطب ابن بلتعہ ؓ گئے جن کی عزیز
مصر نے بہت مکریم کی جب حضرت حاطب ؓ دونوں لڑکیوں کو لے کر مدینہ منورہ کی
جانب آئے تو راستے میں تعلیمات اسلامی کی تبلیغ بھی کرتے گئے۔ اور ابھی مدینہ بہت
دور تھا کہ حضرت حاطب ؓ کی تبلیغ سے حضرت ماریہ قبطیہ ؓ اور حضرت سیرین
ؓ مسلمان ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقام پر حضرت حاطب ؓ کے تبلیغی اور
اسلامی جذبہ کی بہت تعریف کی تھی۔

اصحابِ سیر کا بیان ہے کہ سلطانِ دو عالم ﷺ حضرت ماریہ قبطیہ ؓ سے
ویسای سلوک کرتے جیسا دوسری ائمہاتِ المؤمنین رضی اللہ عنہن سے کرتے تھے۔ انہیں
بھی پردہ میں رہنے کا حکم جاری فرمایا جس سے ان کا اعزاز الی مدینہ اور جملہ ائمہاتِ
المؤمنین کی نگاہوں میں بڑھ گیا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:

قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ بہترین سلوک روار کھواس لئے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیم کی والدہ (سیدہ ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا) کا تعلق اسی قوم سے ہے اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔

امہات المؤمنین بھی حضرت ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ان کے والد کا نام شمعون تھا۔ اور عزیز مصر نے دونوں لڑکیوں کو سرکار والا تبار رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے رقعہ میں لکھا تھا:

”میں دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑی عزت و وقار کی حامل ہیں۔“

حضرت ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا اور فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر وہ مشہور واقعہ یاد آتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام مصر کے شامی خاندان کی فرو تھیں۔ اس قدیم تاریخی تعلق کو شاہ مقوقس نے سیدہ ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا اور سیدہ سیرین رحمۃ اللہ علیہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے آگے بڑھایا۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا اُمّہات المؤمنین ازواج مطہرات میں شامل ہو کر اس عظیم ترین اعزاز کی حق دار ٹھہریں جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔

حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا سے بھی خصوصی تعلق خاطر روا رکھتے۔ ان کیلئے بھی پردہ کا حکم تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّہات المؤمنین کو قبطیوں سے محبت کرنے اور ایثار و خلوص سے پیش آنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

رب العالمین نے سیدہ ماریہ قبطیہ رحمۃ اللہ علیہا کو حسن سیرت اور حسن صورت دونوں

جلد اول
سے نواذر رکھا تھا۔ اخلاق ایسا کریمانہ تھا کہ بہت جلد اُمہات المؤمنین میں گل مل گئیں۔
اُمہ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”بختار شک مجھے ماریہ پر آتا ہے تاکہ کسی اور پر نہیں آتا“

سیدہ ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہا نہایت نیک سیرت پاک دل پاکیزہ فطرت اور پاکہار
فہمیں۔ حضور ﷺ آپ کو بھی دوسری اُمہات المؤمنین کے برابر حصہ عطا فرماتے۔ وصال
ﷺ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا دور آیا تو
انہوں نے بھی ان کا اعزاز و وقار اور حصہ قرار دیا اور آپ کے احترام میں کسی قسم کی کمی
کھانے دی۔

حضور نبی کریم ﷺ ہر روز حضرت ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے
جاتے تھے۔ وہیں قیلولہ فرماتے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی
خدمت میں لایا جاتا تھا۔ آپ اس کی موصو مانہ اداؤں سے بہت سرور اور شاداب
ہوتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انتقال فرما گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ابراہیم کو دودھ پلانے والی ایک دایہ جنت میں ہے جو اس کی شیر خوارگی کی بقیہ
جنت پھدی کرے گی۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غسل
دیا اور ایک چھوٹے سے تختے پر اٹھا کر جنت البقیع کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ساتھ
تھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی بڑی جماعت تھی۔ نماز جنازہ حضور ﷺ نے خود
پڑھائی پھر آپ سے دریافت کیا گیا:

”یا رسول اللہ! ان کو کہاں دفن کریں“

ارشاد فرمایا:

”ہمارے سلف حسان بن مطعون کے پاس“



وہ ہستی تھی جو سب سے پہلے جمع میں دفن ہوئی۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق کھودی گئی تو حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ جب تدفین سے فراغت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے قبر کی درزوں اور کھانوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر کی مٹی ہموار کی اور فرمایا:

”پانی لاؤ۔“

چنانچہ ایک انصاری پانی کی مٹک لے کر آیا جس کو حضور ﷺ نے خود قبر پر چھڑکا اور قبر کی شناخت کے لئے وہاں کوئی چیز نصب کر دی۔

حضرت ابن جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت کھول رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

”اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا۔ (یعنی قبیلہ قوم کے تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طفیل آزاد ہو جاتے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کے صلے میں حضور ﷺ نے آپ کی دایہ اُم بردہ رضی اللہ عنہا کو ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

سوئے شفاق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے روز سورج گرہن لگ گیا جس کو منجوس سمجھتے ہوئے بعض اصحاب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے غیر معمولی صدمہ سے منسوب کیا۔ خبر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی صحابہ کو اکٹھا کیا اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

”اے اصحاب! سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو رب العالمین کی ہیبت اور جلالت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہ اہل بصیرت کیلئے تعجب کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں دونوں کی چمک دمک سلب کر کے تاریک کر دیتا ہے۔“

خلافتِ مسلم
 اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں کے نورِ ایمان کو سلب کر کے انہیں تاریک کر دے۔ جب
 دیکھو کہ چاند اور سورج کی نورانیت سلب ہو گئی ہے تو اللہ کو یاد کرو غلاموں کو آزاد کرو اور
 صدقہ و خیرات کرو۔

حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ماریہ قہطیہ رضی اللہ عنہا کیلئے دنیا
 اندھیر ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ وقت خدا کی یاد میں بسر کرتیں۔ نوافل کثرت سے
 پڑھتیں اور عبادات کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔ جب آپ کا آخری وقت
 آیا تو آپ کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبدالرحمن بن حسان کو لے کر آئیں۔ آپ
 اس معصوم سے لونہال حضرت عبدالرحمن بن حسان سے بہت پیار کرتی تھیں۔ آپ کا
 دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ محبوب دو عالم ﷺ ہوقات پا چکے تھے۔ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام جدا ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ اپنے دل پر رنج و الم کے پہاڑ لئے جیتی
 رہیں حتیٰ کہ وقت وصال آ پہنچا۔ آپ کی عمر مبارک صرف ۲۹ سال تھی جب آپ ابدی
 سفر کی جانب روانہ ہو گئیں۔

حضرت ماریہ قہطیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محرم ۱۶
 ہجری میں انتقال فرمایا۔ امیر المومنین نے تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور خود نماز جنازہ
 پڑھائی۔ پھر آپ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔



حضرت زینبؓ بنت محمد رسول اللہ ﷺ

نئی پاک کا نورِ نظر تھیں سیدہ زینبؓ
 زمانے کے لئے بادِ سحر تھیں سیدہ زینبؓ
 کئے برداشتِ باطل کے مظالمِ حبِ احمدؐ میں
 زمانے کے لئے جانِ اثر تھیں سیدہ زینبؓ
 ہر اک ان کی ادا تھی بہرِ حبِ سرورِ بطحا
 نئی پاک کا حُسنِ نظر تھیں سیدہ زینبؓ
 زمانے کو عطا ہوتی ہے جس سے شانِ اسلامی
 گلستانِ ضیا کا وہ ثمر تھیں سیدہ زینبؓ
 اندھیرے جگمگا اُٹھتے ہیں جس کے فیضِ عالی سے
 چہرِ دین پر مثلِ قمر تھیں سیدہ زینبؓ
 ابوالعاصؓ ان پہ شیدا آپ بھی ان پر تصدق تھیں
 وفا و مہر و شفقت کا نگر تھیں سیدہ زینبؓ
 رضا تھی عمرِ تھوڑی موت کا جو نبی پیام آیا
 خدا کے وصل کو محوِ سفر تھیں سیدہ زینبؓ
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)



حضرت زینبؓ بنت محمد رسول اللہ ﷺ

جو شخصیات تاریخ کا اعزاز و شہرتی ہیں ان میں سیدہ زینبؓ بھی شامل ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضور ﷺ کی اولین صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ تاریخ اسلام کی عظیم محسنہ حضور ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ تھیں۔ سیدہ زینبؓ نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے دس برس قبل دنیا میں تشریف لائیں جبکہ آقائے عالی مرتبت ﷺ اس وقت تیس برس کے تھے۔

آپ کا اسم گرامی زینبؓ بنت محمد ﷺ تھا۔ آپ کی شادی کم سنی میں ہی آپ کے خالہ زاد (سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ کے بھانجے) ابوالعاص سے ہو گئی۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب آپ کے والد محترم حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ بھی اپنی امی جان سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ کے ہمراہ بلا تاخیر ایمان لانے والوں میں تھیں۔

حضور ﷺ کا اعلان نبوت کفار پر بجلی بن کر گرا۔ یکبارگی سارا مکہ دشمن ہو گیا۔ اوروں کو چھوڑیے آپ کا سگا چچا ابولہب آپ کی دشمنی میں آگے آگے نظر آنے لگا۔ حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے نکاح ابولہب کے بیٹوں سے ہوئے تھے ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ابولہب نے اپنے بد باطن اور بزدلانہ بیٹوں کو سختی سے حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کے گھر جاؤ۔ اُن کی توہین کرو اور اُن کی بیٹیوں کو طلاق دے آؤ۔ ان دونوں نے اپنے باپ کو راضی کرنے کیلئے ایسا ہی کیا بلکہ خرافات بھی بکتے رہے۔ اسی دوران میں حضرت ابوالعاص کو اُن کے رشتہ داروں اور اہل مکہ نے بہت مجبور کیا کہ تم بھی محمد ﷺ کی بیٹی زینب کو طلاق دے دو۔



حضرت ابوالعاصؓ سیدہ زینبؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر سیدہ زینبؓ سے علیحدگی نہیں کروں گا۔ تذکرہ نگاروں کے بقول حضور ﷺ نے حضرت ابوالعاصؓ کے اس طرزِ عمل کو ہمیشہ سراہتے اور تعریف کرتے۔ حضرت ابوالعاصؓ نہایت شریف النفس، پاکیزہ، دیانتدار، بہادر اور مہذب انسان تھے مگر ان تمام خوبیوں کے باوجود انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر بھی سیدہ زینبؓ سے انتہائی محبت کی بناء پر حضور ﷺ انہیں خصوصی التفات سے نوازتے رہے۔ جب کفار کے ظلم و ستم حد سے بڑھے تو حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے جبکہ سیدہ زینبؓ مکہ مکرمہ ہی میں اپنے سُسرال میں تھیں۔ ۲ ہجری میں قریش مکہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ لشکرِ کفار میں ابوالعاصؓ بھی شامل تھے۔ بدر کے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا اور حق غالب رہا۔ حملہ آوروں کے بہت سے آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان میں ابوالعاصؓ بھی تھے۔ انہیں ایک انصاری حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اسیر کیا۔ اہل مکہ نے جب یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کیلئے زرفد یہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے بھی مکہ سے اپنے دیور عمر بن ربیع کے ہاتھ یعنی عقیق کا ایک ہار اپنے شوہر کی رہائی کیلئے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت جہیز میں دیا تھا۔ جب سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں یہ ہار پیش کیا گیا تو حضور ﷺ بہت مغموم ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کیونکہ اس ہار سے خاتونِ اسلام حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی یاد وابستہ تھی۔

حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا ”اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار

خلافتِ نبویہ ص ۱۸۱
 ننب کو واپس بھیج دئیے اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاص کا فہم یہ صرف یہ ہے کہ وہ مکہ
 جا کر حضرت ننب ﷺ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔

تمام صحابہ کرام نے ارشادِ نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ حضرت ابوالعاص
 نے بھی یہ شرط قبول کر لی اور رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت
 زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ لطن یا حج کے مقام پر ٹھہر کر انتظار کریں حضرت
 ابوالعاص نے حضرت ننب ﷺ کو مکہ سے روانہ کر دیا۔ اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کو بھی
 ساتھ بھیجا۔ کفارِ مکہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ سرورِ کائنات ﷺ کی بیٹی مدینہ جا رہی ہے تو انہوں
 نے کنانہ بن ربیع اور حضرت ننب ﷺ کا تعاقب کیا اور مقام ”ذی طوی“ میں انہیں جا
 گھیرا۔ حضرت ننب ﷺ اونٹ پر سوار تھیں۔ کفار نے حضرت ننب ﷺ کو اپنے
 نیزہ سے زمین پر گرا دیا۔ اونٹ کا منہ پھیرنے کیلئے اپنا نیزہ گھمایا اور حضرت ننب ﷺ
 گر پڑیں۔ وہ حاملہ تھیں سخت چوٹ آئی، حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ بن ربیع غضبناک ہو
 گئے۔ اپنے تیر نکالے انہیں ترکش پر چڑھا کر لاکارا کہ خردار اب تم میں سے کوئی آگے
 بڑھا تو اسے چھلنی کر ڈالوں گا“ کفارِ مکہ گئے۔

ابوسفیان بھی ان میں شامل تھے۔ انہوں نے کہا: بیٹھے! اپنے تیر روک لو میں تم
 سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ کنانہ نے تیر روک لیا اور پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟
 ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا: محمد (ﷺ) کے ہاتھوں ہمیں جس رسوائی اور ذلت کا
 سامنا کرنا پڑا ہے تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ اگر تم اس کی بیٹی کو اس طرح کھلم کھلا ہمارے
 سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی شرم ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت ننب (ﷺ)
 کے ہمراہ مکہ واپس لوٹ چلو اور پھر کسی وقت خفیہ طور پر ننب کو لے جانا۔ کنانہ نے یہ
 بات مان لی اور حضرت ننب ﷺ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد وہ رات کے



وقت چپکے سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر لطن یا جج پہنچے اور انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے سپرد کر کے مکہ واپس چلے گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

حضرت ابوالعاص کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے چلے جانے کے بعد وہ بہت بے چین رہنے لگے۔ ایک دفعہ جب وہ شام کی طرف سفر کر رہے تھے تو بڑے درد آواز میں دو شعر پڑھ رہے تھے:

ذکرت زینب لما ودکت ارمی

فقلت سقیا لشخص یسکن الحرما

بنت الامون جزاها اللہ صالحہ

وکل بعل بشی ما الذی علما

ترجمہ: جب میں ارم کے مقام سے گزرا تو زینب رضی اللہ عنہا کو یاد کیا اور کہا کہ خدا اس شخص کو شاداب رکھے جو حرم میں مقیم ہے۔ امین کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے اور ہر خاوند اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہی اَفْضَلُ بَنَاتِیْ اَصِیْبَةُ فِیَّ

یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے میرے لئے اسے مصیبت پہنچی۔

ابوالعاص کو سیدہ سے بہت محبت تھی ان کی مدح میں اشعار کہے:

”زینب رضی اللہ عنہا تو امین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی صالحہ ہے مجھے اس کے اوصاف معلوم

ہیں۔“ (مفہوم)

۶۔ میں بغرض تجارت شام گئے تھے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کے

ہر اسی مسلمانوں (جو اسلام لانے کے جرم میں قریش کی قید میں رہ چکے تھے) اور اب شام میں تھے۔ ابوالعاص (ؓ) کا سامان ضبط کر لیا (پورے قافلہ کا) مگر ابوالعاص (ؓ) کو گرفتار نہ کیا۔

ابوالعاص (ؓ) نے قریش مکہ کی بات نہیں مانی تھی۔ پہلے ان کے اصرار پر انہیں طلاق نہیں دی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علیحدگی کا حکم آ گیا تو بھی انہوں نے نئی کریم ﷺ کے حکم کی بھرپور تعمیل اور کوشش کی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہ پہنچ جائیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قریش مکہ اب بھی ابوالعاص کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ وہ مکہ کے سب سے زیادہ ہر دوسرے شخص تھے قریش ان کے پاس امانتیں رکھواتے یہ وقت پر وہ امانتیں واپس کر دیتے۔ آپ بہت اچھے اور کامیاب تاجر تھے۔ جب آپ تجارتی قافلہ لے کر کہیں جاتے تو قریش مکہ اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیتے۔ جب آپ واپس آتے تو نہایت خلوص اور دیانتداری سے ان میں منافع تقسیم کرتے۔ اس لئے قریش مکہ کی نگاہوں میں حضرت ابوالعاص (ؓ) سے بڑھ کر دیانتدار اور صاحبِ صدق و صفا اور کوئی شخص نہیں تھا۔

۶۔ میں ابوالعاص (ؓ) ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام جا رہے تھے کہ عیسٰی کے مقام پر مجاہدین اسلام نے قریش کے قافلہ پر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت ابوالعاص (ؓ) بھاگ کر مدینہ چلے گئے اور دوسرے مشرکین کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابوالعاص (ؓ) نے مدینہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ لی۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سفارش کی کہ ابوالعاص (ؓ) کا مال انہیں واپس کر دیا جائے۔ چونکہ ابوالعاص (ؓ) نے مکہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اس لئے حضور ﷺ ان کا لحاظ کرتے تھے۔ صحابہ کرام سے فرمایا:



اگر تم ابو العاص (رضی اللہ عنہ) کا مال واپس کر دو گے تو میں ممنون احسان ہوں گا۔
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو ہر وقت خوشنودی رسول ﷺ مطلوب تھی۔ فوراً تمام مال
 و اسباب حضرت ابو العاص (رضی اللہ عنہ) کو واپس کر دیا۔ وہ تمام مال و متاع لے کر مکہ پہنچے اور
 تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں پھر اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا:

”اے اہل قریش! اب میرے ذمہ کسی کی کوئی امانت تو نہیں ہے۔“

تمام اہل مکہ نے یک زبان ہو کر کہا: ”بالکل نہیں، خدا تمہیں جزائے خیر دے
 تم ایک نیک نہاد اور با وفا شخص ہو۔“

حضرت ابو العاص (رضی اللہ عنہ) نے کہا ”تو سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، خدا کی
 قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف ایسا امر مانع تھا کہ تم لوگ مجھے خائن نہ سمجھو۔“
 یہ کہہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف
 لے آئے۔ یہ محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔

چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ میں شرک کی وجہ سے
 تفریق ہو گئی تھی۔ اس لئے جب ابو العاص (رضی اللہ عنہ) مشرف بہ اسلام ہو کر مدینہ پہنچے تو
 حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت
 ابو العاص رضی اللہ عنہ کے گھر بھجوا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ ۸ ہجری میں
 آپ نے وفات پائی۔ اس کا سبب اسقاطِ حمل کی تکلیف تھی جو پہلی دفعہ مکہ سے آتے
 ہوئے ذی طوی کے مقام پر ہوا۔

حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے
 رسول کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق میت کو غسل دیا۔ جب غسل سے فارغ ہوئیں

جلال الدین رحمہ اللہ کو اطلاع دی۔ آپ نے اپنا تہبند حمایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اسے کفن کے اندر پہنا دو۔

نماز جنازہ رسول کریم ﷺ نے خود پڑھائی۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا، حضور ﷺ خود بھی قبر میں اترے۔ صحیح بخاری میں مشہور صحابیہ اُمّ علیہ سے روایت ہے کہ مجھے سیدہ ننب کے غسل میں شرکت کا موقع ملا۔ غسل کا طریقہ خود حضور ﷺ بتاتے جاتے تھے۔ آپ نے اُمّ علیہ سے فرمایا:

”اُمّ علیہ میری بیٹی کو اچھی طرح کفن میں لپیٹنا، اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنانا اور اسے بہترین خوشبوؤں سے مسح کرنا۔ جس دن سیدہ ننب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی حضور ﷺ بہت مغموم تھے اور فرما رہے تھے:

”ننب میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔“

حضرت ننب رضی اللہ عنہا نے ایک صاحبزادے علی اور ایک لڑکی امامہ چھوڑی۔ جب مکہ فتح ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے جنگ یرموک میں شہادت پائی۔

حضرت ننب رضی اللہ عنہا کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی وصال فرما گئے۔ وصال سے پیشتر انہوں نے اپنی لڑکی امامہ کو حضرت زبیر بن العوام (اپنے ماموں زاد بھائی) کی سرپرستی میں دے دیا۔

جیسا کہ ہم ذکر کر رہے ہیں کہ سیدہ ننب رضی اللہ عنہا سے ایک فرزند علی رضی اللہ عنہ اور ایک دختر امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے رضاعت کیلئے چھوڑا ہوا تھا۔ ایام رضاعت کے بعد مدینہ شریف بلوالیا، خود پرورش اور تربیت فرمائی۔ فتح مکہ شریف کے روز بھی علی رضی اللہ عنہ نواسہ رسول حضور ﷺ کے ماتہ



شریف پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ردیف تھے۔ ابھی بلوغت کا آغاز ہوا تھا کہ وصال فرما گئے۔ جب بستر مرگ پر تھے حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا:

”خدا ہی ہے جو واپس لیتا ہے یا عطا کرتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔“ (حدیث مبارکہ)

سرکارِ دو عالم ﷺ کسی خاص امر میں مصروف تھے۔ اس لئے فوراً تشریف نہ لے جاسکے۔ خادم پھر حاضر ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کو قسم دیتی ہیں کہ ضرور تشریف لائیں۔ آپ ﷺ اور سعد بن عباد رضی اللہ عنہ ”معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ چل پڑے بچہ دکھایا گیا وصال ہو چکا تھا۔“

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا:

بنت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا وہ پیاری نواسی جن کو گود میں لے کر حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ امامہ کندھے پر ہوتیں رکوع کے وقت آپ ﷺ زمین پر اتار لیتے پھر اٹھا لیتے۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد)

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ أَهْلِي إِلَيَّ

”اہل بیت میں میری سب سے زیادہ پیاری۔“

ایک بار نجاشی رضی اللہ عنہ نے ایک حلقہ بھیجا۔ جس میں سونے کی انگوٹھی تھی جس کا حکینہ حبشی تھا رسول کریم ﷺ کو وہ انگوٹھی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی۔

ایک بار حضور ﷺ کو کسی نے ہدیہ بھیجا جس میں سنہری ہار تھا۔ تمام اُمہات المؤمنین ﷺ ایک مکان میں جمع تھیں۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا مٹی سے کھیل رہی تھیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا یہ خوبصورت ترین اور عجیب ترین اپنے محبوب ترین اہل کوڈوں کا۔
 اہل المؤمنین ﷺ سمجھیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو طے گا مگر حضور اقدس ﷺ نے امامہ رضی اللہ عنہا
 کے گلے میں ڈال دیا۔

حضور ﷺ کو سیدہ نعبہ سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ یہ اپنی امی کے ساتھ
 سب سے پہلے ایمان لائیں اور اپنے عظیم ترین والد کی راجح اور رضا جوئی میں ساری
 زندگی گزار دی۔ آپ کی وفات کے دکھ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے کیسے برداشت کیا
 اور کن جذبات غم کا اظہار کیا اس کا اندازہ احادیث کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے۔ سیدہ
 نعبہ رضی اللہ عنہا کی یتیم بچی سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بے حد پیار تھا۔ نبی کریم ﷺ کی
 سیدہ نعبہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے غیر معمولی شفقت و راصل اس انتہائی پیاری بچی سے
 پیار کا ایک فکر آفریں انداز تھا۔

سلام اس سیدہ کو سر بسر مہر و وفا ٹھہریں

سلام اس سیدہ کو "حیکر مہر و رضا ٹھہریں



حضرت رقیہؓ بنت محمد رسول اللہ ﷺ

رقیہؓ جانِ احمدؓ جانِ عثمانؓ غنیؓ ٹھہریں
 جہاں کی ظلمتوں میں دینِ حق کی روشنی ٹھہریں
 وہ جن سے یزید ہستی کو قرارِ نور ملا ہے
 گلستانِ حیا و حلم کی وہ تازگی ٹھہریں
 وجودِ پاک اُن کا ہے مثالِ شمعِ نورانی
 خدیجہؓ کا قرارِ اور شوکتِ احمدؓ نئی ٹھہریں
 وہ مکہ ہو یا حبشہ ہو یا پھر شہرِ مدینہ ہو
 وہ خاوند کے لئے پیغامِ امن و آشتی ٹھہریں
 وہ بیٹی تھیں کہ جن پر سرورِ بطحا بھی نازاں تھے
 وہ بیوی تھیں جو شوہر کے لئے حُسنِ جلی ٹھہریں
 وہ بیٹی تھیں مثالی تھیں، وہ بیوی تھی مثالی تھیں
 وقارِ زندگی ٹھہریں، قرارِ بے کلی ٹھہریں
 محبت ہے رقیہؓ سے، محبتِ شاہِ بطحا کی
 رضا، جانِ عقیدت میں بھی، آلِ نبیؐ ٹھہریں

(محمد اکرم رضا)



حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں پر بات کرتے ہوئے ہر گام پر ادب و احتیاط سے دامن تمام کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ یہی مقام اُمّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ کیونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جو تربیت یافتہ نبوت تھیں۔ اُمّہات المؤمنین تو حضور نبی کریم ﷺ کے سانچے میں ڈھل کر یزہم ہستی کے اہل ایمان کیلئے اُسوۂ عمل بن گئیں جبکہ ان کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی صاحبزادیوں نے تو آپ کی آغوشِ رحمت میں تربیت پائی تھی۔ ہوش سنبھالنے پر اپنے آبا جان کے اُسوۂ حسنہ کو نگاہوں کے روبرو دیکھا تھا اور اسی سے عمل کی روشنی حاصل کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کو ربّ کریم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے چار صاحبزادیوں سے نوازا تھا۔

۱۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

۲۔ سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

۴۔ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

ان کے علاوہ خدا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے صاحبزادے بھی عطا کئے لیکن وہ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا نبی محترم ﷺ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت سے سات سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت حضور ﷺ کی عمر تھیں برس کی تھی۔ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت زینب آپ سے تین برس بڑی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی اس صاحبزادی کو بڑی محبت اور شفقت سے پرورش کسا تھا۔



حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا جب یہ ”سورہ تبت یٰ ابا لہب“ نازل ہوئی تو ابولہب غصے اور غیض و غضب میں ہوش کھو بیٹھا اور بیٹے کو حکم دیا کہ ابھی جا کر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی سیدہ رقیہ کو طلاق دے آؤ۔ عتبہ غصے میں مغلوب آیا اور واعی جا ہی جکتے ہوئے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر چلتا بنا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی مگر نبی کریم ﷺ کو ابولہب اور اس کے بیٹے کے اس اقدام سے بے پناہ رنج کا احساس ہوا۔ آخر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا لختِ جگر تھیں، غم کیوں محسوس نہ ہوتا۔

خدا خود بہتر سے بہتر سبب پیدا کرتا ہے۔ چند دنوں بعد ہی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت عثمان ایک امیر، متمول اور خوشحال گھرانے کے فرد تھے۔ صاحبِ خیر و برکت تھے، ہاتھ کھلاتا، خیرات کثرت سے کرنے کے عادی تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان کی صورت اور پاکیزہ سیرت دیکھ کر آپ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی حیثیت سے منتخب کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش بھی یہی تھی جس ہستی عظیم ﷺ کو اپنا بطاء و ماویٰ مان کر اس کے دامانِ رحمت میں پناہ لی ہے اس سے دامادی کا رشتہ عظیم ترین شرف سے کم نہ تھا۔ فریقین کی رضا مندی سے مکہ مکرمہ ہی میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔

مکہ میں کفار نے جب مسلمانوں کو بے حد ستایا تو حضور ﷺ نے انہیں حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ رسول کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی

جہشہ میں قیام کے دوران میں ان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے حضرت رقیہ کے وصال کے بعد انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی۔ آنکھ پر مرغ نے ٹھونک مار دی، زخم ہو گیا اور اسی سے ان کا وصال ہوا۔ اسی دوران میں خبر مشہور ہوئی کہ مسلمانوں اور قریش مکہ میں صلح ہو گئی ہے۔ یہ افواہ سن کر کئی مسلمان مکہ مکرمہ پلٹ آئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ آ گئے مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ صلح نہیں بلکہ محض افواہ تھی۔ اس پر یہ دونوں میاں بیوی پھر جہشہ چلے گئے۔ حضور ﷺ ان کی خیریت کے بارے میں بڑی تشویش محسوس کیا کرتے۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے اطلاع دی کہ میں نے جہشہ میں دونوں کو خیرت سے دیکھا ہے۔ یہ سن کر نبی پاک کی تشویش دور ہوئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئیں۔ غزوہ بدر کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اس لئے حارِ داری کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں نہ جا سکے۔ البتہ حضور ﷺ نے انہیں اصحاب بدر رضی اللہ عنہم میں شامل شمار فرمایا ہے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی خدمت کیلئے مدینہ شریف میں رہے تھے۔ جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ آئے اسی روز حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اکیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا، بتعج شریف میں دفن کی گئیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو آپ مدینہ طیبہ میں حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ۲ ہجری میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو چپک لگی۔ اس وقت رسول کریم ﷺ جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بدر کو روانگی سے دو ہفتہ پہلے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خبر گیری کیلئے مدینہ



منورہ بی میں ٹھہریں۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ انہیں جہاد میں شریک ہونے کا ثواب بھی دے گا اور مالِ غنیمت سے بھی انہیں حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بدر بی میں تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے ۲۱ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ عین اس وقت جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لختِ جگر کی وفات کی اطلاع پا کر بہت مغموم ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مقدس سے آنسو جاری ہو گئے۔ مدینہ واپس تشریف لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ”عثمان بن مظعون جا چکے اب تم بھی ان سے جا ملو“۔ (مہاجرین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون پہلے صحابی تھے جنہوں نے مدینہ منورہ آ کر وفات پائی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عمر! انہیں رونے دو دل اور آنکھ کے رونے میں کوئی حرج نہیں البتہ نوحہ و بین سے بچنا چاہیے“۔

قبرِ رقیہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹھ کر روتی تھیں۔ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پلو سے آپ رضی اللہ عنہا (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ (بدر سے واپسی) پر مدینہ شریف میں یہ مشہور تھا کہ سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اس دل و جان سے عزیز تر خاوند کو دیکھ کر جیتی تھیں مگر موت نے کب کسی کا لحاظ کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دنیا

اندھیر ہو گئی۔ حضور ﷺ حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کو اس مثالی انداز سے زندگی گزارنا دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور انہیں اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے۔ ان میاں بیوی کی محبت اس قدر مثالی تھی کہ اہل مدینہ اس محبت کو مثال کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے حوالے سے یہ مقولہ زبان زد عام ہو گیا تھا۔

أَحْسَنُ الزَّوْجَيْنِ رَأًىمَا الْإِنْسَانُ رَقِيَّةَ زَوْجَهَا عُثْمَانُ

بے شک حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔

جب حضور ﷺ میدان بدر کو روانہ ہوئے تھے۔ حضرت رقیہ کی بیماری دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی غزوہ سے رخصت دے دی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے حضرت رقیہ کی تمارداری کو بدر میں شمولیت کے برابر قرار دے دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی دل و جان سے تمارداری کی تھی۔ ابھی حضور ﷺ تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ آپ نے خود ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے کفن و دفن کے انتظامات کئے۔ مقتدر صحابہ حتیٰ کہ حضور ﷺ موجود نہیں تھے۔ آپ رنج و الم کی تصویر بنے سب کچھ کر رہے تھے۔ جب اسلامی لشکر کا میابی کا مُردہ سُنا تا ہوا مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور تجہیز و تکفین کے تمام مراحل ختم ہو چکے۔ حضور ﷺ فرط غم سے غڑھال ہو گئے۔ اپنی بیماری بڑھنے کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکے۔ کفن و دفن کا انتظام خود نہ کر سکے اور ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھا سکے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپ کی آمد کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بلندی درجات اور مغفرت



کیلئے خصوصی دُعا فرمائی۔ اس موقع پر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوگی اور آپ رنج و اندوہ کے اس طوفان سے کس طرح نبرد آزما ہو رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کے حبیب ہی بہتر جانتے ہیں۔ بہر حال غمگین، غمزہ آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر سارا مدینہ غم کے ماحول میں ڈوب گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت نرم مزاج اور نرم خو تھیں، رحمدل تھیں۔ یہی کیفیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی۔ دونوں ہی محبت و شفقت کا پیکر تھے۔ ہاتھ کے نخی تھے جو ان کے در پر آیا خالی نہ گیا۔

کنز العمال کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ابن عفان سے کر دوں“

بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے یہ کتنی بڑی سعادت تھی کہ حضرت رقیہ سے نکاح کے لئے وحی آرہی ہے۔ ابن عساکر نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے پیالے میں گوشت دے کر مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔ میں ان کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سامنے تشریف رکھتی تھیں۔ میں کبھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کو دیکھتا اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو۔ پھر جب میں واپس آیا تو رسول اقدس ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اندر گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! اس پر حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی اس سے خوبصورت جوڑا دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ۔“

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ میں تھیں تو ان کی پیاری امی جان حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا لیکن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اس انتقال سے بے خبر رہیں لیکن

علاؤ اللہ علیہ السلام ﴿﴾ جب وہ مسلمانوں اور قریش مکہ کی صلح کی افواہ سن کر آئیں تو حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما سے لپٹ کر روتے ہوئے پوچھا کہ میری اُمّی جان کہاں ہیں؟ ابا جان کدھر ہیں؟ حضرت اُمّ کلثوم نے فقط اتنا کہا کہ ابا جان خیمت سے ہیں اور تمہارے ساتھ آنے والے مسلمانوں سے ملنے کیلئے گئے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ بے اختیار ہو کر پوچھا اور میری اُمّی جان! میری اُمّی کہاں ہیں؟ اس پر حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ آنسوئی ساری کہانی سنا گئے حریف کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے ان کے ساتھ اُمّی جان کی آخری آرام گاہ کی طرف چل دیں۔

بعض اصحاب تاریخ کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ ابولہب کے بیٹے کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ بہت مغرور اور تکبر تھا اور اسے ایک لحظہ کیلئے اپنے چچا حضرت عبداللہ کے بیٹے حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سے رشتہ توڑتے ہوئے حیاء نہ آئی۔ اس نے ایک لحظہ کیلئے بھی اپنے باپ ابولہب سے بحث نہ کی۔ ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل سخت بد خو بد لحاظ زبان دراز سنگدل بد اخلاق اور بد مزاج عورت تھی۔ اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ ابولہب کے گھر میں اس عورت کے ساتھ میری لڑکیوں کا گزارا کیسے ہوگا؟ لیکن انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے کیلئے اس بات کا ذکر ان سے نہ کیا۔ حتیٰ کہ ابولہب کے انکار کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان جیسے شریف انفس اور انتہائی پاکیزہ صفت انسان کا رشتہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کیلئے آگیا تو حضور ﷺ کو نہایت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ اس رشتہ کی خبر دی گئی ہے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلی ہجرت حبشہ کی جانب تھی۔ مکہ واپس آئیں تو دوسری ہجرت بھی حبشہ کیلئے تھی۔ تیسری ہجرت حضرت عثمان



کے ساتھ مکہ آ کر مدینہ منورہ کی طرف تھی۔ اگرچہ آپ نے تین بار ہجرت کی لیکن ہجرت الی الحبشہ اور ہجرت الی المدینہ کے اعتبار سے آپ ”ذات الہجرتین“ یعنی دو ہجرتوں والی کہلاتی ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اسلام کیلئے تھی۔ ان دونوں میاں بیوی نے اسلام کی خاطر کئی سفر کئے۔ کفار کے ظلم برداشت کئے۔ ان کی زندگی سکون سے نہ گزر سکی، ورنہ سکون میسر ہوتا اور مکہ مکرمہ ہی میں زندگی بسر ہو جاتی تو انسانی سیرت و کردار کا ایک لازوال نمونہ سامنے آ جاتا۔ بہر حال ان پریشانیوں کے درمیان بھی آپ کی زندگی کے کتنے ہی یادگار پہلو سامنے آتے ہیں۔ آپ حبشہ میں تھیں تو پیاری اُمّی جان حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مکہ میں انتقال ہو گیا۔ ابا جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں تھے۔ آپ نے اپنے عظیم ترین والد گرامی کی غیر حاضری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھیں تو نہایت فرمانبردار صاحبزادی تھیں اور جب حضرت عثمان کے ہاں آئیں تو خود کو مثالی بیوی ثابت کر دکھایا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور ان کی خیریت دریافت کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنے شوہر نامدار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر کو دھو رہی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی اس خدمت کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

اے بیٹی! اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک رکھنا اور حُسن معاملہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ بے شک عثمان میرے اصحاب میں سے اخلاقیات میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔“



جب سیدہ زُقریہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہما غم زدہ ہوئے۔ اسی حالت میں آپ نے حضرت عبداللہ کو گود میں اٹھایا۔ آپ کی چشم مبارک سے آنسو رواں تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اپنے رحیم و شفیق بندوں پر رحم فرماتا ہے۔“ آپ نے خود نماز پڑھائی، تدفین کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں اترے اور تدفین عمل میں آئی۔ اس پیارے نواسے کے وصال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافی عرصہ غمگین رہے۔

اے بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کتنی عظیم تھی کہ ہر مشکل میں صبر و رضا کا پیکر بنی رہیں اور اپنے شوہر نامدار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ مثالی محبت دی اور خدمت گزاری کا وہ معیار قائم کیا کہ اس کے بارے میں سوچ کر انسانیت کا سرفرط عقیدت سے آپ کے حضور جھک جاتا ہے۔





حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد (علیہ السلام)

گلشن ایمان و حکمت کیلئے جان بہار
 حضرت عثمان کے گھر کے لئے حسن وقار
 سرور ذیشان کی نورِ نظرِ کانِ حیا
 جس کے گھر میں تھا نزولِ رحمت پروردگار
 اُس کا اُسوہ تھا شبہ کونین کی عظمت لئے
 اس کا کردار حسین مثلِ قمر تھا تابدار
 وہ شفیق مہربان و نرم خو اور رحمدل
 خانہ عثمان اس کے دم قدم سے تابدار
 اس کے دم سے حضرت عثمان ذوالنورین تھے
 یہ سراپا خیر و برکت لطف رب کردگار
 زینت دُنیا و دیں تھی باغِ جنت کی کلی
 غمزدوں کے واسطے سرمایہ صبر و قرار
 ہیں فزوں تر عظمتیں ان کی رضا کی فکر سے
 ان کے مرقد پر خدا کی رحمتیں لیل و نہار



حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد (رضی اللہ عنہا)

نبی کریم ﷺ کی نسبت پاک سے حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا رتبہ بھی بہت بلند ہے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر مصطفیٰ ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ سیدہ کلثوم کی ولادت باسعادت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ اپنی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ آپ کو سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انسانی اوصاف کا مجسمہ بنا دیا۔ وہ خدیجہ الکبریٰ کے جن کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”وہ بچوں کیلئے بہترین ماں اور گھر کیلئے بہترین منتظم ہیں“۔ سیدہ اُم کلثوم اپنی امی جان کی تربیت کی وجہ سے نہایت خوش بیان اور پاکیزہ طبیعت کی مالک تھیں۔ جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت سیدہ اُم کلثوم کی عمر دو سال کی تھی۔ سیدہ اُم کلثوم نے اپنی دیگر بہنوں اور والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بیعت کی اور ہجرت تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہیں۔

اعلانِ نبوت سے پہلے اس دور کے دستور کے مطابق سیدہ اُم کلثوم کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جب اشاعتِ اسلام کا سلسلہ پھیلا تو ابولہب اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھا اور ہر قسم کی رشتہ داری سے بے نیاز ہو کر کھلم کھلا دشمنی شروع کر دی۔ اس پر رب کریم نے ”سورۃ لہب“ نازل فرمائی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا نام لے کر وضاحت کے ساتھ ان کی مذمت کی گئی تھی۔ اس پر ابولہب کا غصہ بھڑک اٹھا۔ اُم جمیل ہاتھ میں پتھر لے کر آپ کو مارنے کیلئے چڑھ دوڑی۔ ان میاں بیوی نے بچوں کو مجبور کیا کہ وہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو فوری طلاق دے دیں۔ بڑے



بھائی عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دی تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتیبہ سے کہا کہ اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو محمد کی بیٹی اُم کلثوم کو طلاق دے دو۔ عتبہ نے تو سیدہ رقیہ کو طلاق دی تھی مگر چھوٹے بھائی عتیبہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور سیدہ اُم کلثوم کی شان میں گستاخی بھی کی۔ ابولہب کے بیٹے دولت کے نشے میں مخمور تھے۔ شرابی و سیاہ کار تھے۔ مختلف مورخین کا کہنا ہے کہ اچھا ہی ہے حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صاحبزادیاں اس سخت مزاج ابولہب اس کی سنگدل بیوی اُم جمیل اور ان کے بدکردار بیٹوں کی زیادتیوں سے بچ گئیں۔ جب عتیبہ نے طلاق کے ساتھ نبی اقدس ﷺ کی توہین بھی کی تو حضور ﷺ نے اس کے حق میں بددعا فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

اللہ! عتیبہ پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے۔“

سرور کائنات کی صاحبزادیوں نے خدمت دین کی خاطر دکھ برداشت کئے اور اجر و ثواب کی حق دار قرار پائیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں تین برسوں محصور رہنے کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ شعب ابی طالب میں بچے بھی محصور تھے۔ معصوم شہزادیاں بھوک پیاس سے بلبلاتیں تو ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو ایک دور میں مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون تھیں ان کا کلیجہ کٹ جاتا۔

جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینے پہنچے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد نبی کریم ﷺ نے ابو رافع اور زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا۔ سواریاں بھی ہمراہ بھیجیں اور زادِ سفر بھی دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اہل خاندان کو لے آئیں، آنے والوں میں سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

عتیبہ جس نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دیتے ہوئے گستاخی بھی کی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کیلئے بددعا فرمائی وہ بددعا کے منجے میں بدترین انجام

سے دو چار ہوا۔

ابولہب کے ساتھ عتیہ ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس اترے راہب نے کہا: یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا ”کیا تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے پر بددعا کی ہے تم اپنا سامان صومعہ کے اندر جمع کر دو اور عتیہ کیلئے اس کے اوپر بستر کر دو اور خود اس کے ارد گرد سو جاؤ۔“ ایسا ہی کیا گیا۔

رات کو ایک شیر آیا سب کو سونگھا پھر اس نے سامان کے اوپر کود کر عتیہ کا سر کاٹ دیا۔ اہل قافلہ نے ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملا۔ یہ معجزہ ہے۔

شان رسالت کا کمال ہے کہ ابولہب ایمان بھی نہیں لا رہا تھا مگر حضور ﷺ کی بددعا پر پورا یقین ہے اور اسے بچانے کیلئے تمام جتن کر رہا تھا مگر جو لفظ لب ہائے مصطفیٰ ﷺ سے نکل گئے تھے انہوں نے قبولیت کو چھوٹا ہی تھا۔ جب حضور ﷺ نے بددعا فرمائی تھی تو حضرت ابوطالب بھی مجلس میں موجود تھے۔ ابوطالب نے فرمایا:

”مجھے معلوم ہے کہ آپ کی بددعا کے تیرے وہ نہیں بچ سکے گا۔“

ابولہب کے بیٹے کے محافظ سوئے نہ تھے جاگ رہے تھے۔ پہرہ دے رہے تھے رب نے ان پر شیر مسلط کر دی اور شیر نے عتیہ کا منہ بھی چاک کیا تھا کیونکہ اسی منہ سے گستاخانہ کلمات ادا ہوئے تھے۔

مدینہ طیبہ میں غزوہ بدر کے دوران میں حضرت عثمان بن عفان کی اہلیہ اور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار ہوئیں اور حضور کے میدان بدر سے واپسی سے قبل انتقال کر گئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مثالی



زندگی گزاری تھی۔ اب حضرت عثمان سیدہ رقیہ کی یادوں میں کھوئے کھوئے رہتے تھے۔ حضور ﷺ سے ان کی حالت پوشیدہ نہ تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ انہی دنوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہوئیں۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں لیکن انہوں نے تامل کیا۔ رسول کریم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تم کو حفصہ کیلئے عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان کیلئے حفصہ سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں۔ پھر فرمایا: حفصہ کا نکاح مجھ سے کرو اور میں اپنی بیٹی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں جو رقیہ کے فوت ہو جانے سے بہت غمگین ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً رضا مند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول کریم ﷺ سے ہو گیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ نکاح کے وقت حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کی معرفت مجھے حکم بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی ام کلثوم کو اسی حق مہر پر جو رقیہ کا تھا تمہارے عقد میں دے دوں۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

میں اپنی صاحبزادیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاح کے فیصلے ہوتے ہیں۔

نبی اقدس ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور سیدہ النساء العالمین سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بحکم

خداوندی ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان سے کہا:
اے عثمان! حضرت جبرائیل مجھ کو خبر دے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا
ہے کہ میں اُم کلثوم کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اور جوہر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا تھا وہی
مہر سیدہ اُم کلثوم کا بھی ہو۔

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی تو دونوں کو حضرت
رقیہ رضی اللہ عنہا بھی یاد آ رہی تھیں۔ ایک کو بہن کی حیثیت سے اور دوسرے کو اپنی پیاری بیوی کی
حیثیت سے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں یکے دیگر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو
صاحبزادیاں آئیں۔ اسی لئے بارگاہ رسالت سے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والے کا
خطاب ملا۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالا نور کا

ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا
نہیں جس کے ہاں کسی نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئی ہوں۔ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے۔ شریعت اور حلیم الطبع تھے۔ حضور اکرم ﷺ
کے ساتھ ان کی نہایت مخلصانہ قرابت داری تھی۔

ایک مرتبہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے
دریافت کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ان کے شوہر حضرت عثمان کا کیا مقام
ہے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:



”اے لخت جگر تیرا شوہر عثمان ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول بھی ان سے محبت کرتے ہیں“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو خوش رکھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر ایک بیش محبت چادر دیکھی جو ریشم کی دھاریوں سے بنی ہوئی تھی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا لباس نہایت عمدہ ہوتا تھا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک متمول فرد تھے۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتیں:

”میں نے اپنے بابا سے سنا ہے کہ آپ جنت کے مقربین میں سے ہیں۔ سب سے زیادہ قرب خداوندی کے مستحق لوگوں میں آپ بھی شامل ہیں اور فرشتے آپ کے وقار، تواضع اور خشیت الہی کے سبب آپ سے شرماتے ہیں۔ نیز بے پناہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور مسلمان بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔“

حضور نبی کریم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک، ارادت مندی اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بہترین سلوک کی بناء پر آپ سے بے پناہ خوش رہے۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تو فرمایا:

”میری اگر چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگر عثمان (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں دیتا جاتا۔“

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی اولاد نہیں تھی لیکن اس کے باوجود میاں بیوی کی زندگی اس معاملہ میں ہر قسم کی بحث و تکرار سے پاک رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے اس حوالے کبھی کوئی رنجیدہ کر دینے والی بات نہ کہی بلکہ خوشی و مسرت کے ساتھ جتنا عرصہ رفاقت و زوجیت کا میسر آیا بسر کرتے رہے۔



حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اس نکاح کے بعد ۶ سال تک زندہ رہیں اور شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق غسل دیا۔ حضور ﷺ نے کفن کیلئے اپنی چادر دی۔ رسول کریم ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ رسول کریم ﷺ کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا، قبر کے پاس بیٹھے تو اٹھ بار ہو گئے۔

آپ جنت البقیع میں اپنی بہن کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوطالب، حضرت علی، حضرت فضیل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہم نے قبر میں اتارا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا ”تم میں سے آج رات کون اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا؟“ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ میں آج رات اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ آپ نے فرمایا ”تم ان کی قبر میں اتر جاؤ۔“

(مشکوٰۃ شریف باب دفن المیت)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ان کی بڑی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرح پانی میں ہیری کے پتے ڈال کر غسل دیا گیا۔ آخر میں کافور کی خوشبو لگائی گئی اور کفن پہنایا گیا۔ یہ سب انتظام سلطانِ دو عالم ﷺ نے خود فرمائے۔

جناب سیدہ کی قبر ہے رحمت کی پھلواری
جہاں ہر پل نزولِ رحمت خلاق ہے جاری



سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام

مرزغُ حلیم را حاصلِ بول
 مادران را اُسوۂ کاملِ بول
 بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
 با یہودے چادرِ خود را فروخت
 نوری و ہم آتشی فرمانبرش
 گمِ رضائش درِ رضائے شوہرش
 آں ادب پروردۂ مبر و رضا
 آسیا گردان و لبِ قرآن سرا
 گریہ ہائے او دُبالیں بے نیاز
 گوہر افشاندے بدامانِ نماز

(علامہ محمد اقبال)

خاتونِ جنت

سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام

سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہراء بے شمار فضائل کی حامل ہیں۔ آپ خاتونِ جنت ہیں جنت میں تمام جنتی خواتین عالم کی سردار ہیں۔ سلطانِ دو عالم فخرِ آدم و بنی آدم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی لاڈلی صاحبزادی ہیں۔ اگرچہ آپ چاروں بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی تھیں لیکن حضور ﷺ کی محبت کی سب سے زیادہ حقدار ٹھہریں۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حُسن تربیت اور نبی کریم ﷺ کے فیضانِ اقدس نے آپ کے کردار کو انتہائی بلند یوں پر پہنچا دیا تھا۔ بیٹی کی حیثیت سے بیوی کی حیثیت سے ماں کے کردار کی حیثیت سے انسانی سرفرازی کے لحاظ سے آپ اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ فخر و درویشی، استغناء اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ رسول کریم ﷺ کی صفاتِ حُسْن کا عکس تھیں۔ اپنے آبا جان کے کردار کی احسن ترین تصویر تھیں۔

خاص طور سے آپ نے خواتینِ اسلام کیلئے جو اُسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ مشکیزے میں پانی خود لاتی ہیں جس سے سینے اور کندھوں پر نشانات پڑ گئے۔ گھر کے تمام اُمور خود انجام دیتی ہیں۔ چکی اس حالت میں چستی ہیں کہ گود میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں کندھے پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ لٹکے ہوئے ہیں۔ ہاتھ چکی میں رہے اور زبان پر قرآن حکیم کی تلاوت جاری ہے۔ تین تین دن فاقے سے گزارے مگر کبھی شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پہ آنے نہ پایا۔ جو نبی وقتِ مہمّا مصلیٰ پر کھڑی ہو جاتیں۔ تمام تمام رات مصلے پر عبادت میں گزارتیں۔ صبح کی اذان ہوتی تو فرماتیں ”خدا یا تیری بندی عبادت کا حق ادا نہیں کر پائی کیونکہ تیری رات ہی مختصر ہے۔“



ایک خاتون میں جس قدر خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ کی ذات میں موجود تھیں۔

مرزبغ تسلیم را حاصل بتول

مادران را اسوۂ کامل بتول

حضرت فاطمہ علیہا السلام آپ کا نام ہے۔ آپ آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی تھیں اور تمام مکارم اخلاق و فضائل اوصاف آپ پر ختم ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ سیدہ خواتین عالم اور سردار النساء اہل جنت ہیں۔ آپ کے القاب زہرا، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ اور بتول ہیں۔

بچپن ہی سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں بہت زیادہ متانت، سادگی اور سنجیدگی تھی۔ آپ کا دل کھیل میں نہیں لگتا تھا۔ آپ کہیں آنا جانا پسند نہ فرماتی تھیں۔ ہمیشہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ آپ کی یہ سادگی اور استغنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، اسی وجہ سے آپ بتول (تارک دنیا) کے لقب سے یاد فرمائی جاتی تھیں۔ چونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت و سیرت میں بہت مشابہ تھیں، اس لحاظ سے آپ کا لقب زاکیہ اور راضیہ قرار پایا۔

آپ کی ولادت باسعادت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی اور یہ وہ مبارک زمانہ تھا جب اہل قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ناکتہ تھیں۔ لوگوں نے پیغام دیا، ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرنے کی استدعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم الہی کا انتظار کرو۔ اس کا ذکر حضور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

خلافتِ مسلمہ

ﷺ سے کیا اور اُن کو بھی ترغیب دی کہ تم اپنے لئے پیغام دو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پیغام دیا اور وہی جواب پایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے اطلاع دی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے آمادہ کیا لیکن آپ کو اپنی بے سرو سامانی پر تامل ہوا اور دوسرا خیال یہ بھی ہوا کہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد میری کیا گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن لوگوں نے پھر مجبور کیا اور آنحضرت ﷺ کی قربت کا استحقاق یاد دلایا۔ پھر آپ نے آنحضرت ﷺ سے بطریقہ پیغام عرض کیا۔ آپ نے یہ استدعا قبول فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ علی کا رجحان خاطر تمہاری طرف ہے۔ آپ خاموش رہیں (یہ خاموشی ایک طرح کی رضا مندی تھی) آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے چار مہینے بعد اوائلِ محرم ۲ھ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کے ساڑھے نو مہینے گزرنے کے بعد رخصتی کرائی۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی تھی اور حضرت علی کی اکیس سال ساڑھے پانچ مہینے، گویا حضرت علی تقریباً ۶ سال بڑے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شادی کیلئے اپنا اُونٹ اور بعض اسبابِ فروخت کر ڈالا تھا جس کی کل قیمت چار سو اتنی درہم ملی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو ٹکٹ خوشبود وغیرہ میں صرف کرو اور ایک ٹکٹ متاع میں (یعنی سامانِ شادی یا خور و نوش اور دیگر ضروریاتِ خانداری وغیرہ میں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی شادی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں: میرے پاس ایک لوٹھی تھی جس کو میں آزاد کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کسی نے پیغام دیا؟ میں نے کہا: معلوم نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ آپ پیغام

دیکھئے، آپ کو کون سا امر مانع ہے؟ میں نے کہا: میں کس بنا پر جرأت کروں، میرے پاس کوئی چیز نہیں جس سے میں عقد کروں۔ اس نے کہا کہ نہیں، آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جائیے۔ چنانچہ میں اس کے اصرار پر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں گیا لیکن آنحضرت ﷺ کی جلالت و ہیبت کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ مجھے کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ مجھ میں بالکل طاقت نہ تھی کہ میں کچھ گفتگو کرتا لیکن حضور نبی کریم ﷺ ہی نے توجہ فرما کر در یافت فرمایا کہ کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیغام کیلئے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کیلئے بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ حلیمہ زہرا کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی؟ وہی مہر میں دے دو۔ اُس زہرا کی قیمت چار سو درہم سے زائد نہ تھی۔ نکاح ہوا اور وہی زہرا بالعوض مہر دے دی گئی۔

جب نکاح سے فراغت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: شادی کیلئے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد نے کہا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے، اس سے ولیمہ کر لیا جائے۔ اسی طرح انصار کے ایک قبیلہ نے بھی اپنی حسب استطاعت ولیمہ کا انتظام کیا۔ چنانچہ ولیمہ کا کھانا بھی دیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک چھوٹا سا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان سے کسی قدر فاصلہ پر کرایہ پر لے لیا تھا۔ آپ نے اپنی لونڈی اُم ایمن کے ہمراہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر رخصت کر دیا۔ رخصتی کے وقت آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ تم مجھ سے مل لینا۔ پھر آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ پانی طلب کیا، اس سے وضو کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہ پانی ڈال دیا اور یہ دعا پڑھی:

اللھم بآرک فیمہما و بآرک علیہما و بآرک لہما فی نسلہما

دوسری روایت کے مطابق آپ نے دونوں پر پانی چھڑکا اور فرمایا ”اے فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے۔“
 شہنشاہ عالم نے اپنی صاحبزادی سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ روایت عکرمہ مندرجہ ذیل جمیز دیا۔

نقشی تخت ایک چڑے کا تکیہ ایک (جس میں کجور کی چھال بھری ہوئی تھی) پیالہ ایک، مشکیزہ ایک، دو عدد چکیاں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد بھی آپ کا اُسوہ دہی تھا جو شادی سے قبل تھا۔ اب خاوند کی خدمت اور بچوں کی تربیت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار پر کوئی کنیر یا غلام طلب کرنے کیلئے اباجان کے پاس آئیں مگر حیا سے خاموش رہیں۔ حضور ﷺ کے استفسار پر آپ تو کچھ نہ بولیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آمد کا مقصد بتا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”میں تم کو قیدی خدمت کیلئے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحاب صفہ کے خور و نوش کا تسلی بخش انتظام انجام دینا ہے۔ میں ان فرزند ان حق کو کیسے فراموش کر دوں، جنہوں نے خوشنودی خدا اور رسول کیلئے فقر و استغنا کی زندگی کو اختیار کیا ہے، شبلی نعمانی کے اشعار میں اس واقعہ کی جھلک دیکھئے۔

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
 گھر میں کوئی کنیر نہ کوئی غلام تھا
 گھر گھر گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
 چکی کے پینے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے لائیں تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل قام تھا
اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی ہر صبح شام تھا
آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق وہاں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا تمام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؐ نے اُن کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفہٴ نبوی میں قیام تھا
میں اُن کے بندوبست سے فارغ نہیں ہوا
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب اُن پہ گزرتی ہیں
میں اُن کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی مُقدم تھا اُن کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں
نجات نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہر ہر اہل بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

جواب سن کر گمراہیں آئے تو آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔
اُس وقت دونوں اپنے اپنے بستروں پر آرام کیلئے لیٹ چکے تھے لیکن جب آنحضرت
ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو تعظیماً و کریماً استقبال کیلئے اُٹھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان
دونوں کو روکا اور فرمایا ”تم نے جس چیز کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جس کے تم خواہش مند
تھے اُس سے بہتر ایک چیز میں تم کو ملتا ہوں“ اُن دونوں نے عرض کیا: جی ہاں
فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا
کر اور سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳-۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھ کر دم کر لیا
کرو۔ یہی تمہارے لئے بہترین خادم ہیں۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اہل
بیت میں اگرچہ بہت سے بزرگ داخل ہیں لیکن ان سب میں فردِ کامل سیدۂ عالم حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وجود گرامی ہے۔ آیتِ تطہیر:

انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیراً
سورۃ الاحزاب کا نازل ہونا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کو خاص طور سے
ظاہر ہے۔

عبدالرحمن ابن ابی نعیم بروایت ابی سعید الخدری لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے
فرمایا ”سیدۃ النساء اہل الجنة“ (یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا) جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جنت کی عورتوں کی سردار حضرت مریم پھر حضرت فاطمہ بنت محمدؐ پھر حضرت خدیجہ پھر حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) ہیں۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ واقف ہیں۔ آپ نے فرمایا ”فاطمہ بنت محمدؐ خدیجہ بنت خویلدؐ مریم بنت عمرانؐ آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) ان لوگوں کو جنت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت ہے۔“

خدا تعالیٰ نے طبقہ نسواں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذات مبارک کے ساتھ جو مناقب مخصوص کر دیئے تھے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ یہ حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل پر شاہد ہے۔

”تمہاری تقلید کیلئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمرانؐ خدیجہ بنت خویلدؐ فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ (فرعون کی بیوی) کافی ہیں۔“

صداقت اور راست گوئی میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان کے والد آنحضرت ﷺ البتہ مستثنیٰ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جس قدر محبت رسول اللہ ﷺ کو تھی اتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی۔ حالانکہ آپ کی بعض بیٹن آپ سے زیادہ تیز فہم اور خوب صورت تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت محبوب تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن آپ نے

خلافتِ مسلم
کوئی دنیاوی قائدہ نہیں اُٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا
”تمہاری رضا مندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیظ و غضب سے وہ غضب
ناک ہوتا ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے تمام مشاغلِ حیات میں رسول اللہ ﷺ کی تقلید کرتی
تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نشیست و برخاست، عادات و
اعمال، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ فاطمہ سے زیادہ کسی کو نہیں
دیکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آنحضرت ﷺ
کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بیٹھا لیتے اور یہی طرزِ عمل حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ رسول اللہ
ﷺ کا فاطمہ تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صورت بھی آنحضرت ﷺ سے بہت ملتی تھی۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ
کے بعد فاطمہ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ”فاطمہ! میرے جسم
کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔“

آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوالیوب انصاری
رضی اللہ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہوا، آپ نے
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک
مکان آنحضرت ﷺ کے مکان سے کسی قدر فاصلے پر لے لیا۔ اسی مکان میں رخصت کرا
کے لے گئے۔ رخصتی کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے
گئے۔ اثنائے گفتگو میں آپ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو
پنے قریب بلا لوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ حارث بن نعمان سے



فرمائیے وہ کوئی اپنا مکان دے دیں گے۔ حضرت حارث بن نعمان نے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں میرے تمام مکانات موجود ہیں“ حضرت فاطمہ کو بلا لیجئے۔ میرا جان و مال اللہ اور اس کے رسول پر قربان ہے اور بخدا جو چیز آپ مجھ سے لیں گے مجھے اس کا آپ کے پاس رہنا میرے پاس رہنے سے زیادہ محبوب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم نے سچ کہا“ خدا تم کو برکت دے اور اپنی رحمت تم پر نازل کرے۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن نعمان کے مکان میں منتقل کرا لیا۔

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا برتاؤ ہوا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار ہوا۔ آپ کبیدہ خاطر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں۔ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی گئے اور ایسی جگہ کھڑے ہو گئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سن سکیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غصہ کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ”اے بیٹی! جو کچھ میں کہوں اس کو غور و فکر سے سنو اور عمل کرو۔ وہ کون سے میاں بیوی ہیں جن کے درمیان کبھی کوئی رنجش واقع نہ ہو اور یہ کیا ضروری ہے کہ مرد تمام کام عورت کی منشاء کے مطابق ہی کرے اور اپنی بیوی سے کچھ نہ کہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ پھر انہوں نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رنجیدہ خاطر ہوتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جب کبھی خانگی معاملات میں کوئی رنجش ہو جاتی تو اسی طرح آنحضرت ﷺ صلح کر دیتے اور آپ ﷺ کو ان دونوں کی مصالحت سے غیر معمولی مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پھر پیش آیا۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

خلافتِ مسلمہ
 یہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ آثارِ رنج و ملال کے نمایاں تھے۔ آپ نے اُن دونوں میں صلح کرا دی۔ جب باہر تشریف لائے تو چہرہ مبارک بٹاش تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا ”یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟“ جب آپ گھر تشریف لے گئے تو چہرہ مبارک متغیر تھا اور اب بٹاش ہے۔“ فرمایا ”میں نے ایسے دو مضمون میں مصالحت کرا دی جو مجھے بہت محبوب ہیں۔“ چونکہ آنحضرت ﷺ دنیاوی نعمت و آرائش کو بہت ناپسند فرماتے تھے اس لئے وہ ایسی چیزیں اولاد کو نہ خود دیتے تھے اور نہ دوسروں کو دینا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سونے کا ہار دیا جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: فاطمہ! یا تم لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لگائے اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ جب آنحضرت ﷺ حسبِ معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو یہ سب کچھ دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپسی کا سبب سمجھ گئیں۔ فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اُتار دیئے۔ صاحبزادے روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا ”اگرچہ یہ میرے اہل بیت ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ دنیا کے کی نمائشی چیزوں سے آلودہ ہوں۔ صحابہ سے فرمایا: طلا کی ہار کے عوض فاطمہ کیلئے عصیب کا ہار اور نقری کنگنوں کی جگہ ہاشمی دانت کے دو جوڑے کنگن خرید لاؤ۔“

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہم دونوں

(حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ) میں کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا ”تم سے زیادہ فاطمہؑ مجھ کو محبوب ہے اور فاطمہ سے زیادہ تم عزیز ہو۔“

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ وفات سے قبل آنحضرت ﷺ کے پاس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ فاطمہؑ آئیں۔ ان کی رفتار آنحضرت ﷺ کی رفتار سے بہت مشابہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ”مرحبا یا بنتی“ فرما کر اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھا لیا۔ پھر آپ نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا وہ رونے لگیں پھر دوبارہ کان میں کچھ فرمایا وہ ہنسنے لگیں۔ مجھے (حضرت عائشہؓ) بڑا تعجب ہوا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے فاطمہؑ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس سے قبل میں نے ایک ہی وقت میں (خوشی و غمی) ہنسنے اور رونے کا اجتماع نہیں دیکھا جیسا کہ اس موقع پر دیکھا۔ حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا کہ میں ہر گز اپنے باپ کا راز فاش نہ کروں گی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں نے فاطمہؑ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ اُس روز رونے اور ہنسنے کا کیا سبب تھا؟ حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا: چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے اس لئے اب میں کہہ دیتی ہوں کہ پہلی مرتبہ تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جبریل (علیہ السلام) سال میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا دور کرتے تھے اب کی خلاف معمول سال میں دوبارہ دور کیا۔ اس سے قیاس ہوتا کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ اس پر میں رونے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو میں یہ سن کر ہنسنے لگی۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہؑ الزہراءؑ کس قدر عزیز تھیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جب حضرت علیؑ کو ابو جہل کی بیٹی کی



شادی کی پیشکش ہوئی تھی۔ اصحاب تاریخ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

ابن ہشام بن مغیرہ برادر ابو جہل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم فوراً بنت ابی جہل سے نکاح کر لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ کو سخت ناگوار گزرا (اور صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو بیان کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر یہ خطبہ پڑھا جس میں اپنی ملا خوشی کا اظہار فرمایا۔

”آل ہشام علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) سے اپنی لڑکی کا عقد کرنے کیلئے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں، لیکن میں نہ دوں گا۔ البتہ ابن (علی) ابی طالب میری لڑکی کو طلاق دے کر اس کی لڑکی سے عقد کر سکتے ہیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی (گویا) اس نے مجھے اذیت دی (جس سے اس کو) کہہ پہنچے گا اس سے مجھے بھی تکلیف ہوگی۔“

اور فرمایا ”میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن خدا کی قسم! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔“

ایک مرتبہ اچانک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: بیٹی تم کیسی ہو؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”مجھے تکلیف ہے، لیکن اس تکلیف میں مزید اضافہ یہ ہے کہ میرے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بیٹی تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ خواتین عالم کی سردار بنو۔“ انہوں نے عرض کیا: مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانہ کی اور خدا کی قسم! میں نے تمہاری شادی دنیا کے ایک بہترین انسان سے کی ہے۔



سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور انہوں نے بے اختیار ہو کر فرمایا۔

میرے آبا جان نے دعوت حق کو قبول کیا اور فردوس بریں میں داخل ہو گئے۔
آہ جبریل علیہ السلام کو ان کے انتقال کی خبر کون پہنچا سکتا ہے۔
پھر دعا مانگی:

یا الہی! روح فاطمہ (علیہا السلام) کو روح محمد ﷺ کے پاس پہنچا دے۔ خدایا مجھے حضور ﷺ کے دیدار سے سرور کر دے۔ الہی بروز محشر شفاعت محمد ﷺ سے مایوس نہ فرما۔
آپ سے ایک مرثیہ بھی منسوب ہے۔ آپ نے شدت غم سے دو چار اپنے محبوب والد محترم کے وصال پر کہا۔ اس مرثیہ میں وہ کہتی ہیں۔

”آسمان غبار آلود ہو گیا۔ آفتاب لپیٹ دیا گیا۔ دنیا میں تاریکی ہو گئی۔ نبی ﷺ کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فرط الم سے شق ہو گئی ہے۔ اُن پر قبیلہ معمر کے لوگ اور اہل یمن روتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور محلات روتے ہیں۔ اے خاتم الرسل خدا آپ پر رحمت نازل فرمائے۔“

جب آنحضرت ﷺ کی تجھیز و تکفین سے فارغ ہو کر صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو تسلی دینے لگے تو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر آئے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ”تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے منوں خاک کے نیچے آنحضرت ﷺ کو دبا دیا۔“

آپ آنحضرت ﷺ کی قبر پر تشریف لے گئیں وہاں روئیں اور ایک مُشت خاک قبر شریف سے لے کر آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے:

ترجمہ: کیا چاہیے اُس شخص کو جو خاک حرارِ مبارک آنحضرت ﷺ ہو گئے

لازم ہے اس پر بھروسہ تمام عمر کوئی خوشیوں نہ سوتھے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدۃ العالم کی اور تین بیٹیں جس طرح عین جوانی کی حالت میں گزر گئیں اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد انتقال ہو گیا۔

واقعی لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۳ رمضان ۱۱ھ میں ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فضل رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت اُمّ سلمہ کہتی ہیں کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف نہیں رکھتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا اور فرمایا پانی کا انتظام کرو، میں غسل کروں گی صاف اور عمدہ کپڑے نکال دو پہنوں گی۔ چنانچہ میں نے پانی کا انتظام کر دیا اور کپڑے نکال دیئے۔ آپ نے اچھی طرح غسل کیا اور کپڑے پہنے پھر فرمایا: میرا بستر کرو میں لیٹوں گی۔ میں نے بستر کر دیا وہ قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا: اب مفارقت کا وقت قریب ہے میں غسل کر چکی ہوں اُس لئے مکرر غسل کی ضرورت نہیں اور نہ اب میرا بدن کھولا جائے چنانچہ اس کے بعد ہی انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے اُسی غسل پر اکتفا کیا اور اُن کو دفن کر دیا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہا کی شرم و حیا تھی۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ عورت کا جنازہ کھلا ہوا قبرستان تک جائے اس میں رونا و گری نہ ہو

ہے اور مرد و عورت کے جنازے میں کوئی تفریق نہیں رہتی۔ مرد برا کرتے ہیں کہ عورت کا جنازہ کھلا ہوا لے جاتے ہیں یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: یا بنتِ رسول اللہ میں نے حبش میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے آپ اگر حکم دیں تو وہ طریقہ پیش کروں۔ یہ کہہ کر کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردے کی صورت نکل آئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ طریقہ پسند آیا اور بہت خوش ہوئیں چنانچہ آپ کا جنازہ پردے میں قبر تک گیا اور اسلام میں یہ پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ اس طریقہ سے اٹھایا گیا۔ آپ کے بعد حضرت زینب بنتِ حبش رضی اللہ عنہا کا جنازہ اسی طرح قبر تک گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تھمیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو بہت مغموم و محزون تھے اور شدتِ غم و الم میں یہ شعر پڑھتے تھے:

(ترجمہ) ”میں دیکھتا ہوں مجھ میں دنیا کی بیماریاں بکثرت ہو گئی ہیں اور اہل دنیا جب تک دنیا میں ہیں بیمار ہیں“

ہر یک جائی کے بعد دوستوں سے مفارقت ہونا ضروری ہے اور وہ زمانہ جو فراق کے سوا ہوتا ہے تھوڑا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے صاحبزادے کم سنی میں ہی انتقال کر گئے۔ آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ الزہرا کو صاحبزادے بھی عطا کئے اور صاحبزادیاں بھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت

محسن ﷺ، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ حضور نبی کریم ﷺ اس لئے آپ کو اپنے جسم کا حصہ دار اپنے گوشت کا ٹکڑا قرار دیتے اور فرمایا کرتے کہ خُدا یا میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ جو فاطمہ سے محبت رکھے میں اسے پسند کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھتا اور جو فاطمہ کو دکھ پہنچائے اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ خُدا یا اس پر غضب فرما۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا عصمت کی پیکر تھیں، پارسائی کا مظہر تھیں، حیا و شرم کا پیکر تھیں۔ انہیں ہر لمحہ حضور ﷺ عزیز رہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے سیدہ فاطمہ سے پوچھا ”مسلمان عورت کے اوصاف کیا ہیں؟“۔

انہوں نے عرض کیا ”ابا جان! عورت کو چاہیے کہ خُدا اور رسول کی اطاعت کرے۔ اولاد پر شفقت کرے، اپنی نگاہ نیچی رکھے، اپنی زینت کو چھپائے، نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے۔“ حضور ﷺ یہ جواب سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ یہ عورت کی احسن تعریف ہے۔

ایک دفعہ سیدہ علیل تھیں لیکن علالت میں بھی دن رات عبادت میں مصروف رہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لئے مسجد گئے تو وہ نماز کیلئے کھڑی ہو گئیں۔ نماز سے فارغ ہو کر چکی پیسنے لگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا: اے رسولِ خدا کی بیٹی اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کر لیا کرو، کہیں زیادہ بیمار نہ پڑ جاؤ۔ فرمانے لگیں: خُدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے اگر ان میں کوئی موت کا باعث بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی۔

۔ تیری نسلِ پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا



حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد

سرورِ ہر دو جہاں پر مثلِ مادرِ مہرباں
 فاطمہ بنتِ اسدؑ جانِ نبی تھیں بے گماں
 سرورِ عالم کو ہر پل دیکھ کر جیتی تھیں وہ
 سرورِ عالم کے سر پر نورِ حق کا سایاں
 مثلِ یو طالب انہیں سلطانِ بطحا تھے عزیز
 وہ کہ تھیں ہر حال میں شاہِ عرب کی ہم زباں
 اُلفتِ احمدؑ کا اک دریا تھا دل میں موجزن
 شاہِ دو عالم بھی اُن کو مانتے تھے اپنی ماں
 حیدرِ کرار کی ماں فاطمہؑ کی ساس تھیں
 اُن کے دل میں تھے عطا و جود کے چشمے رواں
 قبر میں اُن کی تھے لیے سرورِ کونین خود
 تاکہ اُن پر ہر گھڑی ہو رحمتِ ربِ جہاں
 پیرہن اپنا دیا سرکارؑ نے بہرِ کفن
 تاکہ جنت میں ہو اُن پر لطفِ خالقِ بے کراں
 اے رِضاؑ ہم خاکساروں کا انہیں پہنچے سلام
 ہو بہارِ افزا لحدِ ان کی مثالِ گلستاں

حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد

حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا شمار ان نامور اور معزز خواتین میں ہوتا ہے جو اسلامی تاریخ کا وقار ہیں۔ آپ حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کی بیوی تھیں۔ آپ ہمیشہ ہی سے نیک اور برگزیدہ خاتون تھیں اور مکہ کی معزز خواتین میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب حضرت ابوطالب کی کفالت میں آئے تو حضرت فاطمہ بنتِ اسد نے آپ کو چچا سے بھی بڑھ کر پیار دیا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز جانتیں۔ سوتے جاگتے آپ کا خیال رکھتیں، جب حمام بچوں کو کھلانے بیٹھتیں تو اوروں میں سے کسی کو کھانا کم ملتا ہو مگر پیارے محمد ﷺ کا احساس کرتے ہوئے آپ کو جی بھر کر کھانا کھلاتیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ جب تک حضور اقدس ﷺ کھانا نہ کھا لیتے دوسرے بچوں کو کھانا نہ دیتیں۔ آپ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کی حقیقی بھتیجی تھیں۔ آپ کے مراتب اور مناقب بے شمار ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ آپ رسولِ خدا کی انتہائی مشفق چچی، حیدرِ کرار حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ اور نبی کریم ﷺ سے بے پناہ پیار کرنے والے چچا حضرت ابوطالب کی بیوی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے کبھی آپ کے پیار و اُلفت کو فراموش نہ کیا اور ہمیشہ انہیں ”میری امی، میری امی“ کہہ کر خطاب فرماتے۔

آپ سردارِ قریش ہاشم بن عبد مناف کی پوتی اور حضرت عبدالمطلب کی بھتیجی اور بہو تھیں۔ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کی خوشدامن تھیں۔ حضرت فاطمہ کے والد اسد بن ہاشم حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے سوتیلے بھائی تھے۔ اسد کی والدہ کا نام قیلہ بنتِ عامر تھا اور حضرت عبدالمطلب، سلمیٰ بنتِ عمرو بن زید نجاری کے بطن سے تھیں۔



حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قریش کے معزز ترین گھرانے بنو ہاشم میں ہوش کی آنکھیں کھولیں اور اسی میں پروان چڑھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ اوصاف و خصائل کی مالک تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی نگاہ گوہر شناس نے انہیں اپنی بہو بنانے کیلئے منتخب کر لیا اور اپنے فرزند عبدمناف (ابوطالب) سے اُن کا نکاح کر دیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چار فرزند اور تین لڑکیاں عطا کیں۔ لڑکوں کے نام طالب، عقیل، جعفر اور علی تھے اور لڑکیوں کے نام اُم ہانی (اصل نام باختلاف روایت فاختہ ہند یا فاطمہ) جمانہ اور ربیعہ تھے۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ”استیعاب“ میں لکھا ہے:

ہی اول ہاشمیہ ولدت لہا شمی

(یعنی یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی)

کہا جاتا ہے کہ وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ چنانچہ یہ شعر اُن سے منسوب ہے جو انہوں نے اپنے فرزند عقیل رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا:

۔ انت تکون ساجدٌ لبیل افا تہب شمال ہلیل

بعثت کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو بنو ہاشم نے آپ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو دعوت حق پر لبیک کہنے والے اولین نوجوان (لڑکے) تھے۔ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ابتدائے دعوت میں سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد اُن کے دوسرے فرزند جعفر رضی اللہ عنہ بھی پرستار ان حق میں داخل ہو گئے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے ”أسد الغابہ“ میں لکھا ہے کہ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغول عبادت تھے۔ حضرت ابوطالب نے انہیں دیکھا تو حضرت جعفر سے فرمایا ”بیٹے تم بھی اپنے ابن عم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“

جب حضرت ابوطالب نے وفات پائی تو نبی پاک ﷺ کیلئے رنج و آلام اور دکھوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اسے عزیز چچا جو ہمیشہ نبی کریم ﷺ کو ان کے دشمنوں سے بچانے کیلئے سامنے آتے رہے اور کھل کر فرمایا کرتے تھے: محمد (ﷺ) پر وار کرنے کیلئے پہلے مجھ سے اور آلِ ہاشم سے ٹکرانا پڑے گا۔ یہ محض القاطعہ ہی نہیں تھے بلکہ حضرت ابوطالب کئی مرتبہ کفار مکہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میری زندگی میں کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ فرمایا کرتے: اے بھیجے! تم جو چاہے کرو میں کسی دشمن کو تمہارے دراستے میں نہیں آنے دوں گا۔ جب اتنے پیارے چچا کا وصال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ کو سخت دھچکا لگا۔ ڈھارس بندھانے والی زوجہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی خالقِ حقیقی سے جا ملی تھیں۔ اب کفار کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب محمد (ﷺ) کو ستانے اور ایذا دینے کیلئے ان کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں آپ کی چچی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد نے آپ کی بہت ڈھارس بندھائی۔ کئی بار آپ کے دشمنوں کو کھل کر ان کے منہ پر برا بھلا کہا اور فرمایا ”تم کیا سمجھتے ہو کہ پیارے چچا (ابوطالب) کے چلے جانے سے محمد (ﷺ) اکیلے رہ گئے ہیں، نہیں واللہ نہیں، ان کا خدا ان کے ساتھ ہے، میں ان کے ساتھ ہوں، آلِ ہاشم کی قوت و دلیری اور عبدالمطلب کی اولاد کی شجاعت و جانثاری ان کے ساتھ ہے۔“

آپ کی لکار کا خاطر خواہ اثر ہوتا اور کئی مرتبہ قریش مکہ اپنی ریشہ دوانیوں سے باز آ جاتے۔

حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت جعفر (رضی اللہ عنہم) رحمتِ عالم ﷺ سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ فی الحقیقت حضرت عبدالمطلب کی وفات

کے بعد حضرت ابوطالب اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جس خلوص اور دلسوزی کے ساتھ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی اور نہایت نامساعد حالات میں بھی آپ کی حفاظت و حمایت میں جان کی بازی لگادی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بعثت کے بعد جب اہل حق پر مشرکین قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۵ بعد بعثت اور ۶ بعد بعثت میں مسلمانوں کے دو قافلے یکے بعد دیگرے ارض مکہ کو الوداع کہہ کر حبشہ چلے گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ولید حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس بھی تھیں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پہلی ہجرت حبشہ کے شرکاء میں سے تھے لیکن موسیٰ بن عتبہ نے مغازی میں لکھا ہے کہ وہ دوسری ہجرت کے مہاجرین میں سے تھے۔ بہر صورت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ اپنے فرزند اور بیہو کی جدائی برداشت کی۔

یہ نبوت میں مشرکین قریش نے فیصلہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ان کے حوالے نہ کریں گے کوئی شخص ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گا نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے گی اور نہ ان سے رشتہ ٹاٹا کیا جائے گا اس فیصلہ کو معرض تحریر میں لا کر ہر قبیلہ کے نمائندے نے دستخط کئے یا انگوٹھا لگایا اور اسے دیر کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ حضرت ابوطالب کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو وہ ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے۔ صرف ابولہب اور اس کے زیر اثر چند ہاشمیوں نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں محصور رہے مگر ان کے پائے

استحلال میں لغزش نہ آئی۔ جب قریش مکہ کے اپنے معاہدے کو دیکھنے لگا تو معاہدہ خود بخود اپنا وجود کھو بیٹھا اور مسلمان اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

اب کفار کی ریشہ داندیوں نے نئے نئے رنگ اختیار کئے۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ مسلمانوں کیلئے گھروں میں نماز پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ ان کا راستہ روکا جانے لگا۔ حتیٰ کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو شدید مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مسلمان کا جذبہ ایمانی تھا کہ وہ ہر ذلّت کو برداشت کر کے بھی سمجھتے تھے کہ یہ عین راحت ہے کیونکہ انہوں نے یہ آلام راہِ خداوندی میں خوشنودی مصطفیٰ ﷺ کی خاطر برداشت کئے۔ جب مسلمانوں پر کفار کے مظالم حد سے بڑھنے لگے تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا کیونکہ وہاں کا عیسائی حکمران نجاشی (جو بعد میں مسلمان ہو گیا) مسلمانوں کیلئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد کے صاحبزادوں کو بھی ہجرت کے مراحل طے کرنے پڑے۔

حبشہ کی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کا مرحلہ آیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد حبشہ تو نہیں گئی تھیں مگر اب مدینہ کا سفر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

”جب عام مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ہجرت کے موقع پر ان کے لختِ جگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور پر نور ﷺ انہیں اپنے بستر پر سلا کر سفرِ ہجرت پر روانہ ہوئے۔

ہجرتِ نبوی کے دو یا تین سال بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد کے فرزندِ دلہند جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نکاحِ رحمتِ عالم ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمہ الزہرا بتول رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اس موقع پر زوجِ بتول رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:



کفی بنت رسول اللہ سقامیۃ الماء والذهب فی الحاجة

و یکفک الداخل لطحن والعجن

(فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ آتی ہیں میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گے)

رحمت عالم ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد سے بڑی محبت تھی۔ آپ اکثر اُن سے ملنے کیلئے تشریف لے جاتے اور اُن کے گھر آرام فرماتے۔ حضور ﷺ نے کئی بار اُن کی شفقت، شرافت اور خصالِ حمیدہ کی تحسین فرمائی۔ درِ منشور میں ہے:

”یہی فاطمہ ہیں جن کے فضائل و آثار کتبِ سیر میں مذکور ہیں۔“

مدینہ طیبہ میں آنے کے چار یا پانچ سال بعد حضرت فاطمہ بنتِ اسد انتقال فرما گئیں۔ یہ ایسی خبر تھی جس کو جنابِ رسولِ اقدس نے بڑے رنج و الم سے سنا۔ انہیں ایسے محسوس ہوا جیسے ایک مرتبہ پھر یتیم ہو گئے ہوں۔ آپ کی چشمانِ اقدس سے آنسوؤں کے دھارے پھوٹنے لگے۔ دل میں سیدہ فاطمہ بنتِ اسد کی یاد جلوہ گر ہونے لگی۔ اُن کی محبتوں کی چاندنی جھمکانے لگی۔ آپ کے فکر و نظر نے اس موت کو شدت سے محسوس کیا۔ بلا تاخیر حضرت فاطمہ بنتِ اسد کے گھر روانہ ہو گئے اور موت کی آغوش میں جانے والی اس خاتونِ محترم کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے میری ماں! خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوکے رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں۔“

اس کے بعد آپ نے غزوہ الہل خانہ کو اپنی قیصِ مبارک مرحمت فرمائی اور وصیت کی کہ انہیں میری قیص کا کفن پہناؤ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما (حبّ الیقینی) اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ (میزبانِ رسول) کو حکم دیا کہ جنت البقیع میں جا کر قبر کھودیں جب وہ قبر کا اوپر کا حصہ کھود چکے تو سرورِ کونین ﷺ خود نیچے اترے اور اپنے دست مبارک سے لحد کھودی اور خود ہی اس میں سے مٹی نکالی۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو ساتی کوڑھ لکھنے والے کے اندر لیٹ گئے اور دعا مانگی:

”اللّٰہی! میری ماں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔“

یہ دعا مانگ کر آپ قبر سے باہر نکلے تو شدتِ غم سے ریش مبارک ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور زخموں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ بنتِ اسد کی موت کو جس شدتِ الم کے ساتھ محسوس کیا اور جس طرح انہیں ان کی وفات کے بعد سفرِ آخرت کی جانب روانہ کیا یہ بہت کم لوگوں کا مقدر بنتا ہے۔ یہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اپنی قمیص مبارک اُتار کر انہیں کفن دیا۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے خود حضور ﷺ سے اس کرمِ فرمائی کی درخواست کی تھی جب آپ نے اُن کو اپنی قمیص کا کفن عطا کیا اور ان کی تدفین سے پہلے خود اُن کی قبر میں اتر کر لیٹ گئے تو لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ اسی موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ کسی نے میرے ساتھ اس قدر مہربانی نہیں کی میں نے اپنی قمیص انہیں اس لئے پہنائی ہے کہ جنت میں انہیں حلقہ ملے۔ قبر میں اس لئے لیٹا کہ شدائدِ قبر میں آسانی ہو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو فاطمہ بنتِ اسد پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔“

کس قدر سعید قسمت ہیں حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہا کہ جنہیں حضور نے اپنے لباسِ مبارک کا کفن عطا فرمایا، جس کے جسم سے ہمیشہ کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لباسِ اطہر مَس ہو جائے اس کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا۔

اور یہ سعید بخشی ہمیشہ وقت کا اعزاز بنی رہے گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اس چچی کی قبرِ اطہر میں پہلے خود لیٹے، قبر کی زمین پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک سے مَس ہوئی اور پھر یہ بہشتی گوشہ لحد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد کا مقدر بنا۔



زہے تیرا اعزاز اے فاطمہ
 شہِ دیں کی ہم راز اے فاطمہ
 تری زندگی تھی محمدؐ پہ واری
 تھی آقا کی دم ساز اے فاطمہ



حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

بڑی تو نے علمت ہے پائی حلیمہ
 بنی جب کہ آقا کی دانی حلیمہ
 تھے اوروں کی قسمت میں اوروں کے بچے
 محمد سی رحمت تو لائی حلیمہ
 مقدر کی جانب سے حصہ ترا تھا
 جو توقیر تو نے ہے پائی حلیمہ
 ترے جانور تیز تر بھاگتے تھے
 حبیبِ خدا لے کے آئی حلیمہ
 ترے گھر میں خوشیاں اتر آئیں یکدم
 جو آقا نے برکت دکھائی حلیمہ
 بنو سعد میں ہر طرف ہی کرم تھا
 سعادت ترے گھر جو چھائی حلیمہ
 حیرت دین کی نسبت سے تو محترم ہے
 تری شان رب نے بڑھائی حلیمہ
 رضا کے ہے لفظوں میں شان عقیدت
 بہر سو ہے تری بڑائی حلیمہ



حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

حلیمہؓ تو نے کیا کیا مرتبے ہیں پائے
کہ تیری گود میں سرکار ختم المرسلین آئے
تری خوش قسمتی ننھے محمدؐ نے چنا تجھ کو
تجھے اعزاز دینے کو شفیع المذنبین آئے

شرقائے عرب میں دستور تھا کہ بچوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر پرورش کیلئے دوسری عورتوں کو دے دیتے یا قرب و جوار میں دے دیتے۔ وہ صحرائی قبیلوں کا انتخاب کرتے تاکہ اُن کا بچہ زمانے کے گرم و سرد سہہ کر کو آئندہ دور میں بُلند کر دار ادا کر سکے۔ وہ دایا کا شجرہ نسب خاندان قبیلہ دیکھتے تاکہ اُن کے بچے میں کردار کی بُلندی اور ارادوں کی پختگی پیدا ہو۔ اُن کا کردار قابلِ توصیف ہو اور وہ جوان، تنومند اور بہادری و دلیری میں یکتا ہوں۔

جب چند سال گزر جاتے تو بچوں کی پرورش کرنے والی عورتیں ان بچوں کو والدین کے سپرد کر دیتیں جہاں سے انہیں اکرامات و انعامات سے نوازا جاتا اور پھر وہ دوسرے نو مولود بچوں کا انتخاب کر کے انہیں ہمراہ لے جاتیں۔

حضور محبوبِ دو عالم ﷺ نے جس خاتون کی گود میں پرورش پائی تھی اُس کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ خاوند کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا۔ حضرت حلیمہ کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے تھا جو حِمْیَر اور شیرینی بیان کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ فصاحت و بلاغت اور شانِ گویائی میں بھی عدیم النظر تھا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں سے بڑا فصیح بنایا ہے۔ ایک تو ہمارا قبیلہ

خلافتِ عالم
 فصاحتِ بیان اور شوکتِ زبان میں یکا ہے دوسرے میری پرورش غنی سعد میں ہوئی ہے
 جس کی فصاحت و بلاغت عرب میں مشہور ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے بعد سات دن تک والدہ ماجدہ کا
 دودھ پیا۔ پھر حضرت ثویبہ نے چند دن دودھ پلایا۔ اسی اثناء میں قبیلہ بنو سعد کی چند
 عورتیں بچے لینے کیلئے مکہ میں آ گئیں جن میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ دوسری سب
 عورتیں مالدار گھرانوں کے بچے لے کر چلیں لیکن حضرت حلیمہ کو کوئی بچہ نہ ملا۔ واپس
 جانے والی تھیں کہ معلوم ہوا کہ سردارِ قریش حضرت عبدالمطلب کا ایک یتیم پوتا ہے۔
 خاوند سے مشورہ کیا کہ یہ بچہ تو یتیم ہے باپ وفات پا چکا ہے ہمیں کیا ملے گا۔ البتہ اس
 کے دلوانہایت عالی نسب اور عالی مرتبت ہیں ان کا دھار اور بدبہ ہے شرافت اور نجابت
 ان کے چہرے سے نکلتی ہے بچہ بذاتِ خود انتہائی حسین و جمیل ہے اس کی ماں خود حسن
 و جمال کی بھرپور ہے۔ یقیناً ہماری محنت خالص نہیں جائے گی۔ دونوں میاں بیوی نے آپس
 میں گفتگو کی اور حضرت حلیمہ فوراً بچے کو لے آئیں۔ حضرت آمنہؓ نے فرمایا ”تم نہیں
 جانتیں کہ کتنی بڑی سعادۃٔ سمیٹ کر لے جا رہی ہو۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا جب
 یہی بچہ تمہارے لئے خوش بختیوں کے دروازے کھول دے گا۔“ حضرت حلیمہ کو ابھی کیا خبر
 تھی کہ جس بچے کو اٹھا کر وہ لے کر آ رہی تھیں وہ دنیا و دین کا سرِ بزم ہے۔ نئی آخرت میں
 ہے اسے دودھ پلا کر وہ تاریخِ ساز مقام حاصل کر لیں گی اور انہیں وہ نعمتیں عطا ہوں گی جو
 اس سے قبل کسی دلیلیا پرورش کرنے والی کا مقدر نہیں تھیں۔

جب حلیمہ حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچی تو انہیں نے فرمایا ”تیرا ہم یہ ہے؟“

انہوں نے کہا ”حلیمہ“

فرمایا ”تیرا قبیلہ کیا ہے؟“



عرض کیا: میرا قبیلہ بنو سعد ہے۔

حضرت عبدالمطلب فرطِ مسرت سے بولے:

حلم اور سعد دونوں اکٹھے ہو گئے۔

پھر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا ”حلیمہ! یہ میرا پوتا ہے“ میں اس کا کفیل ہوں۔ تمہاری قوم کی عورتیں اسے دیکھ کر چھوڑ گئیں۔ شاید اُن کے دل میں خدشہ ہو گا کہ اس یتیم کی رضاعت کا عوضانہ ہمیں کیا ملے گا۔ تو اسے لے جا اور پھر دیکھ خدا کے انعامات تجھ پر کس طور نازل ہوتے ہیں؟

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب میں ننھے محمد ﷺ کو لینے کیلئے اس کو ٹھڑی میں گئی جہاں حضور گہوارے میں پڑے تھے تو میں نے دیکھا کہ بہت سفید صوف کا کپڑا آپ کے اوپر اور سبز ریشمی پارچہ آپ کے نیچے ہیں اور آپ کا رخ آسمان کی طرف ہے اور آپ سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑی نرمی کے ساتھ آپ کے سینے پر رکھا تو آپ مسکرائے اور آنکھیں کھولیں اُن سے نورانی شعاعیں نکل کر آسمانوں کو روشن کرتی گئیں۔ میں نے دیکھ کر آپ کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور آپ کو اٹھا لیا۔ پھر میں نے آپ کو گود میں لے کر اپنا دایاں دودھ آپ کے منہ میں دیا تو آپ نے جتنا چاہا پی لیا پھر میں نے آپ کا رخ دوسرے دودھ کی طرف پھیرا تو آپ نے نہ پیا کیونکہ میرا ایک اور بچہ بھی دودھ پیتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے عدل و انصاف کی جلوہ گری تھی اس لئے آپ نے رضاعی بھائی کا حصہ چھوڑ دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس بچے محمد ﷺ کی برکت سے ہماری حالت ہی بدل گئی۔ میری چھاتیوں میں دودھ کم تھا، میرا اپنا بیٹا روتا رہتا تھا مگر میری چھاتیوں میں اتنا دودھ اتر آیا کہ دونوں نے خوب خوب پیا۔ ہماری اونٹنی جس کے تھن

حلیہ علیہ السلام ﴿﴾
 خشک ہو گئے تھے اُس کے تھن دودھ سے بھر گئے اور اس کی کمزوری دُور ہو گئی۔ ہمارا مرل
 گدھا جو سارے قافلے کے پیچھے چلا اس قدر تیز رفتاری سے چلا کہ سارے اہل قافلہ
 حیران رہ گئے۔ ہماری اونٹنی دیکھتے ہی دیکھتے قریب ہوتی گئی۔ اُس کے تھنوں سے ہم بار
 بار دودھ پیتے تھے مگر وہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ گھر پہنچے تو ہماری مرل بکریوں میں
 جان آ گئی، اُن کے جسم قریب ہو گئے۔ خشک تھن دودھ سے لبریز ہو گئے۔ گاؤں کے
 دوسرے جانوروں کا دودھ بدستور خشک تھا سب عورتیں میری طرف رشک کی نگاہوں
 سے دیکھتی تھیں کہ جسے ہم یتیم ہونے کی وجہ سے چھوڑ آئی تھیں وہ تو حلیمہ سعدیہ کے
 پورے گھرانے کے لئے سراپا برکت و رحمت اور خوش بخشی کی علامت بن گیا ہے۔
 حضرت حلیمہ سرور و خوش تھیں کہ اس قدر بڑی سعادت اُن کا مقدر بن چکی ہے۔ ہمارے
 جانور جہاں گھاس چرتے وہاں سُوکی ہوئی گھاس بھی ہری ہو جاتی۔ سب گاؤں والے مجھ
 سے اجازت لے کر اپنے جانور بھی میرے جانوروں کے ساتھ چرانے لگے۔ خدا کی
 قدرت کہ جب اُن جانوروں کو اچھی خوراک ملی تو اُن کے تھنوں میں بھی دودھ اُتر آیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ دو سال تک جب تک آپ دودھ پیتے رہے ہم نے
 خیر و برکت سے گزارے اور اس اثناء میں ہمارے مال و متاع میں روز افزوں ترقی ہوتی
 گئی اور حضور کی نشوونما بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ دو سال کی عمر میں اپنے سے بڑے بچوں
 کے مقابلہ میں طاقتور و توانا اور قد و قامت میں دو بالا دکھائی دیتے تھے۔ ابھی دو ماہ کے
 تھے تو مکن خانہ میں ہر طرف پھرنے لگے۔ تین ماہ کے ہوئے تو پاؤں کے بل اٹھ کھڑے
 ہوئے۔ چار مہینے کے ہوئے تو دیوار کے سہارے چلنے لگے۔ نو ماہ کے ہوئے تو نہایت
 فصاحت سے گفتگو فرمانے لگے۔ دس ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کیساتھ تیر اندازی کرنے
 لگے۔ کوئی نشانہ خطا نہیں جانتا تھا۔“ (حبہ اللہ علی العالمین)



حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والے اس بلند نصیب بچے پر سو جان سے قربان تھے اور نہایت محبت و شفقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہ انہیں لے کر سیدہ آمنہ کے پاس آئیں وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”سیدہ! اس وقت تکے کی آب و ہوا بہت خراب ہے مجھے ڈر ہے بچہ بیمار نہ ہو جائے۔ مجھے اسے واپس لے جانے دیں پھر جب حالات بہتر ہو جائیں گے تو بچے کے ہمراہ حاضر خدمت ہوں گی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی اجازت دے دی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ قبیلہ بنو سعد میں لے آئیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتے وقت جو لوری دیا کرتی تھیں اُس کا ترجمہ یوں ہے:

”اے خدا! اگر تو نے ان کو میرے پرورد کیا ہے تو ان کی حسبِ طلب مدد فرما۔ انہیں علم و بزرگی کی بلندی اور ارتقا نصیب فرما“ انہیں شیاطین اور ان کے شر سے محفوظ رکھ جیسا کہ ان کا حق ہے۔“

پانچ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ بنو سعد میں حضرت حلیمہ کے سایہ رحمت میں پرورش پائی۔ حتیٰ کہ واقعہ شق الصدر پیش کیا۔ ایک روز حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دو بچے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر کھیلنے یا بکریاں چرانے گئے تھے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا: دوسینہ پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور قتل کر ڈالا۔ حضرت حلیمہ کی جان ہی نکل گئی، میاں بیوی دونوں بے تابانہ اس طرف دوڑے۔ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں لیکن چہرہ اقدس کی رنگت متغیر ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے لگایا اور پوچھا: کیا ہوا تھا؟ حضور نے فرمایا ”دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے مجھے چت لٹا کر میرا سینہ چاک کیا۔ اس میں سے میرا

دل کا اور بھراؤں میں سے کوئی چیز نکال لی پھر میرے دل کو اپنے میں دھک کر قہر دست کر دیا۔
 حضرت طبرہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاوند یہ سارا واقعہ سن کر گھبرا گئے۔ حیران و
 پریشان ہو گئے کہ کہیں اس بچے کو شدید گزند ہی نہ پہنچ جائے۔ مشورہ کیا اور حضور ﷺ کو
 ساتھ لے کر مکہ پہنچے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر پانچ سال اور دو دن کی تھی۔ انہوں نے
 نہ چاہتے ہوئے بھی کوفہ میں اس سب سے قیمتی دولت کو ان کی امی جان سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
 کے پرورد کر دیا۔ ساتھ ہی واقعہ شق الصدر بھی تفصیل سے بیان کیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے
 نہ سکون اعجاز میں فرمایا:

”تمہیں اندیشہ ہے کہ کوئی شیطان یا جتن اس بچے کو گزند پہنچائے گا، ہرگز نہیں،
 میرا بیٹا دنیا میں ایک عظیم الشان ہستی بنے گا۔ یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور خدا
 اس کی ہر حالت میں حفاظت کرے گا۔“

پھر سیدہ نے حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے کے اور پیدائش کے وقت کے
 چند معجزات بیان کئے۔ حضرت طبرہ رحمۃ اللہ علیہ کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اس نعمت کو ان کی
 والدہ ماجدہ کے پرورد کر کے دل میں چلی آئیں۔ سرور قریش حضرت عبدالمنہب نے
 حضرت طبرہ رحمۃ اللہ علیہ کو آغا بچھا تھا مہوا کرام میں دیا کہ جس کا قصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔
 حضرت طبرہ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ایک عرصہ بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شان
 سے دیکھا جب ان کا اسلام عالم عرب کا مقدس بن چکا تھا اور اسلام کا پیغام عرب کے صدر
 سے بلند ہو کر دوسرے علاقوں تک پہنچ رہا تھا۔ حضرت طبرہ رحمۃ اللہ علیہ نے لمبی زندگی پائی۔
 شاید خدا نے ان کو اس بچے کا ظاہری عروج بھی دکھانا تھا جس کی انہوں نے نبیوں
 پرورش کی تھی۔ لیکن سجدہ نے محمد بن حنفیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک
 عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اسے دیکھا تو حضور ﷺ انہو فرے



ہوئے۔ آپ کے لبوں پر جاری تھا ”میری ماں، میری ماں“ پھر آپ نے اپنی چادر بچھائی اور اس پر اس خاتون کو احترام سے بٹھایا۔ یہی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضور ﷺ اس سے پہلے بھی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو نوازتے رہے تھے جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقہ میں قحط سالی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ اس طرح ایک مرتبہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کو کئی اونٹنیاں مرحمت فرمائیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

”اصابہ“ میں رقم ہے کہ جب غزوہ حنین کے بعد حضور ﷺ ”مہرانہ“ میں تشریف فرما تھے تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے چادر مبارک پر بٹھایا اور بے پناہ تکریم کی۔ بہر حال یہ امر طے ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کئی بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انعامات سے نوازی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اتنا نوازا کہ دوسرے پھر بچوں کی پرورش کرنے والی کوئی خاتون ان نوازشات کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

قیاس غالب یہی ہے کہ حضرت حلیمہ شرفِ صحابیت اور قبولِ اسلام سے ضرور مشرف ہوئی ہوں گی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ حضور ﷺ سے حد درجہ محبت بھی رکھتی ہوں۔ آپ کی ظاہری عظمت اور روحانی شوکت دیکھیں اور اسلام نہ لائیں۔ وہ تو عالم بچپن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے بہرہ اندوز ہو چکی تھیں۔ امام سہلی لکھتے ہیں کہ ان کے خاوند حارث رضی اللہ عنہ حضور کی بعثت کے بعد ایک دفعہ مکہ آئے تو انہوں نے مشرکین مکہ کے بہکانے کے باوجود اسلام قبول کر لیا اور تازیست اس پر ثابت قدم

رہے۔ ظاہر ہے کہ حادثہ ﷺ کے قیامت اسلام کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے میں کوئی شک ہی نہیں رہ جاتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سراپا نور تھے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بچپن کا خوب مشاہدہ کیا تھا اور وہ تمام برکات خوب سمیٹی تھیں جو آپ پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی تھی۔ یہ کیا کم ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

”جب سے ہم آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال کو گھرا لائے ہیں ہم رات کو چراغ جلانے کے محتاج نہیں رہے کیونکہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کا نور چراغ کی روشنی پر غالب تھا۔
مست ہو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہی کا ارشاد ہے:

”جس روز ہم حضور ﷺ کو لے کر آئے تو ہماری قوم کا کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جس سے کستوری کی خوشبو نہ آرہی ہو اور اہل دیہہ کے دلوں میں آپ کی برکت کا اس قدر یقین ہوا کہ اگر کسی کو کوئی دکھ درد ہوتا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جائے درد پر رکھ دیتا۔ آپ کے دست مبارک کی برکت سے فوراً شفا پاتا۔ اسی طرح اگر کسی کے اونٹ بکری کو کوئی بیماری ہو جاتی تو آپ کا ہاتھ لگانے سے فوراً آرام آ جاتا۔“

(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۵۶)

مطر ہوا جس کی خوشبو سے گھر
یہ کس باغ سے پھول لاتی حلیمہ
بڑی تو نے تو قیر پائی حلیمہ
کہ ہے تو محمد کی دانی حلیمہ



حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا

شہِ والا نے جن کو ماں کہا وہ اُمّ ایمن تھیں
 وقار و عظمتِ ایمان تھیں؛ رحمت کا خرمین تھیں
 خزاں کے ظلم سے ہرگز کبھی مرجھا نہیں سکتا
 ابد تک جو مہکتا ہی رہا ہے ایسا گلشن تھیں
 جنابِ زیدؑ جیسے حسینؑ، اسلام کی زوجہ
 رضائے مصطفیٰؐ سے جو مہکتا ہے وہ دامن تھیں
 فدائے سرورِ کونین تھیں ہر آن ہر لمحہ
 لٹائے روشنی عشقِ نبی کی، ایسا خرمین تھیں
 نبی پاک پر واری تھیں بچپن سے وہ آخر تک
 تصدقِ اسمِ سلطانِ دو عالم پر ہمہ تن تھیں
 زہے قسمت انہوں نے پرورش کی شاہِ والا کی
 اسی خاطر سراپا محترم، تھیں اور احسن تھیں
 محبانِ نبی اُن کو ادب سے یاد کرتے تھے
 رضا اعدائے احمد کی وہ ہر حالت میں دشمن تھی

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو کئی اعزازات حاصل ہیں۔ صحابیہ ہونے کا شرف بے پناہ عزت و توقیر اور عظمت کا حامل ہے لیکن جس اعزاز پر آپ ہمیشہ فخر کرتی تھیں وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ آپ کو آتی کہہ کر پکارا کرتے تھے کیونکہ سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا (مادر رسول محترم) کے وصال کے بعد حضرت اُمّ ایمن نے آپ کی جی بھر کر خدمت کی۔ حضور ﷺ اُن کو دیکھتے ہی فرمایا کرتے تھے ”اُمّ ایمن میری ماں ہیں۔“ حضور ﷺ اُن کی طرف نظر کرتے تو فرماتے:

هَلِدِه بَقِيَّةُ أَهْلِ بَيْتِي

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کی ہر ممکن طریق سے خدمت کی تھی۔ اس لئے انہیں حضور ﷺ پر بہت ناز تھا۔ رسول کریم ﷺ اکثر اُن کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے شربت پیش کیا۔ آپ روزے سے تھے اس لئے بہت ناراض ہوئیں مگر رسول کریم ﷺ نے صورتِ حال سے انہیں آگاہ کر کے امی امی کہہ کے منالیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ سے اُونٹ مانگا کیونکہ میرے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں ہے تو حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: اُونٹ کا بچہ پیش کر دیتا ہوں۔ آپ نے قدرے خفگی سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اُونٹ کا بچہ نہیں اُونٹ درکار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”امی! آپ کو اُونٹ کا بچہ ہی ملے گا۔ مگر اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے بچے کی کیا ضرورت ہے میں تو اُونٹ ہی لوں گی۔ اتنی دیر میں حضور ﷺ کا اشارہ پا کر ایک غلام اُونٹ لے کر آیا اور



اُس کی مہار اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو تھما دی اور پھر فرمایا ”امی ہر اُونٹ اُونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔“
حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا صورتحال کو سمجھ کر مسکرائے لگیں۔

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کا نام برکتہ تھا۔ والدہ کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ اُمّ ایمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے بن شعور کو پہنچ چکی تھیں اور بچپن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے ساتھ کنیز کے طور پر رہتی تھیں۔ حضرت عبد اللہ فوت ہوئے تو حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی تو آپ حضرت آمنہ کی خدمت گیری پر مامور تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولادت کے بعد پانچ یا چھ برس تک حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس پرورش پاتے رہے پھر انہوں نے آپ کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ گزرا تو حضرت آمنہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لے گئیں۔ حضرت آمنہ خاندان بنو نجار کے ہاں مقیم ہوئیں جو حضور کے دادا کا نہال تھا۔ حضرت آمنہ نے مدینہ منورہ میں ایک مہینہ قیام کر کے اُمّ ایمن کے ساتھ واپسی کی ٹھانی۔ مقام ابواء کے قریب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اچانک بیمار ہو گئیں اور دارقانی سے کوچ کر گئیں۔ ننھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بڑے صدمے سے دوچار ہوئے ہوں گے اور آپ نے اور اُمّ ایمن نے یہ صدمہ کیسے برداشت کیا ہوگا خدای بہتر جانتا ہے۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے بڑے صبر و حوصلہ سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو وہیں سپردِ خاک کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت عبد المطلب کے پاس حاضر ہوئیں جنہوں نے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اور پرورش پر مامور کر دیا۔ علامہ ابن سعد کی روایت کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور ننھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ پر قیام کے دوران حضرت آمنہ ایک بات بطور خاص طور پر فرماتی رہیں۔ وہ فرماتی تھیں۔

”قیامِ یثرب کے دوران میں یہودی کی ایک جماعت آ کر نئے حضور ﷺ کو دیکھا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ یہ لڑکا آخری نبی معلوم ہوتا ہے اور یہی شہر ہے جہاں وہ ہجرت کر کے آئے گا۔“

جب آقا و مولا جوان ہوئے تو اُمّ ایمن و راحۃ بطور کنیز آپ کے ہتھے میں آئیں مگر آپ نے آزاد فرما دیا۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر عبید بن زید تھے جو یثرب کے خاندان حارث بن خریج سے تعلق رکھتے تھے۔

عبید زمانہ جاہلیت میں یثرب سے مکہ آ کر مقیم ہو گئے تھے یہیں اُن کا نکاح اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد وہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشرف باسلام ہو گئے تھے کیونکہ بعض روایوں میں ان کو صحابی اور انصاری بھی لکھا گیا ہے۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد عبید اُمّ ایمن کو ساتھ لے کر یثرب چلے گئے۔ وہاں ان کے حلب سے مشہور صحابی حضرت اُمّ ایمن پیدا ہوئے۔ عبید بیٹے کی ولادت کے بعد زیادہ عرصہ زعمہ نہ رہے اور انہوں نے ہجرت نبوی سے کئی سال قبل یثرب میں ہی وفات پائی۔

جناب عبید کی وفات کے بعد حضرت اُمّ ایمن اپنے خورد سال فرزند اُمّ ایمن کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن کی ہر طرح سے دلجوئی فرمائی۔ ایک دن صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا:

”اگر کوئی شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے تو وہ اُمّ ایمن سے نکاح کرے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر آپ کے محبوب خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث نے حضرت اُمّ ایمن سے نکاح کر لیا۔ ۷ بعثت میں حضرت اُمّ ایمن کے وطن سے حضرت

اُسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ اپنے جلیل القدر والد کی طرح انہیں بھی حب النبی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت اُم ایمن ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ اس لئے آپ کو السابقون الاولون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مکہ میں اس دور میں اسلام قبول کرنا اور اس کا اعلان کرنا خود کو مصائب کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔ جو مسلمان ہو جاتا اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے۔ ایسا ہی بدترین سلوک حضرت اُم ایمن کے ساتھ بھی ہونے لگا۔ ظلم و ستم کی انتہاء ہونے لگی تو محبوب دو عالم ﷺ نے ۵ نبوی میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی۔ جب مدینہ منورہ میں امن و راحت سے زندگی بسر کرنے کے اسباب پیدا ہو گئے تو آقائے رحمت نے مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت اُم ایمن بھی ایسے ہی مہاجرین میں شامل تھیں۔ وہ چند سال حبش میں قیام کرنے کے بعد غزوہ اُحد سے پہلے مدینہ منورہ واپس آئیں لیکن حافظ ابن عبد البر طبرانی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ وہ ہجرت نبوی کے وقت مکہ ہی میں مقیم تھیں۔ چند ماہ بعد ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہ (جوان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے) مکہ آئے اور اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت اُم ایمن اور اپنے فرزند حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

غزوہ اُحد ۳ ہجری کے وقت اگرچہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کافی معتر تھیں لیکن ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ گھر میں بیٹھی رہیں۔ چنانچہ وہ ان خواتین میں شامل ہو گئیں جو مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ اُحد کے بعد وہ غزوہ

غیر میں شریک ہوئیں اور یہی خدمت انجام دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کے صاحبزادے ایمن بھی اس جنگ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑ کر شہید ہو گئے لیکن اکثر مورخین کے مطابق ان کا نام غزوہ اُحُد کے شہداء میں نہیں ملتا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ کی شہادت غزوہ حنین میں ہوئی۔

جنگ موتہ میں حضور ﷺ نے انہیں لشکرِ اسلام کا سالار بنا کر بھیجا وہ کفار سے بڑی بہادری سے لڑے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت محمد ﷺ نے ان کی شہادت کے غم کو بہت محسوس کیا۔ اُمّ ایمن کو تسلی دی، حضور ﷺ حضرت زید علیہ السلام کے بیٹے حضرت اُسامہ بن زید سے بہت پیار کرتے تھے اور وہ حب رسول اللہ (رسول اللہ کے محبوب) مشہور ہے۔ آپ اپنے شہزادوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت اُسامہ سے بھی خصوصی شفقت فرماتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے ایک زانو پر امام حسین اور ایک پر اُسامہ کو بٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے۔

”خدا! میں دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما“

بعض شراکینزدوں نے حضرت زید بن حارثہ علیہ السلام کی شہادت سے پہلے مشہور کر لکھا تھا کہ اُسامہ زید کی صلب ہی نہیں۔ حضور سخت آزرده ہوئے۔

اسی زمانے میں اتفاق سے ایک دن عرب کا مشہور قیافہ شناس مجرز حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت اُسامہ علیہ السلام اپنے والد زید علیہ السلام کے ساتھ سر سے پاؤں تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں کے صرف پاؤں چادر سے باہر تھے۔ حضور ﷺ نے مجرز سے فرمایا ”ذرا ہٹاؤ تو ان پاؤں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟“ مجرز نے پاؤں پر نظر ڈالی اور عرض کی ”یہ باپ اور بیٹا ہیں“۔ اس کا محاب بن کر حضور ﷺ کو بڑی مسرت ہوئی اور حاسدین کی زبان ہمیشہ کیلئے بند ہو گئیں۔



اب ۱۰ھ آ پہنچا۔ حضور ﷺ کے وصال کے دن قریب آرہے تھے پھر بھی آپ نے جنگ موتہ کا بدلہ لینے کیلئے ایک لشکر تیار فرمایا جس میں حضرت صدیق اکبرؓ عمر فاروق اعظمؓ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ حضور ﷺ کی رحمت نوازی نے اس لشکر کی قیادت حضرت اُسامہ بن زید کو عطا فرمائی۔ آپ نے لشکر کو الوداع کہا ہی تھا کہ حضور ﷺ کی علالت کی خبر عام ہو گئی۔

حضرت اُمّ ایمنؓ خاتینِ ہاشمی کے بہت سے مرد اور عورتوں کا وقتِ آخر دیکھ چکی تھیں۔ حضور ﷺ کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اب حضور ﷺ اس دایرِ قافی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ فوراً حضرت اُسامہ کے پیچھے آدی دوڑایا کہ حضور ﷺ ہمیں دایرِ مفارقت دے رہے ہیں۔ فوراً مدینہ آؤ۔ چنانچہ حضرت اُسامہؓ بعض دوست صحابہ کرام کے ہمراہ فوراً جُزف سے مدینہ واپس آ گئے اور حضور کے وصال کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کو حضور ﷺ کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا۔ فرطِ الم سے بڑھال ہو گئیں ان کا رونا تھمتا ہی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا ”رسولِ اکرم ﷺ کیلئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔“ حضرت اُمّ ایمن نے جواب دیا ”یہ تو مجھے معلوم ہے روتی میں اس لئے ہوں کہ وحیِ الہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر حضرت صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ پر رقت طاری ہو گئی اور دونوں رونے لگے۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے ”طبقات ابن سعد میں ہے کہ لوگوں نے حضرت اُمّ ایمنؓ کو سمجھایا تو کہنے لگیں ”یہ تو میں جانتی تھی کہ رسول اللہ سے مفارقت ہو گئی لیکن

رونا مجھے اس بات پر آتا ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔“

حضور ﷺ کے پاس انصار کے دیئے ہوئے بہت سے نخلستان تھے جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہوا تو حضور ﷺ نے انصار کو اُن کے نخلستان واپس کرنا شروع کئے اُن میں سے کچھ نخلستان حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھی تھے جو حضور ﷺ نے اُمّ ایمن کو عطا کر دیئے تھے جب حضور نے یہ نخلستان حضرت انس رضی اللہ عنہ کو واپس لوٹائے اور وہ ان کا قبضہ لینے گئے تو حضرت اُمّ ایمن اُن کے واپس دینے میں مُتردو ہوئیں۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے ان باغات سے دس گنا زیادہ عطا فرما کر اُمّ ایمن کو راضی کر دیا۔

صاحب طبقات علّامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین کے عہدِ خلافت میں کجور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار پرائم تھا۔ اسی زمانہ میں ایک دن حضرت اُسامہ بن زید نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اُس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا ”یہ آپ کیا کر رہے ہیں کہ اتنے قیمتی درخت کو ضائع کرتے ہیں“۔ حضرت اُسامہ نے جواب دیا:

”میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں میں اس کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن حضرت عثمان کے عہدِ خلافت تک زندہ تھیں اور صحیح یہی ہے کہ انہیں کے دورِ خلافت میں انہوں نے بڑی طویل عمر کے بعد وفات پائی۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابن عبد اللہ اور ابو یزید مدنی شامل ہیں۔

زمانہ کہیں سے کہیں سفر کر جائے اور حالات کی گردشیں وقت کو چاہے جس



طرف لے جائیں۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات مبارک حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو بے پناہ عزیز تھیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے وقت کا شانہ عبد اللہ میں دایہ کی خدمات انجام دی تھیں۔ ننھے محمد رسول اللہ ﷺ کو لوریاں دی تھیں۔ حضور ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلے گئے تو آپ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شب و روز دل لگا کر خدمت کرتیں۔ ان کے خاوند حضرت عبد اللہ وصال فرما چکے تھے۔ یہ حضرت آمنہ کی خوب خوب دلجوئی کرتیں۔ حضرت عبد المطلب بھی آپ کو بہت عزیز جانتے تھے۔ باوجودیکہ یہ کنیز تھیں انہیں ان کی خدمات اور عقیدت کی وجہ سے انہیں خاندان ہاشمی کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضرت محمد ﷺ کو واپس اُن کی امی کے پاس چھوڑ گئیں تو آپ پھر سے حضور ﷺ پر دل و جان سے نثار ہونے لگیں۔ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے نہ صرف حضور ﷺ کو گودوں کھلایا تھا اور آپ کی پرورش کی تھی بلکہ آپ کے والد والدہ چچا دادا اور دوسرے بزرگوں کی آنکھیں بھی دیکھی تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ ان کی محبت میں کوئی کمی آنے نہیں دیتے تھے اور ان کی ہر فرمائش کو پورا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا نہایت بہادر اور شیر دل خاتون تھیں۔ غزوات نبوی ﷺ میں کئی بار لشکرِ اسلام کے ساتھ گئیں زخمیوں کو پانی پلاتیں، مجروحین کی امداد کرتیں، دوسری چند صحابیات بھی ان معرکوں میں آپ کے ہمراہ ہوتیں۔ اُن کے ساتھ مل کر آپ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور بعض اوقات نبی کریم ﷺ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتیں، چونکہ آپ نبی کریم ﷺ کو بے حد عزیز تھیں اور حضور ﷺ آپ کو امی کہہ کر پکارتے تھے اس لئے دیگر صحابہ بھی آپ کی بہت زیادہ عزت کرتے۔ آپ کو جتنے خلفائے راشدین کا زمانہ میسر آیا اُن سب نے آپ کو عزت و توقیر سے نوازا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب

شہ کونین کی پھونکی فدا تھی شہ والا پر
 حافظ دین احمدؒ کی فدائے رحمت داور
 بہادر تھیں شجاع و شیر دل تھی حسن فطرت تھیں
 شہ کونین کی تھی ذات اُن کی فکر کا محور
 عمر مصطفیٰ کو تھی محبت آپ سے بے حد
 نوازا سرور دیں نے دعاؤں سے انہیں اکثر
 ہیں خدق کی لڑائی میں ہویدا جراتیں اُن کی
 جو سر کاٹا یہودی کا تو بیت چھائی باطل پر
 بہادر تھیں کہ اُن پہ عازیوں کو رکھ آتا تھا
 یہ تھیں نجات دہری اور شجاعت کی جیسے منظر
 انہوں نے اپنے بیٹے کو کچھ اس انداز سے پالا
 حواری بن گئے حضرت زبیرؓ اسلام کے رہبر
 رضا سیرت صفیہؓ کی ہے شمع نور کی صورت
 کہ اُن پر مہرباں ہر آن تھے کونین کے سرور

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سردارِ قریش حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی چھوٹی بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھتیجے سے تمام زندگی بے پناہ محبت کی۔ ضرورت پڑی تو ان پر جان بھی نچا اور کرنے سے دریغ نہ کیا۔ آپ نہایت ذہین، معاملہ فہم اور دور اندیش خاتون تھیں۔ بہادری اور دلیری کے اوصاف خاندانی ورثہ تھے۔ تمام عرب میں آپ حسب و نسب، قول و فعل اور گفتار و کردار کے لحاظ سے مثالی مقام رکھتی تھیں، خوبصورت گفتگو کرتی تھیں، لہجہ مدجوش تھا، شاعری کا سلیقہ بھی رکھتی تھیں، کسی کامریشہ کہتیں تو آنسوؤں کا سمندر پھا ہو جاتا اور جب دشمن کو لٹکارتیں تو ایسا لگتا جیسے جرات و ہمت مجسم ہو کر محو کلام ہیں۔

۔ ہو حلقہٴ یاراں تو برہنم کی طرح نرم

رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جرات و ہمت اور غیرتِ اسلامی کی تصویر تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ کی رائے کو قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ کیلئے بھی حضرت محمد ﷺ فقط جان سے عزیز بھتیجے نہ تھے بلکہ محبوبِ خدا اور رسول اللہ تھے۔ اس لئے آپ نے رشتے میں بزرگ ہونے کے باوجود کبھی بھی نبی کریم ﷺ کے احترام میں کمی نہ آنے دی۔ اس عظیم خاتون کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔

حضرت صفیہ ہالہ بنت وہیب (یا اہیب) بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب

بن مرہ کے بطن سے تھیں جو سرورِ عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضور ﷺ کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی

تھیں۔ شیرِ خدا حضرت حمزہ ؓ شہیدِ اُحد اُن کے حقیقی بھائی تھے۔ سرورِ عالم ؐ کے حضرت والدِ ماجد عبداللہ ؓ حضرت عبدالطلب کی ایک دوسری بیوی فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے تھے۔ ان رشتے سے حضرت صفیہ ؓ حضورِ نبی کریم ؐ کی چھوٹی بھی تھیں۔ اس لئے انہیں عمتہ النبی ؓ کہا جاتا ہے۔ حضور ؐ کی دوسری چھوٹی بہنیں اُمّ حکیم بیضا امیمہ عاتکہؓ اور ابوئی کے اسلام کے بارے میں اہلِ سیر میں اختلاف ہے لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”أسد الغابہ“ میں لکھا ہے ”والصحيح انه لم يسلم غيرها“ صحیح یہ ہے کہ اُن کے رسول اللہ ؐ کی کسی چھوٹی بھی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

اگرچہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ قیم نے عاتکہ اور ابوئی کو بھی اسلام لانے والی خواتین میں شامل کیا ہے لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادتِ امدوزِ ایمان ہو گئیں اور سابقون الاولون کی اُس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ سرورِ عالم ؐ اور اُن کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے اس لئے وہ قریب قریب حضور کی ہم سن تھیں۔

حضرت صفیہ ؓ کا پہلا نکاح حارث بن حرب اموی سے ہوا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اُس کے انتقال سے بعد عوام بن خویلد قرشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں جو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے بھائی تھے۔ حواری رسول حضرت زبیر ؓ انہی عوام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر ؓ ابھی کسین ہی تھے کہ سایہِ پدری سے محروم ہو گئے۔ اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بالکل جوان تھیں لیکن اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمتِ عالم ؐ مبعوث ہوئے

اور لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے بلا تامل اسلام قبول کر لیا اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی جن کی عمر اس وقت سولہ سال تھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تربیت عمدہ طریق سے کی۔ اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند بڑا ہو کر ایک عذر اور بہادر سپاہی بنے۔ چنانچہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زبردستی اور زور کو ب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن صحیحہ کو ماں کے ہاتھوں پیٹے دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہ کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں سے بھی کہا کہ وہ صفیہ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اُن کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں تھا:

”جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر بن العوام) سے عداوت رکھتی ہوں اس نے غلط کہا“ میں تو اس کو عقلمند اور زیرک بنانے کے لئے جانتی ہوں تاکہ یہ فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اصابہ“ میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انہوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کرنے کی بجائے لوگوں سے سوال کیا ”تم نے زبیر کیسا پایا بہادر یا بزدل؟“ غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑے ہو کر ایک دلاور صف شکن اور صیغم شجاعت بنے۔ مبداء فیض نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یوں بھی فطرت

مسجد سے نوازا تھا ماں کی تربیت نے اُن کی خوبیوں کو اور بھی چمکادیا اور اُن کے دل میں اسلام اور داعی اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی۔ رحمت عالم ﷺ سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والہانہ شیخگی کا عجیب عالم تھا۔ بحث کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب وہ انوارِ نبوی کے حضور ﷺ کو نصیب دشمنانِ مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ نکوار سونت کر برق رفتاری سے آستانہ نبوی پر پہنچے۔ حضور کو وہاں بخیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشارت سے ٹکٹار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اُن کی ششیرِ ہند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”زبیر یہ کیا ہے؟“ عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان“ میں نے سنا تھا کہ آپ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیئے گئے ہیں۔“ حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ”اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غضبناک انداز میں کہا ”میں غیرت مند ماں کا بیٹا ہوں خدا کی قسم میں کفار کی لعنت سے لعنت بجا دیتا۔“

۵ بحث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے محبوبِ لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ قولِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زبیر بھی کفار کے جوہرِ ستم کا پرف بن گئے تھے بالخصوص اُن کا چچا نوفل بن خویلد ان پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ایما پر پندرہ بلاکشان اسلام کا ایک قافلہ رجب ۵ میں حبش کی طرف ہجرت کر گیا اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ماں پر اُن کی جدائی سخت شاق تھی لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزندِ عزیز کو کالے کوسوں دور روانہ کر دیا۔ اُن مہاجرینِ راہِ

حق کو جہش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہوں نے ایک دل خوش کن خبر سنی۔ یہ کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اور کفار اور مسلمانوں میں صلح ہو گئی ہے مگر جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے مسلمان خوشی و مسرت کے جذبات لئے سر زمین مکہ پر پہنچے تو انہیں یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ یہ سب افواہ تھی جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جان بچانے اور کفار کے ستم سے بچنے کیلئے مکہ مکرمہ کے کسی سردار کی پناہ میں آنا ضروری تھا۔ حضرت زبیر بن العوام نے زمعہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہ کو پیارے بیٹے کے اچانک آجانے سے غیر معمولی فرحت و مسرت کا احساس ہوا۔ اسی دوران میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا جو کامیاب ہوا اور اس کے ساتھ ہی ان کی شادی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ اس رشتے کو سب نے بڑی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔

سلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارض مکہ کو الوداع کہہ کر عازم مدینہ ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تجارت کے لئے شام گئے ہوئے تھے جب وہ شام سے مکے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سروردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اپنے خسر) کی خدمت میں چند سفید کپڑے تحفہ پیش کئے اور وہ یہی سفید کپڑے زیب تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔

مکے واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت صفیہ اور اہلیہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کے ہمراہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت قباء میں قیام پذیر رہے۔ وہیں اہل میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق

۲ھ میں) حضرت اسماء کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت صفیہ کے اس پوتے کی ولادت تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس لئے کہ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے جوشِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے کہ دشت و جبل گونج اُٹھے۔ مسلمانوں کا یہ جوش و خروش اور خوشی و مسرت کے غیر معمولی جذبات دراصل ان طعنوں کا جواب تھے جو مدینہ منورہ کے یہود اور منافق مسلمانوں کو دے رہے تھے۔

حضرت صفیہ کو اپنے پیارے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے بہت زیادہ پیار تھا جب غزوہٴ احدِ پیار ہوا تو مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ تیر اندازی کے دتے کی غفلت کی بناء پر بے سود ٹھہری۔ اس میں مسلمان سخت نقصانات سے دوچار ہوئے۔ اس ضمن میں جنگِ آزما خاتون حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کچھ مسلمانوں کو مدینے کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو نیزہ ہاتھ میں لئے جوشِ غضب سے چلائیں کہ محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو میدانِ احد میں ہیں تم کدھر جا رہے ہو۔ اس طرح وہ مسلمان پھر سے میدانِ احد کی طرف پلٹے۔ آپ خود بھی خواتینِ اسلام کو ہمراہ لے کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلانے کیلئے میدانِ احد میں پہنچ گئیں۔

احد کا میدان مسلمان شہداء کی لاشوں سے لہو رنگ تھا۔ مسلمانوں کو ایک نقصانِ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ یہ تھا کہ اسد اللہ اور اسد الرسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب شہید ہو گئے تھے۔ انہوں نے کافروں کی ایک بڑی تعداد کو شہید کیا تھا مگر جبیر بن مطعم کے قلام وحشی بن حرب نے بر چھاما مار ان کو شہادت سے ہمکنار کر دیا تھا۔



ابوسفیان کی بیوی نے میدان بدر میں اپنے خاندان کی موت کا بدلہ لینے کیلئے وحشی کو آمادہ کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد ہندہ بنت عتبہ نے اپنے باپ عتبہ کی موت کا بدلہ لینے کیلئے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پاک کا مثلہ کیا۔

اُن کے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ اُن کا سینہ چاک کر کے دل نکال کر چبانے لگی۔ وہ جوش انتقام میں اندھی ہو گئی تھی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی پیارے چچا جان کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر شدید غمگین تھے۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے دل غم میں ڈوبا ہوا تھا ایسے عالم میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کو میدان جنگ کی طرف آتے دیکھا تو سوچا کہ اگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ لاش دیکھی تو اُن کے دل پر کیا گزرے گی اور معلوم نہیں زبان سے شدتِ غم میں کیا کچھ کہہ بیٹھیں۔ اس لئے آپ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت صفیہ اپنے عظیم بھائی کی لاش کو اس عالم میں دیکھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی امی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جذبات سے آگاہ فرمایا تو وہ رُک گئیں اور فرمانے لگیں:

”میں جان چکی ہوں کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں مگر میں صبر و ضبط کا مظاہرہ کروں گی۔“

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنے کی اجازت دی۔ آپ لاش کے قریب گئیں اپنے شیرِ دل اور شجاع بھائی کی کٹی پھٹی لاش دیکھی۔ دل بھر آیا، آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں مگر زبان سے خاموش رہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے مغفرت مانگی اور اُن کی تدفین کیلئے دو چادریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیں اور واپس مدینہ طیبہ لوٹ آئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا محبوب بھائی کیلئے دعائے مغفرت

مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہو گیا پھر آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ عرشِ معلیٰ پر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اسد اللہ اسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسول کا شیر) لکھا گیا ہے۔“

غزوہٴ اُحُد کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے غزوہٴ خندق میں شرکت کی اور اس میں اُس جرات و پامردی کا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک حیران رہ گئی۔ اس غزوہ میں حضور ﷺ نے مستورات کو بغرض حفاظت انصار کے ایک قلعہ فارع میں ٹھہرایا تھا۔ یہ قلعہ یہودی بنو قریظہ کی آبادی کے قریب واقع تھا۔ یہود نے مسلمانوں کو جنگ میں مشغول دیکھا اور دیکھا کہ مسلمان پوری ہمدی کے ساتھ خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کی ٹھانی۔ اس غرض سے انہوں نے ایک یہودی جاسوس کو حصارِ فارع کی طرف روانہ کیا کہ مسلمان مستورات کی باتیں سنے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمانوں کے جذبات اور حوصلہ ہمدی کا کیا عالم ہے۔ جب وہ یہودی جاسوس ”حصارِ فارع“ کے چکر لگا رہا تھا تو حضرت صفیہ نے اُسے دیکھ لیا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ یہودی جاسوس ہے اور کسی بُری نیت ہی سے آیا ہے اور اس کی اس حرکت کے نتائج مسلمانوں کے حق میں خطرناک بھی ہو سکتے ہیں اور اگر اس نے یہودیوں کو بتا دیا کہ قلعہ میں فقط مسلمان عورتیں ہیں تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

آپ نے قلعہ کے نگران مشہور شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اتنے طاقتور نہیں تھے یا ان دنوں کسی بیماری نے انہیں کمزور کر رکھا تھا اس لئے کہنے لگے:



”مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا میں اگر لڑنے کے قابل ہوتا تو یہاں نہ ہوتا بلکہ جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑا ہوتا۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے اٹھ کر خیمہ کی ایک چوپا کھاڑی اور جا کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بعد اس یہودی کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک دیا۔ بنو قریظہ کے یہودیوں نے کہا کہ ضرور قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عبدالمطلب کی معاملہ فہمی دور اندیشی ایمانی استقامت اور دلیری و شجاعت ہی کا کمال تھا کہ مسلمان اندرون مدینہ ایک خطرہ سے دوچار ہونے سے بچ گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عبدالمطلب نامور شاعرہ بھی تھیں۔ عرب کی سرزمین شاعری کے لحاظ سے بہت سازگار معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ میں درجنوں ایسے مردوں اور عورتوں کے نام ملے ہیں جنہوں نے نظمیں بھی کہیں پڑ درو مرھے بھی کہے اور جب آفتاب نبوت نے اپنی جلوہ افروزیوں سے زمانے کو منور کر دیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں نعتوں کے گلاب بھی نذر کئے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی شاعرانہ صلاحیتوں کا جائزہ لینے کیلئے وہ مرثیہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنے والد گرامی کی وفات پر کہا تھا۔ تاریخ میں ان کے متعدد مرھے ملتے ہیں جن سے ان کی خداداد شعری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی فصاحت و بلاغت کے پھول کھلتے نظر آتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے کہے گئے مرثیوں سے چند اشعار کا ترجمہ پیش ہے:



”رات کو ایک لوح کرنے والی کی آواز نے مجھے ڈلا دیا

وہ ایک مردِ کریم پر لوح کٹاں تھی۔

اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔

افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر

جو یہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چہرہ چادور و در تک تھا

وہ عالی نسب صاحبِ جود و سخا اور قحط سالی میں لوگوں کیلئے ابرِ رحمت تھا۔

پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا

(لیکن دوام کی کوئی صورت نہیں)

تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بناء پر بہت زمانے تک زندہ رہتا۔“

جب حضور نبی کریم ﷺ نے وصال فرمایا تو انہیں ایسا لگا جیسے قیامت ٹوٹ

پڑی ہو۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کے نزدیک مدینہ

طیبہ آپ ہی کے دم سے آباد تھا۔ حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حد درجہ احترام و محبت

سے نوازتے تھے۔ آپ کی کسی بات کو رد نہ کرتے۔ آپ کی اولاد کو بھی اپنی محبت خاص

سے حصہ وافر عطا کرتے۔ قرعی رشتہ داری بھی تھی اور عشق و عقیدت کا اہم رشتہ بھی

تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ کو یوں لگا

جیسے پوری دنیا اندھیر ہو گئی۔ شدتِ الم سے آپ کی زبان سے رنج و الم کی ترجمانی کرنے

والے اشعار فک پڑے جن میں سے چند کا ترجمہ ذرا قارئین سے:

یا رسول اللہ! آپ ہماری اُمید تھے

آپ ہمارے محسن تھے ظالم نہ تھے

آپ رحیم تھے ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے



آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے
 رسول اللہ پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں
 پھر میں خود اور میرا مال بھی
 کاش! اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا
 تو ہم کیسے خوش قسمت تھے
 لیکن حکم الہی اٹل ہے
 آپ پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جناتِ عدن میں داخل ہوں
 ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے:

”اے آنکھ رسول اللہ کی وفات پر خوب آنسو بہا“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۷۳ سال عمر پائی اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت
 میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں، حافظ ابن حجر نے ”اصابہ“ میں ایک شعر
 حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے جس سے ان کی بلاغت،
 قدرتِ کلام کا اظہار ہوتا ہے۔ اس شعر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتی ہیں:
 ”آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ اس سے
 پہلے وہ روشن تھا۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔
 ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی خالہ تھیں۔ گویا حضرت صفیہ
 رضی اللہ عنہا ایک طرف تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور دوسری طرف خالہ زاد بہن۔ سید
 الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ کے حقیقی بھائی تھے۔

غرض حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب بہترین بیٹی، بہترین ماں، بہترین

مظہر اور اوصافِ حسنہ سے آراستہ خاتون تھیں۔ آپ کو اپنے خاندانی وقار پر بڑا ناز تھا مگر جب حلقہِ یگوشِ اسلام ہوئیں تو ان کی تمام تر عزت و توقیر اور وقار کا معیار فقط محبتِ رسول ﷺ ہی سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ تمام زندگی اپنے بیٹے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں مگر ان کا دل فقط اور فقط خوشنودیِ رسولِ کریم ﷺ کیلئے دھڑکتا تھا۔

.....O.....

خدا کی رحمتیں دائم ہوں اس خاتونِ والا پر
سدا راضی رہے جن سے نہی سید و سرور
ہمیشہ آپ کا کردار مثلِ شمع روشن ہو
لحدِ اُن کی حد دیں کی شفاعت کی رہے مظہر





حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا لبابۃ الکبریٰ

محبت شاہِ عالم کی شعارِ زندگی اُن کا بہت ہی لطف فرماتے تھے اُن پر سرورِ بطنیا جنابِ حضرت عباسؓ کی بیوی تعالیٰ اللہ سدا خلاقِ عالم نے کرم تھا اُن پہ فرمایا بہت مشغول رہتی تھیں عبادت میں ریاضت میں مگر کُفار پر تھیں سخت ایمانی جلالت میں دل و جاں میں ببارکھی تھی چاہت شاہِ والا کی کرم بار ان پہ ہوتی تھی عنایت حق تعالیٰ کی اُنہی کے اُسوۂ پُر نور سے ہر سو اُجالا ہے ہر اک دن کا عمل تبلیغِ ایمان کا حوالا ہے یہ خوش بختی کہ اتنی تھیں یہ ایسے پیارے بیٹوں کی کہ جن کے فیض سے تھی دین کی دنیا مہک اُٹھی اُنہی کے کارناموں سے یہ بزمِ حق مزین ہے مہک اے رضا اُن سے وفاداری کا گلشن ہے

حضرت اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اسلام کے فروغ اور اس کی اشاعت میں صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ اہم کردار صحابیات عظام کا ہے۔ یہ کہنے کو تو خواتین تھیں مگر ان کی جرأت ایمانی، حوصلہ مندی اور استقلالِ دین کے جوہر مردوں سے کسی طور کم نہ تھے۔ اس لئے تذکارِ سیرت میں ان بلند مرتبہ خواتین اسلام کے کارنامے بھی اہل ایمان کو ذوق و شوق کی نعمت سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ ان نامور خواتین میں سے ایک اہم نام حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ حضرت اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

حضرت لبابہ بنت حارث جو بالعموم اپنی کنیت ”اُمّ الفضل“ سے مشہور ہیں، نہایت بلند مرتبہ صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ کبریٰ ان کا لقب ہے اس لئے سیرت نگاروں نے ان کا نام لبابۃ الکبریٰ بھی لکھا ہے۔ ان کا تعلق بنو ہلال سے تھا۔

آپ کی شادی حضور ﷺ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اس حوالے سے آپ حضور ﷺ کی چچی لگتیں اور آپ عام نوعیت کی رشتہ دار خاتون نہیں بلکہ حضور ﷺ سے محبت کے حوالے سے بہت سے معاملات میں حضور کے چچا یعنی اپنے خاوند حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جایا کرتی تھیں۔ ان کی حقیقی بہن حضرت میمونہ بنت حارث کو اُمّ المؤمنین بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے اُمّ الفضل حضور ﷺ کی سالی بھی لگتی ہیں۔ حضرت اُمّ الفضل کی ایک اخیانی بہن حضرت اسماء بنت عمیس کی شادی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی ایک تیسری بہن سلمیٰ کی شادی حضور ﷺ کے دوسرے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ گویا آپ کئی نسبتوں سے حضور ﷺ کی



رشتہ دار تھیں۔ لوگ ان پر اور ان کی والدہ ہند بنت عوف پر رشک کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کا رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی عورت اُن کے ہم پلہ نہیں۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کا شمار ”السابقون الاولون“ میں ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ کا عظیم اعزاز ہے۔ حضور ﷺ پر سب سے پہلے خواتین میں ایمان لانے کا مرتبہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ اہم کتب سیرت اور ممتاز تذکرہ نگاروں کے بقول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کرنے والی شخصیت حضور ﷺ کی چچی اُمّ الفضل ہیں۔ قبول اسلام کے بعد آپ مسلسل مکہ میں ہی قیام پذیر رہیں اور مدینہ منورہ کی جانب آپ نے اپنے خاوند حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کی۔ یہ ہجرت فتح مکہ کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کافی عرصہ اپنا اسلام خفیہ رکھا۔ اس بہانے وہ حضور ﷺ کو مکہ کے حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ حالانکہ مشرکین حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر کڑی نظر رکھتے تھے اور انہیں طعنے بھی دیتے رہتے تھے۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں اپنے خاوند سے بھی بڑی ہوشیاری تھیں۔ اُن کا اسلام خفیہ نہیں تھا۔ بڑی بہادر اور دبدبے والی خاتون تھیں۔ جب بھی موقع ملتا قریش سے غضبناک لہجے میں گفتگو فرماتیں۔ حضور ﷺ اپنی چچی کی خود محبت سے اچھی طرح سے آگاہ تھے۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نہایت عبادت گزار، پرہیزگار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو پابندی سے روزہ رکھا کرتی تھیں اور اس کا انعام بھی آپ کو کتنا عظیم عطا ہوا کہ حضور رحمتِ دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا، میمونہ رضی اللہ عنہا، سلمیٰ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا چاروں مومنہ بہنیں تھیں۔

آپ کی جرأتِ ایمانی کے حوالے سے یہ واقعہ داستانِ عشق و عقیدت کا سنہرا



زمین پر دے مارا اور بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت اُمّ الفضل قریب ہی بیٹھی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر انہیں سخت غصہ آیا۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ایک لٹھ ہاتھ میں آگیا اور اسے اس زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا، خون پھوٹنے لگا۔ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے اس پر ہی بس نہیں کی، اگر جدار لہجے میں ابولہب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

بے حیا بے شرم! اس کا آقا (حضرت عباس) یہاں موجود نہیں ہے اس لئے تو کمزور سمجھ کر انہیں مارتا ہے۔ یہ بھول گیا کہ میں اپنے خاوند سے زیادہ زبردست ہوں۔ ابولہب اپنی بھانج اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کے غصے کو پہچانتا تھا۔ اس میں ان میں مقابلہ کرنے یا ان پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت ہی نہ پڑی۔ آہستہ آہستہ وہاں سے کھسک گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا میں زبردست غیرت ایمانی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکی تھی۔ ابولہب اور دوسرے کفار بھی آپ کے اسلام سے آگاہ تھے مگر حضرت عباس کے مقام و مرتبہ اور ہاشموں کے جذبہ غیرت کی بناء پر وہ اس خاتون محترم سے کبھی بھی کچھ کہہ نہ سکے جبکہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو جب بھی موقع ملتا تھا تو کفار مکہ کو خوب خوب کھری کھری سنانی تھیں۔

بعض روایتوں میں رقم ہے کہ ابولہب کے حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا سے پٹنے اور بے آبرو ہونے کا واقعہ چاہ زمزم کی چہار دیواری کے اندر پیش آیا۔ اس کے قریب ہی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھی۔

حضور ﷺ کو اس چچی سے بہت پیارا تھا۔ آپ ان کے حق میں اکثر دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو چچی کے گھر میں ہی آرام فرمانے لگتے۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا حضور رسول اکرم ﷺ کا سر اقدس اپنی گود میں رکھ لیتیں۔ آپ کے بالوں سے گردیا تھکے وغیرہ دُور فرماتیں اور پھر آپ کے بالوں میں کنگھی کرتیں۔

ایک بار حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کا کوئی حصہ ان کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیا۔ نبی اقدس نے جواب سن کر ارشاد فرمایا:

”جی جان! اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ رب العالمین میری لختِ جگر سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرزندِ حطا کرے گا اور آپ اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔“

اس خواب کو دیکھے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا جیسے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے ہی انہیں دودھ پلایا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ اسی بناء پر آپ خاندانِ رسالت مآب میں عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ ایک دن اُم الفضل رضی اللہ عنہا امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھائے بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاڈلے نواسے کو گود میں اٹھایا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے انہیں فوراً آغوشِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھالیا اور ننھے حسین رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ تم نے اتنی بڑی خطا کر دی۔

آقائے عالی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اُم الفضل رضی اللہ عنہا ننھے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ڈانٹیں۔ آپ نے انہیں ڈانٹنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

”اُم الفضل رضی اللہ عنہا تم نے اچھا نہیں کیا کہ ننھے حسین کو ڈانٹ دیا۔ اس سے میرے دل کو تکلیف پہنچی ہے۔“

حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا نے معذرت کا اظہار کیا۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا یا اور کپڑوں کو صاف فرمایا اور پیشاب آگود حصہ دھو دیا۔

اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم سعادت عطا ہوئی۔ حجۃ الوداع کا موقع تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے حج کیلئے فرمایا اور اپنے ہمراہ لے کر چلے، عرفہ کا دن تھا بعض لوگوں نے خیال کیا کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو ایک تدبیر سوچھی تاکہ لوگوں کو حقیقت کا علم ہو جائے۔ انہوں نے ایک پیالہ دودھ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا۔ اس سے لوگوں کا شک دور ہو گیا۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عباس کی سات اولادیں ہوئیں۔ چھ بیٹے فضل، عبداللہ، عبید اللہ، معبد، قثم عبدالرحمن اور ایک بیٹی ام حبیبہ۔ یہ تمام اولادیں جنہیں آپ نے جنم دیا نہایت قابل تھیں۔ خاص طور پر آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے علم و فضل، شریعت اور فقہ میں بہت بلند مرتبہ حاصل کیا اور امتِ اسلام کے چند منتخب ترین محدثین میں شامل ہوئے، انہیں حبر الامت بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نہایت خوش بخت اور سعید قسمت خاتون تھی کہ اس وقت اسلام قبول کیا جب بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ تمام زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی عشق و عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی رحمت بے کراں سے بارہا نوازا۔ آپ اسلام کا وقار تھیں، دین کا اعزاز تھیں، شوکتِ اسلام کی لگاؤ تھیں، صحابیات تو ایک طرف جلیل القدر صحابہ کرام بھی آپ کی خدماتِ عالیہ، عشقِ رسالت مآب اور فروغِ دین کیلئے کاوشوں پر رشک کیا کرتے تھے۔





حضرت زینبؓ بنت علیؓ (کرم اللہ وجہہ)

شوکتِ علم و عمل تھیں سیدہ عالی مقام
 اُن پہ نازل تھا خدائے پاک کا لطفِ تمام
 قاطرہ کے دل کی ٹھنڈک ' راحتِ مولا علیؓ
 تھیں پیامِ جرأتِ ایمان بہرِ خاص و عام
 وہ خطیبہ ' وہ نصیحہ ' عالمِ کامل تھیں وہ
 دشمنانِ دین کے حق میں وہ تیغِ بے نیام
 مکتلو اُن کی بہاروں کی طرح سے دل نشیں
 علم اُن کا تھا مثالِ سبزہ نازکِ خرام
 کربلا میں دل کے ٹکڑے ہر طرف بکھرے ہوئے
 آنسوؤں میں ڈوب کر آرام تھا اُن پر حرام
 جب فضاے دہر میں ہوتی تھیں وہ محوِ خطاب
 وقت کی نبضیں بھی رُک جاتی تھیں بہرِ احترام
 اے رِضا اُمّ المصائب جانِ تسلیم و رضا
 کر رہی ہیں ایک نورانی لحد میں اب قیام

حضرت زینبؓ بنت علی المرتضیٰؓ

خوشی اور غم دو ایسی کیفیات ہیں جن کی بدولت انسان کی عظمت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ ہمیشہ انہی مردوں اور خواتین کو یاد رکھتی ہے جو موت کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ رکھتی ہیں جو مصائب و آلام کی یورش میں پرچم حق و صداقت کو بلند تر رکھنے کا ہنر جانتی ہیں۔ جن کی آواز میں شمشیر کی کاٹ اور لہجے میں ایمان کی فیصلہ کن قوت ہوتی ہے۔ یہی وہ شخصیات ہیں جو حقائق کا سامنا کرتیں اور دینِ مصطفیٰ ﷺ کو حالات کی بلندیوں پر فروزاں کرنے کا خداداد جوہر رکھتی ہیں۔

سیدہ زینبؓ بنت علیؓ بھی جرأتِ ایمانی کی شمشیر اور ایمان کی روشن تصویر تھیں۔ آپ کا نام زینب ہے اور کنیت اُمّ الحسن۔ یہ وہی شیر دل خاتون ہے جو واقعہ کربلا کے بعد سرزمینِ کربلا سے دمشق کے دربارِ خلافت تک جرأت و عزیمت کا مظاہرہ کرتی رہی۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ کی کنیت اُمّ المصائب مشہور ہے۔ آپ شیرِ خدا ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراؓ تھیں۔ حضور ﷺ آپ کے نانا، تاریخِ اسلام کی خاتونِ اول حضرت خدیجہ الکبریٰؓ آپ کی نانی محترمہ تھیں۔ اہلِ سیر نے آپ کے متعلق القاب رقم کئے ہیں شریکہ الحسین، ناموس الکبریٰ، صدیقہ شجاعہ، فصیحہ حلیہ، فاضلہ ناسب الزہرا، وغیرہ۔

سیدہ زینبؓ بنت علیؓ خوش بخت تھیں کہ آپ سے آپ کے نانا جان حضور محمد مصطفیٰ ﷺ بہت زیادہ پیار کرتے تھے لیکن اس پیار کی دنیا کے اس گلستان پر اس وقت خزاں آئی جب ۱۱ ہجری میں محبوبِ دو عالم ﷺ اس کائنات سے رخصت ہونے لگے۔ آپ نے اپنی لختِ جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراؓ سے فرمایا کہ

علاؤ اللہ علیہ السلام نے قبیل ارشاد کی اور اپنے تمام بچوں کو حضور ﷺ کے پاس لے گئیں۔ بچوں نے اپنے شفیق نانا کو بے چین دیکھا تو بے اختیار رونے لگے۔ ان میں سے ایک چھ سالہ بچی کو تو اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے حضور ﷺ کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ سرورِ عالم ﷺ نے اس بچی کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت اُس کے سر پر پھیر کر دلا سا دیا۔ یہ وہی بچی تھی جو چھ سال پہلے شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساءِ طاہرہ الزہراء علیہا السلام کے گھر پیدا ہوئی تھی تو رحمتِ عالم ﷺ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن بعد آپ ﷺ تشریف لائے تو سیدھے سیدہ طاہرہ الزہراء علیہا السلام کے گھر تشریف لے گئے۔ اس بچی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور لعابِ مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اس بچی کا نام ”ننہ“ تجویز کیا اور فرمایا ”یہ ہم شبیرِ خدیجہ ہے“ چھ سال بعد آج بھی ننبہ علیہا السلام اپنے شفیق نانا سے ہمیشہ کیلئے چھڑ رہی تھی۔ چھ سال کی محسوم جان کیلئے یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آئندہ زندگی میں اس پر اس قدر قیامتیں ٹوٹنے والی ہیں کہ اس کی کنیت ہی ”اُم المصائب“ مشہور ہو جائے گی۔ یہی ننبہ علیہا السلام جنہیں ننبہ علیہا السلام کبریٰ بھی کہا جاتا ہے تاریخِ اسلام کی وہ مہتم بالشان شخصیت ہیں کہ جن کے علم و فضل، فکر و عمل، جرأت و دلیری، بے خوفی و جرأت آزمائی، تسلیم و رضا، صبر و استقلال کا ایک زمانہ گواہ ہے۔ یہ زمانہ آگے کی منزلوں کی جانب محو سفر رہے گا مگر سیدہ ننبہ علیہا السلام کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو زیادہ سے زیادہ سر بلندی و سرفرازی عطا ہوتی رہے گی۔ آپ جہادی الاوٹی ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ حضور ﷺ نے خود ان کا نام ننبہ رکھا اور اپنا لعابِ دہن اُن کے منہ میں ڈالا۔ حضرت ننبہ کے مقدر کا کیا کہنا کہ آپ کو نانا جان ﷺ کی آغوشِ تربیت میسر آئی اور حیدرِ کرار



حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شجاع نے آپ کو آگے بڑھنا سکھایا اور پھر سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حسن تربیت کا کیا کہنا جن کا گھر سادات کی رحمتوں کا خزانہ تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کی تربیت کے معاملہ میں بہت سخت تھیں۔

ایک دن عہد طفلی میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اتر گئی۔ حضرت سیدۃ النساء نے دیکھا تو اُن کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا ”بیٹی اللہ کا کلام نگے سر نہیں پڑھتے۔“

ایک دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں مصومانہ لڑائی ہو گئی۔ سیدۃ النساء نے انہیں کلام مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا: ”بچو لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔“

دونوں بچے خوفِ خدا سے کانپ اُٹھے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینے سے لگالیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہوئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کیلئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ اس وقت اُن کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ اُن کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ ہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وفات قریب آیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”اپنے بچوں کو بلاؤ۔“ وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق مانا کو بے چین دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت اُن کے سر پر پھیر کر دلاسا دیا۔

حضور علیؑ کی رحلت کے وقت سیدہ نسیبہؓ کی عمر تقریباً ۶۷ برس تھی۔ ۱۶۰ھ بعد شفق والدہ سیدہ بتولؓ نے بھی وفات پائی۔ ان حادثوں نے نعمی نسیبہؓ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفق نانا اور جاں نثار ماں کی جدائی سے حیدر کمارؓ کے سارے بچے غم و الم کی صورتیں بن گئے۔ شیر خدا باب علم نے بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کیلئے اُمّ النبیین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کر لیا۔ باب علم جب خود معظم ہوں تو ناشاکردوں کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانا۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔ حضرت نسیبہؓ نے بھی اپنے جلیل القدر باپ کے علم اور دیگر اوصاف سے خوب استفادہ کیا۔ حتیٰ کہ بدقتویٰ عقل و فراست حق کوئی دے باقی عفت و صمت اور عبادت و شب بیداری میں مثل حضرت فاطمہؓ اثر ہوا۔ انہیں ہو گئیں۔ دراز قد اور مناسب الاعضاء تھیں۔ چہرہ مبارک پر اپنے نانا کا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال و حال میں وقار حیدری نمایاں تھا۔ مورخین شائق ہیں کہ علم و فضل میں قریش اور بنو ہاشم کی کوئی لڑکی آپ کے برابر نہ تھی۔

سیدنا علیؑ بے مثال خلیفہ تھے۔ مجمع پر چھا جانے کی قوت رکھتے تھے۔ آپ کے ایک ایک ٹھلے میں کئی کئی نکات پناہاں ہوتے تھے۔ بولتے تو ہیا لگتا کہ جیسے موتی رول رہے ہوں۔ حضور ﷺ جو خود فصیح القصاص تھے۔ حضرت علیؑ کی خطابت محسن بیان اور قدرت لسان پر فخر کرتے تھے۔ حضرت سیدہ نسیبہؓ اس معاملہ میں آپ کا دوسرا نوپ تھیں۔ جس طرح حضرت علیؑ کے خطبات دلنہاں ہوتے تھے، تقریری مجموعوں کی نسبت ہیں اسی طرح بی خلیفہ بی سیدہ نسیبہؓ کے خطبات عالیہ بھی تاریخ کا سر ہر ہیں۔ حضرت نسیبہؓ کے خطبات دل و جان سے نکلے تھے۔



جن کے مطالعہ سے اہل دنیا کی کج ادائی دنیا کی فتا پذیریری اور مطلب پرستوں کی شیطانی کاوشیں سامنے آ جاتیں اور پھر آپ کے خطبات میں واقعہ کربلا کی جانب اشارے ملتے ہیں تو دلوں کی دنیا پر وزبر ہونے لگتی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سن بلوغ کو پہنچنے سے قبیلہ کنہہ کے اشعث بن قیس نے پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو آپ کے بھتیجے جعفر طیار بن ابی طالب کے بیٹے عبد اللہ اپنے چچا جان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پرورش و تربیت فرمائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے نگران و سرپرست تھے۔ وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اور سیرت و صورت میں جو انسان قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد خاندان کے چند بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی لختِ جگر کا نکاح حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر بہ اختلاف روایت گیارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر خود پہنچا آئیں۔ دوسرے دن انہوں نے دعوتِ ولیمہ کی۔ مہر کی رقم کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے اور بعض نے چالیس ہزار۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی بے مثال تھی۔ میاں بیوی میں نہایت درجہ کی ہم آہنگی تھی۔ گھر میں ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا گھر کا سارا کام کاج خود کرتیں۔ حضرت عبد اللہ کا کہنا تھا کہ ”زینب بہترین

کام سرانجام دیتیں۔ کوفہ کی اکثر خواتین ان کے پند و نصائح سے مستفیض ہوتیں۔ ان کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کا گھر گھر چہ چا پھیل گیا۔ اسی اثناء میں وہ دردناک حادثہ پیش آیا جس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے عظیم المرتبت باپ کے سایہ سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔

خوارج مدّت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ایک شخص عبدالرحمن ابن ملجم کو انہوں نے خفیہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کیلئے مقرر کیا۔ اس نے ایک تلوار زہر میں بھجائی اور کوفہ آ کر شیر خدا پر حملہ کی تاک میں رہنے لگا۔ ۷ ارمضان المبارک ۴۰ ہجری کا دن تھا۔ شیر خدا رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائے۔ عین سجدہ کی حالت میں بد بخت خارجی ابن ملجم نے اُن پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زہر آلود تلوار سے امیر المومنین شدید زخمی ہو گئے۔ ابن ملجم گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اُسے دیکھ کر فرمایا:

”اے دشمنِ اسلام! تو نے امیر المومنین کو اپنی تلوار سے زخمی کر دیا ہے“

اس شیطان نے جواب دیا: ”امیر المومنین کو نہیں تمہارے باپ کو“

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ”انشاء اللہ ان کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔“

شیطان خارجی ابن ملجم نے کہا ”تو پھر رونے کی کیا بات ہے“ سُن لو میں نے

اپنی تلوار کو کئی روز زہر پلایا ہے۔“

اس زہر آلود تلوار کے زخم سے شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ (۲۱ رمضان

المبارک ۴۰ ہجری) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو شدید صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ ۵۰ ہجری میں

انہیں اپنے بڑے بھائی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کا

حکایتِ اسلام
اہم ترین دور شروع ہوا۔ واقعہ کربلا میں حضرت زینب علیہا السلام کی شرکت اُن کا کردار اور
حادثہ کربلا سے بعد کی تفصیلات کو تاریخ کے سینکڑوں صفحات نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا
ہے۔ وہ مصائب و آلام کے ایسے طوفانوں سے گزریں جنہیں قلمبند کرتے ہوئے قلم
کا پتہ ہے اور سینہ شق ہوتا ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ سیدہ زینب علیہا السلام سے زیادہ بکے
بعد دیگر کسی نے اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔

۵۶ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے اہل مدینہ
سے بیعت لیتی چائی محدودے چند لوگوں کے سوا تمام اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ ان
بیعت نہ کرنے والوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ نے ان سے چنداں تعرض نہ کیا۔

۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور حضرت امام حسین
رضی اللہ عنہ کے بارے میں یزید کیلئے وصیت چھوڑی کہ ”میرے بعد اہل عراق تمہارے مقابلہ
میں کھڑے ہوں اور تم ان کو مغلوب کر لو تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ قرابت دار بڑے
حق دار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بنی اُمیہ کے مخالفین میں سب سے زیادہ بااثر شخصیتوں کے مالک
تھے۔ یزید نے تخت نشین ہوتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کو تائیدی حکم بھیجا کہ عبداللہ اور
حسین (رضی اللہ عنہما) سے فی الفور میری بیعت لو۔ ولید نے انہیں بیعت کے لئے بلایا لیکن حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور مہلت چاہی۔ ولید رضامند ہو گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے
واپس آکر اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مکہ جانے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ آپ اپنے عزیز واقارب اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر راتوں رات



عازم مکہ ہوئے۔ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر بھی خفیہ طور پر نکلے چکے تھے۔ مکہ پہنچ کر حضرت امام حسین ؑ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔ اس وقت انہیں اہل کوفہ کی طرف سے بلادے پر بلاوا آنا شروع ہو گئے۔ بے شمار خطوط اور پیغامات امام حسین ؑ کو موصول ہو رہے تھے جن میں اہل کوفہ انہیں کوفہ پہنچنے کی دعوت دے رہے تھے اور حلف اٹھا اٹھا کر التجائیں کر رہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لا کر اپنی خلافت کیلئے بیعت لیجئے۔ ہم فاسق و فاجر یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسین ؑ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا کہ وہ صورتحال کا جائزہ لے کر ہمیں لکھیں۔ حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ میں حیرت انگیز پذیرائی ملی جب بے شمار مسلمانوں نے انہیں نائب امام حسین ؑ سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو قاصد روانہ کیا کہ یا امام تشریف لے آئیے۔

جب مسلم بن عقیل کے قاصد عبداللہ بن سنان کے ذریعے امام حسین ؑ کو اہل کوفہ کی عقیدت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مکہ سے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت عمرو بن عبد الرحمن، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور دوسرے بھی خواہوں نے انہیں بہت روکا لیکن انہوں نے فرمایا ”دعوت حق دینے سے میں باز نہ رہوں گا اور جو لوگ حق کے متلاشی ہیں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ مجھے خوزیری پسند نہیں، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ مشیت ایزدی کے سامنے میرا سر خم ہے اور میں کوفہ ضرور جاؤں گا۔ اس کے بعد ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو آپ ؑ اہل بیت اور معتقدین کے ہمراہ مکہ سے کوفہ کی طرف چل پڑے۔ چھوٹی بچی صفری بیمار تھیں۔ انہیں آپ نے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ ؑ کے سپرد کیا۔

ذی الحجہ ۶۰ ھ میں سیدنا حضرت امام حسین ؑ نے اہل کوفہ کی دعوت پر

اپنے اہل و عیال اور جاٹاروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ تگہ سے کوفہ کا عزم کیا تو حضرت نسیب ؓ بھی اپنے دونوں خیز فرزندوں کے ہمراہ اس مقدس قافلے میں شامل ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ اگرچہ خود اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے لیکن انہوں نے حضرت نسیب ؓ اور اپنے بچوں کو امام حسین ؓ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کا دلہوز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت نسیب ؓ کی آنکھوں کے سامنے اُن کے بچے، بھتیجے، بھائی اور ان کے متحدہ ساتھی شامی فوج سے مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس موقع پر سیدہ نسیب ؓ نے جس جوصلے، شجاعت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نو اور دس محرم کی درمیانی شب کو حضرت امام حسین ؓ کی لکوار صاف کی جانے لگی تو انہوں نے چند عبرت انگیز اشعار پڑھے۔ حضرت نسیب ؓ قریب ہی تھیں یہ اشعار سن کر اُن پر رقت طاری ہو گئی اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

”اے کاش! آج کا دن دیکھنے کیلئے میں زندہ نہ ہوتی، ہائے میرے مانا، میری ماں، میرے باپ اور میرے بھائی حسن سب مجھ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اے بھائی اللہ کے بعد ہمارا سہارا اب آپ ہی ہیں، ہم آپ کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے؟“

امام حسین ؓ نے فرمایا: نسیب صبر کرو۔

حضرت نسیب ؓ نے روتے ہوئے عرض کی: میرے ماں جائے آپ کے بدلہ میں میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔

امام حسین ؓ اپنی پیاری بہن کی دلہوز باتیں سن کر اشکبار ہو گئے لیکن مومنانہ شان سے فرمایا:

”اے بہن صبر کرو خدا سے تسکین حاصل کرو خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کیلئے فنا ہے۔ ہمارے لئے ہمارے ماننا خیر الخلاق کی ذات اقدس نمونہ ہے۔ تم انہیں کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے کہ اگر میں راہِ حق میں کام آ جاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا چہرہ کو نہ نوچنا اور بین نہ کرنا۔“

حضرت امام حسین ؑ سمیت بہتر (۷۲) نفوسِ قدسی ایک طرف تھے اور ہزاروں اشقیاء پر مشتمل فوج دوسری طرف۔ لڑائی سے پہلے جناب امام حسین ؑ اور ان کے چند ساتھیوں نے نہایت دلہ دوز تقریریں کیں جن میں دشمنوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی عاقبت خراب نہ کریں لیکن سوائے ایک مردِ مومن حضرت حُربن یزید تمیمی کے ان بد بختوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (بعض روایتوں کے مطابق حُربن یزید کا بیٹا بھی امام حسین ؑ کے جھنڈے تلے آ کر اپنی عاقبت سنوار گیا) جس وقت امام حسین ؑ تقریر فرما رہے تھے شدتِ الم سے حضرت زینب ؑ اور دوسری خواتین اہل بیت کی چھین نکل گئیں۔ آپ نے حضرت عباس اور حضرت علی کو انہیں خاموش کرانے کیلئے بھیجا اور فرمایا ”میری عمر کی قسم! ابھی ان کو بہت رونا ہے۔“

اس کے بعد مبارزت شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی میدان میں نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔ حسینی فوج کے کچھ مجاہدین نے جامِ شہادت پیا اور بہت سے عراقی بھی جہنم واصل ہوئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔ حضرت حُربن یزید اور دوسرے جان نثارانِ اہل بیت پامردی سے لڑے۔ دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں لیکن دونوں جماعتوں کی تعداد میں کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔ خاندانِ اہل بیت کے افراد اور جانثار ایک ایک کر کے نہایت بہادری کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنے لگے۔ حضرت علی ؑ، حضرت قاسم ؑ، حضرت عباس ؑ، حضرت حُربن یزید جیسے

فرزندانِ اسلام خلعتِ شہادت پہن چکے تھے۔

حضرت نذیب اللہؓ نے اپنے نوخیز فرزندوں حضرت عونؓ اور حضرت محمدؓ کو رزم گاہ میں بھیجے کیلئے سیدنا امام حسینؓ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دینے میں تامل کیا لیکن حضرت نذیب اللہؓ نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ بادل ناخواستہ انہیں میدانِ جنگ میں بھیجے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت نذیب اللہؓ کے دونوں لال اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکارا اٹھی۔ آخر شامیوں نے انہیں زرنے میں لے کر تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسا دیا اور دودمانِ ہاشمی کے دونوں نونہال جامِ شہادت پی کر غلبہ بریں میں پہنچ گئے۔ دکھاری نذیب اللہؓ اور مظلوم ماموںؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے لیکن آسمان کی طرف نظر کی اور خاموش ہو گئے۔

حضرت عونؓ و محمدؓ کی شہادت کے بعد خانوادہٴ نبوت کے باقی نوجوان بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت عباسؓ بن علیؓ پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ اب سیدنا امام حسینؓ تہارہ گئے۔ زین العابدین علی بن حسینؓ بیمار تھے اور لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اُن کو اللہ اور حضرت نذیب کے سپرد کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر سبطِ رسولؐ اپنے آخری ستر پر روانہ ہوئے۔ پیاس کا غلبہ تھا اپنے جگر کے ٹکڑوں اور جاثاروں کی شہادت سے سخت دل ٹکا رہے تھے لیکن آخر حیدرِ کرار کے فرزند تھے۔ اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ جس طرف رخ کرتے۔ دشمن بادل کی طرح چھٹ جاتے۔ شامی بار بار حملہ کرتے لیکن جو نبی شمشیرِ حسینی چمکتی بھاگ کھڑے ہوتے۔ آپ لڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہو گئے لیکن اللہ رے بیت کہ کوئی تنہا سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ جگمگاتے بنا کر ہر طرف سے تیروں تلواروں تیغروں اور نیزوں کی بارش کر رہے تھے۔ حصین بن نمیر نے ایک نیزہ پھینکا جو گلوئے مبارک میں پھونک دیا اور وہاں مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اپنے چلو میں تھوڑا سا خون لے کر آسمان کی



طرف اُچھالا اور فرمایا:

”مولا! جو کچھ تیرے محبوب کے نواسہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے، تھی سے اس کی فریاد کرتا ہوں۔“

جلیل القدر بھائی کی عاشق زار بہن زینت دل پر ہاتھ رکھے آفتابِ امامت کی حالت دیکھ رہی تھیں، جب انہیں خون کی کلیاں کرتے دیکھا تو دوڑی ہوئی رزمگاہ کے قریب ایک ٹیلہ پر کھڑی ہو کر پکاریں۔

”اے عمرو بن سعد کیا قیامت ہے؟ ابو عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو۔“
عمرو بن سعد کی آنکھوں پر لالچ نے پردہ ڈال دیا تھا لیکن قرابت دار تھا۔ فرطِ اندامت سے حضرت زینب ؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

جنابِ امام کی حالت اب لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جا رہی تھی۔ دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ زرعہ بن شریک تھپی نے ہاتھ اور گردن پر تلوار چلائی۔ سنان نے نیزہ مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا۔ پھر سنان ابن انس (اور بعض روایتوں کے مطابق شمر ذی الجوشن) نے اس گردن پر خنجر پھیر دیا، جس پر رحمتِ دو عالم ﷺ سے دیا کرتے تھے۔ شہادت کے وقت جنابِ امام حسین ؓ کے جسم مبارک پر تیس زخم تلوار کے ۳۳ زخم نیزہ کے اور لاتعداد زخم تیروں کے تھے۔

سنگدل شامیوں کا دل ابھی تک ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ انہوں نے سیدۃ النساء ؓ کے لال کا سر مبارک نیزہ پر چڑھایا اور تمام شہیدانِ راہِ حق کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ سیدۃ النساء کے لال کا سر اقدس نیزے پر چڑھایا اور پھر اہل بیت کے خیموں کا رخ کیا۔ ایک بد بخت نے چاہا کہ حضرت زین العابدین کو بھی جو علیل تھے، شہید کر دے لیکن حضرت زینب ؓ ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور فرمایا ”خدا کی

قسم جب تک میں زمرہ ہوں اس بیمار کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔“

ان کا عزم دیکھ کر وہ بد بخت اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ ۱۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری میں جملہ خواتین بچوں اور امام زین العابدین کو اونٹوں پر باندھ کر یزیدی فوج کوفہ کی طرف لے چلی۔ شہداء کے لاشے ابھی میدانِ کربلا میں بے گور و کفن پڑے تھے۔ جب رنج و الم کے ماروں کا قافلہ ان شہیدوں کے سر کٹے اور چاک چاک پامال شدہ جسموں کے پاس سے گزرا تو الم رسیدگانِ اہل بیت کی نظروں سے طوقانِ اہلبیار پیا ہو گیا۔ حضرت نسیبؑ کی فضاؤں کو چیرتی ہوئی رنج و الم سے ڈولی صدائے درد ناک ابھری۔

”اے محمد مصطفیٰؐ آئیے دیکھئے آپ کے حسینؑ کا خون آتشِ لاشہ چیل میدان میں پڑا ہے۔

اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔

آپ کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

آپ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دی گئی ہے اور اس پر خاک اڑ

رہی ہے۔

اے میرے نانا! یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے۔

ذرا حسینؑ کو دیکھئے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے۔

اور میری چادرِ چھین لی گئی ہے۔“

حضرت نسیب کبریٰؑ کا یہ لوحِ سن کر دوست دشمن روتے تھے۔ جب

اسیرانِ حق کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو ذلیل کوئی ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ بد عہد اور دغا باز کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر شیرِ خدا کی بیٹی بے اختیار ہو گئی بازارِ کوفہ میں انہوں نے باوازی بلند پکارا۔



”لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اہل کوفہ کے سامنے ایک عبرت انگیز خطبہ دیا۔ سارا مجمع بالکل ساکت ہو گیا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے شعلے لپک رہے ہوں، بجلی کڑک رہی ہو، طوفانوں نے ادھر کا رخ کر لیا ہو، لفظوں نے انگاروں اور فقرات نے رنج و الم کے شہپاروں کا روپ اختیار کر لیا ہو۔ کوئی بشر گرج رہا ہے یا بلبل شوریدہ سر کی صدائے دردناک دلوں پر قیامت ڈھا رہی ہے۔ یہ خطاب تھا یا آسمانوں سے نازل ہونے والا صحیفہ دردناک سیدہ کے جذبات اپنی قوت لٹا رہے تھے۔

”اے کوفیو! اے مکارو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو! خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں، تمہاری مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتی اور پھر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔“

تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتہ بیعت جوڑا اور پھر اپنے خبث باطنی کی وجہ سے توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے۔ تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ خوشامد اور شخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔ تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت بڑا ہے۔

تم نے خیر البشر کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، قتل کیا ہے، خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

آہ کوفہ والو! تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔

یاد رکھو! تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں رہتا ہے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

حکایتِ مسلم

اس خطبہ کو سن کر اکثر کوفیوں کے ضمیر نے ان پر لعنت بھیجی روتے روتے ان کی منگھکی بندھ گئی۔ خدام بن کثیر جو عرب کے فصیح ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا وہ بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا خطبہ سننے والوں میں شامل تھا۔ خطبہ سن کر وہ ان کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت سے دنگ رہ گیا اور بے ساختہ کہنے لگا: واللہ اے علی کی بیٹی! تمہارے بڑھے سب بڑھوں سے تمہارے جوان سب جوانوں سے تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ دوسرے دن امین زیاد نے دوبار منعقد کیا۔ اسیرانِ اہل بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت خستہ حالت میں تھیں۔ امین زیاد نے پوچھا ”یہ عورت کون ہے؟“ ایک خادمہ نے کہا: زینت بنت علی رضی اللہ عنہا ہیں۔

امین زیاد نے کہا: خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نہایت بے باکی سے جواب دیا: ”خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں عزت بخشی، انشاء اللہ قاصد رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔“

امین زیاد نے کہا: تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں درجہ شہادت پر فائز کیا، عنقریب وہ اور تم داوڑِ محشر کے سامنے جمع ہوں گے اُس وقت تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے؟

امین زیاد جھٹلا کر بولا: بنی ہاشم کے سب سے سرکش آدمی کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔



حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابن زیاد کے اس طرح اظہارِ مسرت کرنے پر بڑا دکھ ہوا۔ اُن کا آگینہ دل حوادثِ کربلا سے ٹوٹ چکا تھا، بے اختیار رو دیں اور فرمایا ”خدا کی قسم! تو نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا، ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا، ہماری جڑوں کو اکھاڑا، اگر اسی سے تمہارا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔“

ابن زیاد سے کوئی جواب بن نہ پڑا اب اس کی نظر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ پر پڑی پوچھا: لڑکے تم کون ہو؟

انہوں نے جواب دیا: ”علی بن حسین رضی اللہ عنہ“

ابن زیاد نے عمر بن سعد سے پوچھا ”اسے کیوں نہیں قتل کیا؟“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد کو شرم دلائی کہ کیا ابھی تمہارا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا اور اپنے بیمار بھتیجے سے چٹ گئیں کہ اگر مارنا ہے تو پہلے مجھے مار دے۔ ابن زیاد نے زندگی کی رعایت دے دی اور حکم دیا کہ شہداء کے سروں اور اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ فوج کے نرغہ میں یزید کے پاس دمشق پہنچایا جائے۔

طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیرانِ اہل بیت دمشق پہنچے تو تین چار دنوں کے بعد انہیں یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک سرخ رنگ شامی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا تڑپ اٹھیں اور بولیں ”خدا کی قسم! یہ لڑکی نہ تجھے ملے گی ہے اور نہ یزید کو جب تک کہ اللہ کے دین کو ترک کرنے کا اعلان نہ کر دے۔ پیغمبر خاندان میں کسی کو تو یا تیرا بادشاہ ہرگز لونڈی نہیں بنا سکتا۔“

شامی نے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن یزید نے اسے روک دیا۔ جب امام حسین

کاسر اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین اہل بیت رونے لگیں۔ حضرت
 زینب علیہا السلام نے سر اقدس کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

”اے حسین! اے محمد مصطفیٰ کے دل بے دوش و سیر علیہ السلام کے سوار اے فاطمہ
 و ہر اہل بیت کے لخت جگر اے جنت کے جوانوں کے سردار یزید نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟
 بتایا گیا کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی اور امام حسین علیہ السلام کی بہن زینب ہے۔

یزید نے حضرت زینب علیہا السلام سے مخاطب ہو کر کہا: کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا
 کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔“

حضرت زینب علیہا السلام نے ولیری سے جواب دیا: بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا
 یزید نے کہا: میری عمر کی قسم! حسین کے مانا میرے دادا سے بہتر تھے۔ حسین کی
 اماں میری ماں سے بہتر تھیں، رہا میرا باپ اور حسین کا باپ تو سب کو معلوم ہے کہ خدا نے
 کس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔“

اس پر حضرت زینب علیہا السلام نے یزید اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے ایک
 دردناک تقریر کی انہوں نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

”اے یزید! گردش افلاک اور ہجوم آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور
 کر دیا ہے۔ یاد رکھو! عزت ہم کو زیادہ عرصہ اس حال میں نہ رکھے گا ہمارے مقاصد کو
 ضائع نہیں کرے گا تو نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا اپنے آپ کو پہنچایا ہے۔ تیرے آدمیوں
 نے دوش نبوت کے سوار اس کے بھائیوں فرزندوں اور رفقاء کو نہایت بے دردی سے ذبح
 کر دیا۔ تو نے پردہ نشین اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ تو اس وقت شہیدانِ کربلا کو دیکھ سکتا تو
 اپنی ساری دولت و شہمت کے بدلے ان کے پہلو میں کھڑا ہوتا پسند کرتا۔

ہم مقرب اپنے نانا حضرت محمد رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان



مصائب کو بیان کریں گے جو تیرے بیدرد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں اور یہ اس جگہ ہوگا جہاں اولادِ رسول ﷺ اور ان کے ساتھی جمع ہوں گے۔ ان کے چہروں کے خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی۔ جہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مرے نہیں اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کیلئے کافی ہے۔ وہ عادلِ حقیقی انبیاء کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا۔ وہی ہماری اُمید گاہ ہے اور اُسی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔“

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی گرج سُن کر یزید اور اُس کے درباری سکتے میں آ گئے۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندانِ رسالت کی حمایت میں میرے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اُس نے خواتینِ اہل بیت کو اپنے خاص حرمِ سرا میں ٹھہرایا اور جہاں تک ہو سکا اُن کی دل جوئی کی کوشش کی۔ چند دن بعد اُس نے حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کے زیرِ حفاظت قافلہ اہل بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی دلِ فکار اولاد ہے۔“

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جہاں تک بن پڑا ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو وہاں بزرگ صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرطِ الم میں پکارا:

”اے بنی ہاشم! تمہارا چاند غروب ہو گیا۔ اے میرے نانا کے صحابی تو نے جس بچے کو کبھی اپنے آقا کے دوش مبارک پر سوار کیا تھا اُس کا جسم اطہر گھوڑوں کے سموں

سے پامال ہو گیا۔“

اس کے بعد اس قدر روئیں کہ غش آ گیا۔ اس موقع پر موجود دوسرے سب لوگ بھی شدتِ غم سے رونے لگے۔ قافلہ ینہ پہنچا تو ان مُکْرَم خواتین نے حضرت نعمان بن بشیر کو اس ایسے سُلوک پر اپنی چوڑیاں اُتار کر بھیجیں اور فرمایا کہ ہم لُٹے ہوئے مسافروں پر اور کچھ نہیں کہ تیری خدمت کا عوض نہ دے سکیں۔ نعمان نے محبتِ اہل بیت میں ان چوڑیاں کو لیتے سے بعد احترام اٹکار کر دیا۔

اس دن سارا مدینہ منورہ سو گوار تھا۔ ہزاروں لوگوں نے روتے ہوئے ان لُٹے ہوئے مسافروں کی ہشوائی کی۔ حضرت زینب ؓ نے روحہ نبی کریم ﷺ کی طرف مُطالعاً ہو کر عرض کیا:

”اے میرے مقدس مانا جان! میں آپ کے فرزند اور اپنے بھائی حسین کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپ کی اولاد کورسیوں میں مایہ کر بے پردہ کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔“

حضرت زینب ؓ کے الفاظ سے لوگوں کی چیخیں کل گئیں۔ پھر وہ اپنی ماں سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ کے حرار پر حاضر ہوئیں اور اس درد سے روئیں کہ پتھروں کا کلیجہ بھی پانی ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے ملیں انہیں اپنی روداد و غم سنائی اور سب کو صبر کی تلقین کی۔

کربلا سے واپس لوٹنے تک کبھی مسکراہٹ ان کے لبوں تک نہ آئی۔ آپ ہمیشہ مصائبِ کربلا بیان کرتیں اور زلاتیں۔ ان مصائب نے ان کے قلب و جان کو پارا پارا کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۶۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہی انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات سے کربلا کی زعمہ داستان دُنیا سے اُٹھ گئی۔ دوسری روایت

کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام چلی گئیں۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہوئیں اور انتقال کر گئیں۔

ایک اور روایت کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں کربلا کے شہیدوں کے مصائب بیان کرتیں دنیا کی بے ثباتی اور حالات کی بے وفائی پر خون کے آنسو بہاتیں۔ اُن کا اندازِ خطابت اس قدر دلکش و دردا انگیز ہر جوش اور اثر آفریں ہوتا تھا کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں اور ہر سوطوفانِ اشک جاری ہو جاتا۔ لوگوں میں اہل بیت کریم سے ہمدردی اور محبت کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگتا تھا۔ اہل بیت کی اس خطیبہ عظیم کا خطاب کیا تھا ایک بحرِ بے کراں تھا جو کناروں سے اُچھلتا دُور دراز کے علاقوں کو بھی سیراب کرنے لگتا تھا۔ سیدہ زینب بنتِ علی رضی اللہ عنہا کی خطابت حضور نبی کریم اور سید علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خطابت کا احتراز تھی۔ جب لوگوں کے اندر حُبِ اہل بیت کا جذبہ شدت سے ٹھاٹھیں مارنے لگا تو مدینہ کے گورنر نے یزید کو ان معاملات سے آگاہ کیا۔ اُس نے انہیں کسی اور شہر میں بھیجنے کا حکم بھیج دیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کسی صورت بھی نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے قُرب سے دُوری گوارا کرنے کو تیار نہیں تھیں مگر بہت سے ہمدردوں اور اہل بیت سے خصوصی محبت رکھنے والوں نے سمجھایا کہ مصلحت سے کام لیں کہیں ایک اور کربلا نہ پاپا ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے سمجھانے پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت سیکندہ فاطمہ بناتِ حضرت امام حسین کو ساتھ لے کر مصر چلی گئیں۔ وہاں کے امیر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری نے اُن کی غیر معمولی تعظیم کی۔ ایک خوبصورت اور بڑے مکان میں ٹھہرایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا زندگی کے آخری ایام تک سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور سرزمینِ کربلا کے دوسرے شہداء کے حالات سے دل و نگاہ کو اشکبار کر دیتیں۔ ایک سال بعد ۶۳ھ میں اہل بیت کی عظیم خطیب اور تعلیماتِ اسلام کی نامور عالمہ اس کائنات سے

دارقانی کی طرف کوچ کر گئیں۔ سیدہ منورہؓ میں حضرت زینبؓ کی قبر کا کوئی نشان نہیں۔
البتہ دمشق اور قاہرہ دونوں مقامات پر ان کے حرار موجود ہیں۔ شہداء اہل بیت سے حقیدت
رکھنے والے اصحاب ایمان ان پر عارضی دے کر دوحالی سکون کی دولت حاصل کرتے ہیں۔



محترم قارئین! سیدہ زینبؓ بنت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ
قدرے طویل ہو گیا۔ ہم نے لاکھ چاہا کہ سانحہ کربلا سے آنکھ پھا کر آگے گزر جائیں مگر
ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت زینبؓ کی تو پہچان ہی سانحہ کربلا ہے۔ سیدہ زینبؓ
ؓ بہت بڑی خطیبہ، فقیہہ اور دلوں میں گداز پیدا کرنے والی سحر بیان مقررہ تھیں۔ مگر
ان کے خطبات تعلیمات اسلامی اور دوسرے موضوعات پر مشتمل تھے ان خطبات نے
حیرت انگیز دلیری و شجاعت ایمان افروز استقامت اور باطل قوتوں کے سامنے شمشیر
برائے بنا کر سینہ سپر ہونے والی محبت کی استطاعت اور شان عطا کی۔ ان کا تعلق سانحہ کربلا
سے ہے۔ سیدہ زینبؓ کا واقعہ کربلا سے تعلق اول سے آخر تک ہے۔ امام حسین
ؓ تو خلعت شہادت سے سرفراز ہو کر خدا کے حضور سجدہ نیاز پیش کر کے سرخرو ہو گئے۔
اس سے آگے جو کچھ ہے وہ محسنہ اسلام سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کے کردار کی
لازوال چمک ہے جس نے سانحہ کربلا کو لولہ خون روتی اور رلاتی ہوئی قوت بیان کے
ساتھ تاریخ کی زینت بنا دیا۔ اس لئے کیسے ممکن تھا کہ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کا
ذکر چھڑتا اور کربلا کی لہورنگ داستان سامنے نہ آتی۔ سرزمین کربلا اور سیدہ زینبؓ
دونوں ہی وقت کے افق پر ابھرنے والے لہورنگ حقائق ہیں۔

تھی داستان دراز بھی اور دل گداز بھی

لیکن کہاں یہ دل کہ دیا جائے اس کو طول



حضرت سمیہ بنت خبابؓ

شوکتِ اسلام کی پہلی شہیدہ مرحبا
 نقش ہے تاریخ پر اس کا پیامِ دل رُبا
 اپنے خُون سے دی گواہی عظمتِ اسلام کی
 ہے عمل ہر ایک اُس کا نورِ ایمان جاں فزا
 حضرت یاسرؓ کی بیوی اور ماںِ عماد کی
 اُس کا خاوند بھی ہوا سلطانِ عالم پر فدا
 جان دینا دین کی خاطر نہیں آسان کام
 ہے یہ لُطفِ جاوداں اور ہے یہ قدرت کی عطا
 ہوں سمیہؓ پر ابد تک ہم غلاموں کے سلام
 وہ ہے زندہ آج بھی بوجہِ ولّت کی صدا
 صبر کر اے آلِ یاسرِ خلد ہے تیرے لئے
 سرورِ دیں نے رستم ہوتے جو دیکھے تو کہا
 اے رضاِ زندہ حقیقت ہے یہی ہر دور میں
 قافلے حق کے چلیں گے اس کے رستے پر سدا

اسلام کی شہیدۃ الاول

حضرت سمیہ بنت خیاط رضی اللہ عنہا

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کا اقرار کرنا اور زندگی کے آخری سال تک اسے عملی طور پر جابھنا بہت مشکل کام ہے۔ عشق مصطفیٰ ﷺ کا نعرہ لگانا آسان ہے مگر اس پر عملی طور پر مظاہرہ کرنا آگ اور خون کے سمندر سے گزرنے کے مترادف ہے۔ آج کا دور تو آج کا دور ظہرِ اجب آج سے چودہ صدیاں قبل محبوب خدا ﷺ نے اسلام اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تھا تو وہی لوگ جو حضور ﷺ کو امین، صادق، اعلیٰ ترین کردار کا پیکر کہتے نہیں جھکتے تھے، یک ایک آپ کے دشمن ہو گئے۔ جس زبان سے نکلنے والے الفاظ کو وہ سچائی اور صداقت کی میزان سمجھتے تھے اُسی زبان اقدس سے نکلنے والے الفاظ ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہو گئے۔ مٹی اور پتھر کے سینکڑوں اصنام نے اُن کی عقلوں پر جہالت، تعصب اور باطل شناسی کی مہر لگا دی تھی۔ وہ اندر سے محسوس کرتے تھے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان حق و صداقت کے الفاظ کے علاوہ کچھ اور ادا کر ہی نہیں سکتی مگر اپنا قبائلی وقار، انا پسندی اور جتوں کے ساتھ اُن کی دیرینہ وفاداری انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمہ حق کو قبول کرنے سے روک رہے تھے۔ اب اُن کے پاس ایک ہی حربہ تھا کہ امن و سلامتی کے علمبردار اور اُس کے چاہنے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں۔ خدا کی توحید و سر بلندی کا نعرہ لگانے والے پر زندگی گزارنی محال کر دی جائے۔ کفر و شرک کے اعدا حیروں میں آفتابِ نور روشن کرنے والے پر زندگی حرام کر دی جائے اور وہ الٰہی ایمان جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی آواز پر لبیک کہہ کر اُن کی دعوت کو قبول کر رہے ہیں اُن پر زندگی کی ایک ایک سانس دھوا کر دی جائے۔

ہمارا سلام شوق پہنچے اُن فرزندِ ان عزیمت کو جنہوں نے ہر مشکل گھڑی میں



حائی بے کساں معین عاصیاں علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کا دامانِ اسلام تمام لیا خدا کی وحدانیت اور رسالتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقرار کر لیا تو پھر ان کے قدمِ راہِ استقامت میں کبھی ڈولنے نہ پائے۔ وہ اس حقیقت کی تفسیر بن چکے تھے۔

۔ قدم آگے کو اٹھے ہیں وہ واپس پھر نہیں سکتے

بلندی عشقِ احمد علیہ السلام کی رلی ہے گر نہیں سکتے

اسلام قبول کرنے والے ”السابقون الاولون“ میں جہاں حضرت صدیق اکبر حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ، حضرت عثمان، حضرت عمر فاروق اعظم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے سر بلند نفوس اور عظیم شخصیات کے اسمائے گرامی سامنے آتے ہیں وہاں ایک ایسے گمراہانے کا تصور بھی ابھرتا ہے جو تین افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت یاسر، حضرت سمیہ اور حضرت عمار بن یاسر۔ یہ گمراہانہ بھی اولین مسلمانوں میں سے تھا۔ کفار جہاں دوسرے مسلمانوں کو ستاتے تھے ایذا نہیں دیتے، وہاں ان کے قبیلوں سے کئی مرتبہ خائف بھی ہو جاتے تھے کہ کہیں ان کی خاندانی حیثیت جوش میں نہ آ جائے اور وہ ہم سے بدلہ لینے پر نہ ٹل جائیں۔ اس لئے ان سے کبھی بھی نرمی اور درگزر بھی کر لیا کرتے مگر یہ مختصر سا گمراہانہ تو انتہائی غریب افراد کا تھا اس لئے ابو جہل جیسے سفاک اور اُس کے دوسرے ساتھیوں کا غصہ اس خاندان پر لگتا۔ خوب خوب ستاتے جاتے بلکہ ان کے ساتھ جو مظالم روار کھے گئے ان کا تصور کر کے قلبِ ہستی کپکپا اٹھتا ہے۔ بوڑھے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، عمر رسیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے جوان بیٹے عظیم و تشدد کی بھینٹ چڑھے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ سے اپنے چاہنے والوں کی پریشان حالی پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ سب کے محرم راز تھے سب کے دلوں میں بستے اس لئے سب کی خبر رکھتے تھے۔ ان تک

یہ بات سچی کہ حضرت یاسر ؓ حضرت سمیہ ؓ حضرت عمار ؓ اور حضرت عبد اللہ ؓ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی ہے۔ اسی زمانے میں سرورِ عالم ؐ ایک دن بنو مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ کفارِ قریش نے ایک ضعیف العمر خاتون کو لوہے کی زنجیر پہنا کر خوبپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں ساتھ ہی اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں ”محمد کا دین قبول کرنے کا حرہ چکو۔“

مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر حضور ؐ آبدیدہ ہو گئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا ”میر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔“

راوی حق میں ظلم سہنے والی یہ خاتون جن کو سید المرسلین ؐ نے صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی حضرت سمیہ بنت خطاب تھیں۔

حضرت سمیہ ؓ بنت خطاب کا شمار نہایت بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے راوی حق میں اپنے ضعف اور کبر سنی کے باوجود ہر گداز مظلوم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کر دی اور اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا مہتمم بالشان شرف حاصل کیا۔

حضرت سمیہ ؓ کون تھیں حضرت یاسر ؓ کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے کس طور پر معظّمہ میں آئے اور کس طور پر سلطانِ دو عالم ؐ کے پیغامِ اسلام نے انہیں اس درجہ متاثر کر دیا تھا کہ وہ ہر ستم کو سہنے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ یہ اسلامی مساوات تھی جس نے حضرت بلال ؓ حضرت خبیب ؓ اور ان کی طرح حضرت یاسر ؓ اور حضرت سمیہ ؓ کو بھی یہ احساس دلایا تھا کہ فقط اسلام ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس کے دامن میں پناہ لے کر وہ مقتدر انسانوں کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ



حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباؤ اجداد میں صرف ان کے باپ ”خباطہ“ کا نام معلوم ہے۔ ان کا وطن اور خاندان کون سا تھا اور وہ کب اور کیسے مکہ پہنچیں؟ کُتبِ سیران سؤالوں کا کوئی جواب نہیں دیتیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ آیامِ جاہلیت میں مکہ کے ایک رئیس ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ یہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں یمن سے ایک قحطانی نسل شخص یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود الخیر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکہ میں وارد ہوئے اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت یاسر بن عامر سے کر دی۔ اُن کی صلب سے حضرت سمیہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا یہ سارا دور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے گزرا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین شخصیت اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ کیونکہ بعثت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اس سارے خاندان نے کسی تامل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ اس وقت ابو حذیفہ مخزومی کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس کے ورثاء کی غلامی میں تھیں۔ یہ اہل حق کیلئے بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ مکہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا، مُشرکینِ قریش کے غیظ و غضب اور لرزہ خیز جو روتھد کا نشانہ بن جاتا، مُشرکین اس معاملے میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے غریب الوطن رہتے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی ابھی بنو مخزوم نے آزاد نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں مُشرکین کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ انہوں نے اس بے کس خاندان پر

ایسا یہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت سرپیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسرؓ اور حضرت سیدہ
 زینبؓ دونوں بہت ضعیف اور کبیرا بن تھے مگر ان کی قوتِ ایمانی اور استقامت کا یہ عالم تھا
 کہ مشرکین ان کو طرح طرح کی دھمناک تکلیفیں دیتے تھے اور شرک پر مجبور کرتے تھے۔
 رحمتِ عالم ﷺ نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریش مکہ
 جن کی زبانیں آپ کو امن امن کہتے نہیں تھکی تھکی تھیں وہ نہ صرف آپ ﷺ کے خون کے
 واسطے امن گئے بلکہ جو شخص بھی دعوتِ حق پر لبیک کہتا اُس پر بے تحاشا ظلم و ستم ڈھانا
 شروع کر دیتے تھے اس میں مردِ دہموت کی کوئی تحصیل نہ تھی۔

لیکن ان کے قدم جلاؤ حق سے ایک لوہے کی نڈا لگاتے تھے۔ یہی حال
ان مظلوموں کا بھی تھا۔ ان مظلوموں کو وہ پہنچا کر تک کی جاتی تھی رست پر لٹاتا
اور ان کی پشت سے کو آگ کے انگڑوں سے جانتا اور پانی میں غوطے دینا کتار کا روضہ کا
معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ سرور وہ عالم مظالم اس مقام سے گزرے جہاں ان
مظلوموں کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپ کو اس پر سخت دکھ ہوا اور آپ نے فرمایا: جبر کو
اسے الیہ راجع کر دو تمہارے لئے جنت کا حصہ ہے۔

حضرت اکرم ﷺ کی یہی طرح آگیا جو چکا تھا کہ اس عالم پر ڈھلے جانے والے عالم کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے کی شکایتوں کو آواز دے چکے تھے۔ وہ ملک بے مسلمان بن گیا تھا۔ اس وقت کرم صعل کہیں چاروں کو آواز دے رہے تھے یا مگر ہو چکا تھا کہ اس کے شعیب بن کعبہ نے اس کی اپنی کتاب چھوڑ کر اس کے مسلمان بن کر رہ گئے تھے۔ حضرت اکرم نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ چاروں کرم صعل بن چھوڑ دیں۔ ان کے جوہن بنوں کی زعمیں سے کھیل کر ان کی باتوں کو مسلمانوں کیلئے حاکم میرت ہے۔ اس لئے کہ قیت پر بھی آگیا کہ اس نے پر قیت نہ دے سکتا تھا۔



رحمت پناہ بے کساں ﷺ نے تو جس کو جہاں بھی قلم و تشدد کی جگہ میں پستا دیکھا، خود کوشش کی یا صحابہ کے تعاون سے انہیں آزادی دلانے میں کامیاب رہے۔ یہاں معاملہ زیادہ ہی سخت تھا۔ مظلوم بھی انتہائی غریب و مفلس اور کمزور تھے اور ظالم و جابر بھی اپنے جبر و ستم کی آخری حدوں کو آزمارہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دیکھے بغیر بھی نہیں رہ سکتے تھے اس لئے ہر بار انہیں صبر کی تلقین کرتے اور جنت کا مشرودہ سناتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں کو متلائے مصیبت دیکھا تو آپ نے فرمایا ”صبر کرو! الہی آل یاسر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمادے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی“۔ بوڑھے یاسر رضی اللہ عنہ یہ قلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے لیکن مشرکین کو پھر بھی اس خاندان پر رحم نہ آیا اور انہوں نے حضرت سمیہ اور ان کے بچوں پر قلم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

اسی طرح قلم کرنے اور قلم سہنے کا عمل جاری رہا۔ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ابو جہل قلم و تشدد اور وحشیانہ سفاکی کو آخری منزل تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے قلم و ستم کا ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا تھا کہ یہ نخیف و نزار غلام بوڑھے بھی اسلام کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اُسے حیرت تھی کہ محمد ﷺ نے ان کو کون سا نشہ پلا دیا ہے کہ ان کو اپنی جان کی معمولی سی پرواہ بھی نہیں ہے اور یوں لگتا ہے کہ موت ان کیلئے موت نہیں بلکہ حقیقی زندگی کا پیام ہے۔

کشاوِ دردل سمجھتے ہیں اس کو..... ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

ایک دن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دی اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اپنا برچھا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور اپنی جان جانِ آفرین

کے پُرد کردی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے حیر مار کر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ اب صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگ بے کسی پر سخت صدمہ ہوا، روتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کی:

يَا رَسُولَ اللَّهِ ابْنُ قَوْمٍ كَيْفَ يَكُونُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا:

”اے اللہ! آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو بیٹے تھے اس لئے ان کو والدہ کی مظلومانہ شہادت کبھی نہیں بھول سکتی تھی لیکن سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابو جہل کی شہادت اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی مرگ بے کسی یاد رہی چنانچہ غزوہ بدر (رمضان المبارک ۲ھ) میں ابو جہل جہنمِ واصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

قَدْ قَتَلَ اللَّهُ كَايِلَ لَيْكَ

وہ وقت بھی کتنا عبرت آفریں تھا جب حضرت یاسر رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ کا قاتل اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر تشدد کا ہر حربہ آزمانے والا ابو جہل خود موت کے بے رحم جیڑوں میں جا رہا تھا۔ یہی ابو جہل تھا جس نے نجانے کتنے حق پرستوں کی زندگیاں کا چراغ گل کیا تھا اور آج میدانِ بدر میں ایک ہزار مسلح کفار کو لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانفردشوں کی زندگیاں کے چراغ گل کرنے کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی اعنت سے اعنت بجانے پر ٹلا ہوا تھا۔

اسلام اور کفر کی زبردست معرکہ آرائی کے بعد حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما نے مکہ کے اس فرعون کو شدید زخمی کر کے بے دست و پا کر کے کدمن چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔



اب وہ اپنے بہتے ہوئے خون میں ڈوب کر اپنے وجود کی سانسوں کو ختم ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اتنے میں حضرت معاذ اور مسعود رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُبو جہل کی ہلاکت کا مژدہ سنایا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے ظلم و تکبر کے پیکر کو موت کی تکخیاں چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس دوران میں صحابی رسول فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کمزور بچے کے مالک تھے اُبو جہل کی زردہ اور سامان جنگ بطور مال غنیمت حاصل کرنے کیلئے اُس کے قریب پہنچے۔ اُس کی تلوار اٹھائی اور اسی کے سینے پر چڑھ بیٹھے، موت کے منہ میں جانے والے اس شیطان نے پھر بھی اکڑ کر کہا۔

”اوچھو! ہے تجھے پتہ ہے تو کس کے سینے پر بیٹھا ہے“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ”او ظالم اپنا انجام دیکھ تو ذلت و رسوائی کی موت مر رہا ہے۔ اسلام سُرخرو ہو چکا اور محمد رسول اللہ قاتل ہیں۔“
یہ سنتے ہی آخری دردناک کراہ اُبو جہل کے سینے سے نکلی اور کہا:
”میرا سر میرے گلے سے رگڑ کر کاٹنا تاکہ جب سروں کی گنتی ہو تو تکتے کے سردار کا سر سب سے بلند ہو۔“

۔ کہ جس کو دیکھنے والے کہیں سردار کا سر ہے

بڑے ہی گردن افراز و سپہ سالار کا سر ہے

اُبو جہل میٹ چکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو دیکھا جن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

”اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا ہے“

حضرت سمیہ کی شہادت ہجرتِ نبوی سے کئی برس قبل واقع ہوئی تھی اس لئے تمام مورخین اسلام نے انہیں اسلام کی اولین شہیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت خطابؓ

فاطمہ بنت خطاب کی زندگی
 روشنی روشنی ، زندگی زندگی
 اُن کا انداز ہر ایک نورِ یقین
 اُن کی ہر اک ادا آگہی آگہی
 راہِ ایمان میں راہِ ایمان میں
 اُن کی ہر اک ادا حلِ طبعِ جلی
 ترترِ خون میں آپ کو دیکھ کر
 ابنِ خطاب کو دیں کی دولتِ ملی
 پاک دل پاک خوش نیک دل باصفا
 اُن کا کردار گزارِ حق کی کلی
 یہ فدا تھیں دل و جاں سے اسلام پر
 غمگین اُن کے دل میں تھا عشقِ نبی
 نام اُن کا رضا شوکتِ دینِ حق
 اُن کا ایمان تھا سرسبز چاندنی

(محمد اکرم رضا)



حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

اسلام کا اعلان ہوتے ہی مکہ میں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ بُت پرستوں کی سر زمین پر جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ توحید و رسالت سے ظالم و جابر بُت پرستوں نے مسلمان کو دن رات ستانا اور انہیں کُلم و تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں حرم بیت اللہ میں آتے تو ان پر قیامت توڑی جاتی۔ خاص طور پر پیغمبر اسلام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا جاتا، آپ پر پتھر پھینکے جاتے، حالتِ سجدہ میں آپ پر گندگی پھینکی۔ ان کے بقول پیغمبر اسلام اپنے نئے دین کے ذریعہ انہیں گمراہ کر رہے تھے۔ غریب اور نادار مسلمان خاص طور پر ان کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے کیونکہ ان میں سے بعض تو ان کے غلام ہوتے اور بعض اس قدر غریب کہ ان کے خلاف بول بھی نہیں سکتے تھے۔

لیکن چشمِ فلک یہ منظر دیکھ کر حیران تھی کہ وہ جتنا زیادہ مسلمانوں کو ستاتے تھے اسلام ماننے والوں کی تعداد اتنی ہی زیادہ بڑھ رہی تھی۔ خود مکہ کے بڑے بڑے رؤساء کے گھروں میں کوئی کوئی فرد اسلام قبول کر رہا تھا۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ یہ ایسا نشہ تھا کہ جس کی تاثیر حیرت انگیز تھی۔ اسلام قبول کرنے والی ہستیوں میں حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا بھی تھیں جن کے بھائی عمر ابن خطاب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور مسلمانوں کو ایذا دینے کے شب و روز بہانے سوچا کرتے تھے۔

حضرت اُمّ جمیل فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ کتبِ سیر میں ان کے بہت ہی کم حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔ حسبِ نسب کے بارے میں اتنا کافی ہے کہ وہ قریش کے خاندان بنو عدی میں سے تھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

خطاب بن قنیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

کعب بن لوی پر حضرت فاطمہ ؓ کا سلسلہ نسب حضور ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ ؓ کی شادی حضرت سعید بن زید (بن عمرو بن نفیل) سے ہوئی جو اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ نے بخت کے بعد جو نبی دعوتِ حق کا آغاز فرمایا۔ حضرت سعید اور حضرت فاطمہ ؓ ملا تامل آگے بڑھے اور دینِ حق کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ان سے پہلے صرف کنتی کے چند سعید الفطرت اصحاب شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت خطاب ؓ سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہ ؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعید ؓ اٹھائیسویں مسلمان تھے۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کو ”التابعون الاولون“ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

جس زمانے میں حضرت فاطمہ ؓ سعادتِ اندوزِ اسلام ہوئیں اُن کے نامور بھائی عمر بن الخطاب دینِ حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یہ حضرت فاطمہ ؓ کا استقلال اور اخلاص فی الدین ہی تھا جس نے ایک دن ان کو عمر بن الخطاب سے فاروقِ اعظم بنا دیا۔ حضرت فاطمہ ؓ کی کتابِ زندگی کا یہ سب سے تاہناک باب ہے اور بہت سے اربابِ سیر نے اُسے بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ تاہم کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں حضرت عمر فاروق ؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت فاطمہ ؓ کا ذکر نہیں آیا لیکن مشہور روایت وہی ہے جسے ابن اسحاق، ابو یعلیٰ، یزید طبرانی، بیہقی، دارقطنی اور کئی دوسرے اہل



سیر نے تو اتر کے ساتھ نقل کیا ہے اگرچہ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے لیکن واقعہ کی صورت قریب قریب یکساں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ بعد بعثت میں ایک دن حضرت عمر علی الصباح شمشیر بدست گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج شمع رسالت ﷺ کو بجھا کر دم لیں گے۔

مشہور روایت ہے کہ جب سرورِ عالم ﷺ کے شجاع چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تو مشرکین قریش کے پندار پر سخت ضرب لگی۔ انہوں نے مشتعل ہو کر ایک اجتماع عام کیا جس میں ابو جہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا میں اسے سو سرخ اونٹ (جو بہت گراں بہا ہوتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطورِ انعام دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انہیں انعام کا لالچ تو نہیں تھا لیکن اپنی زور آوری اور طاقت پر بڑا مانا تھا۔ ابو جہل کی اشتعال انگیز تقریر سن کر جوش میں آ گئے اور باوازِ بلند کہا:

”مجھے لات وعزائی کی قسم جب تک میں محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر لوں گا زمین پر نہ بیٹھوں گا۔“

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ دو عالم ﷺ کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دوستوں عمرو بن ہشام (ابو جہل) اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو دولتِ اسلام سے بہرہ ور کر دے چنانچہ آپ نے دعا مانگی:

اللهم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن هشام واما عمر ابن الخطاب

(الہی! اسلام کو ابنِ ہشام یا عمر بن الخطاب سے عزت دے)

یہ دعا فوراً اجابت پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر ؓ بن الخطاب کو اسلام کا دست و بازو بنانے کیلئے جن لیا۔ اس واقعہ (یعنی حضور ﷺ کے دُعا مانگنے) کے دوسرے ہی دن حضرت عمر ؓ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا عزم کر کے گھر سے نکلے۔ راستے میں اتفاق سے اُن کے قبیلہ بنو عدی کے ایک صاحب حضرت نعیم بن عبد اللہ ؓ مل گئے۔ وہ خفیہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا:

”عمر یہ آج شمشیر بکف کدھر چلے ہو؟“

حضرت عمر: ”آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے ہم سب کو احمق قرار دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کی کُمد مت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالے ہیں۔“

حضرت نعیم: عمر یہ بڑا خطرناک کام ہے، خدا کی قسم تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو، اگر تم عمر ؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کیلئے زندہ چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمر ؓ نے کہا: ”مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عمر ؓ کا دین اختیار کر لیا ہے۔ کیوں نہ پہلے تمہیں ہی اس کا حرہ چکھا دوں۔“

حضرت نعیم نے کہا: تم مجھ کو بعد میں حرہ چکھانا پہلے اپنے گھروالوں کی تو خبر لو۔

حضرت عمر بولے: ”میرے کون سے گھروالے؟“

حضرت نعیم ؓ بولے: ”تمہاری بہن فاطمہ ؓ اور بہنوئی سعید بن زید ؓ جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، میری نسبت تم پر اُن کا زیادہ حق ہے۔“

حضرت عمر ؓ یہ سن کر جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے۔ پلٹ کر حضرت



فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔ وہاں اس وقت سادس الاسلام حضرت خباب بن الارت بھی موجود تھے۔ اُن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ طہ لکھی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے شوہر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اُن کی آواز سُن لی اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ یہ عمر ہیں۔ انہوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو گھر کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا اور قرآن پاک کے اجزاء کو جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھول دیا۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا:

”یہ کیسی آواز تھی جو ابھی میں نے سنی ہے۔“

حضرت فاطمہ اور حضرت سعید نے کہا: ”تم نے کچھ نہیں سنا۔“

حضرت عمر سخت غضب ناک ہو کر بولے۔

”نہیں میں نے سنا ہے، خدا کی قسم میں سُن چکا ہوں کہ تم دونوں نے محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے بہنوئی (حضرت سعید بن زید) سے لپٹ گئے، اُن کے لمبے

بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشہ پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر

کو بچانے کیلئے اُٹھیں تو انہیں بھی مارا۔ پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر ایک لکڑی سے وار کیا

چاہتے تھے کہ حضرت فاطمہ آگے آگئیں، وار اُن کے سر پر پڑا اور اُس سے خون کے

فوارے چھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں شوہر کے ساتھ ہم زبان ہو کر بولیں:

”ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے

ہیں تم جو کر سکتے ہو کر لو دین حق کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔“

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ منسوب ہیں جن کی



حفیظ جانند مری نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

بہن بولی عمر ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے
فلکیوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچالے
مگر ہم اپنے دینِ حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے
بلندی معرفت کی بل گئی ہے گر نہیں سکتے

ہمشیرہ کی جرأتِ گفتار اور استقامتِ ایمان اور بے خوف لہجہ دیکھ کر عمر کا باطن بیدار ہونے لگا۔ ان بہن اور بہنوئی کو غور سے دیکھا جن کو مار مار کر خون میں نہلا دیا تھا۔ یہ کیفیت مظلومی اور جذبہِ ایمانی

دہن سے نامِ حق، آنکھوں سے آنسو، منہ سے خون جاری
عمر کے دل پہ اس نقشے سے عبرت ہو گئی طاری
آہستہ آہستہ اُن کا غصہ عمامت میں تبدیل ہونے لگا۔ آخر کو دعائے مصطفیٰ ﷺ نے بھی
اپنی تاثیر دکھائی تھی اور آپ نے ہی آگے چل کر فاروقِ اعظم بننا تھا۔ حضرت فاطمہ بنت
خطاب رضی اللہ عنہا نے اپنا خون بہا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھے
رہے پھر بولے:

”اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”میں ڈر رہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔“
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ ”تم کوئی اندیشہ نہ کرو
میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اب خیال آیا کہ شاید بھائی کے دل پر کلام
الہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا:



”ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے یہ صحیفہ جس میں کلام الہی درج ہے اس کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس صحیفے کو نہیں چھو سکتے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے سورہ طہ کا ابتدائی حصہ ہی پڑھا تھا کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا دل سے کفر و شرک کا رنگ دور ہونے لگا۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآن کریم کی شوکت الفاظ ندرت بیان اور فصاحت زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی۔ جب اس آیت پر پہنچے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

(پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۸)

یعنی اللہ (وہ ہے) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کیلئے بڑے خوبصورت نام ہیں۔

تو ان پر برقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اُٹھے:

”ما احسن الکلام“ یہ کتنا پیارا کلام ہے..... جو نبی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے حضرت خباب رضی اللہ عنہ مکان کے پچھلے حصے سے نکل کر باہر آ گئے اور جوش مسرت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: اے عمر مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الہی عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی پڑھ کر سناؤ۔

حالتِ عجز میں
حضرت قاطرہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے جسم سے خون صاف کیا وضو کر کے کلام اللہ کے اوراق نکالے اور پھر بڑے جوش سے سورہ طہ کی تلاوت شروع کر دی۔

طه ۝ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِیَشْفٰی ۝ اِلَّا تَذٰکِرًا لِّمَنْ یُّخْشٰی ۝ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝ الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ الْمَعْوٰی ۝

(پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۵ تا ۸)

(طہ) نہیں اُتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ اُتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان کائنات کی فرمانروائی پر متمکن ہوا۔

جوں جوں پڑھتی جاتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل پانی ہوتا جاتا تھا جب انہوں نے پڑھا:

لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی

(پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۶)

اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔
تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے اور بولے:

”اے قاطرہ! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے کیا وہ سب تمہارے خدا کا ہے؟“

حضرت قاطرہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا: ”بے شک بھائی! ہمارا اللہ بڑی شان اور



قدرت والا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”ذرا یہ اوراق مجھے بھی دو۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بھائی ہمارے باللہ کا حکم ہے:

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

جب تک کوئی پاک و صاف نہ ہو کلام الہی کو ہاتھ نہ لگائے۔ آپ پہلے غسل کریں اس کے بعد شوق سے ان اوراق مقدس کو دیکھیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا اور پھر نہایت ذوق و شوق سے کلام الہی کو دیکھنا شروع کیا اس کی تاثیر نے انہیں مغلوب کر لیا لیکن جب اس آیت پر پہنچے:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

(پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۱۴)

ترجمہ: (یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کر)

تو بے اختیار ہو گئے اور زار زار رونے لگے حتیٰ کہ داڑھی کے سب بال تر ہو گئے۔ پھر اپنے بہنوئی اور بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”خدا کیلئے میری زیادتی مُعاف کر دو اور گواہ رہو کہ میں سچے دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان لاتا ہوں۔“

اس کے بعد حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کمر سے باندھے ہوئے دار ارقم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دروازہ کھولنے میں تامل ہوا۔ اس موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا، انہوں نے کڑک کر کہا: دروازہ

ﷺ کے عہد خلافت میں وفات پائی لیکن اہل سیر نے اُن کے زمانہ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام عبدالرحمن تھا لیکن حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اُن کے چار بیٹے تھے۔ عبداللہ، عبدالرحمن، زید اور اسود (رحمۃ اللہ علیہم)

حضرت فاطمہ بنت خطاب رحمہم اللہ کے حالات کم دستیاب سہی لیکن اُن کی یہ قربانی بھلا کم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر اور درشت مزاج انسان کو ایوان اسلام تک لے آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنا مارا کہ جسم و جان لرز اٹھے نہ انہوں نے بہن کا خیال کیا نہ بہنوتی کا۔ حضرت فاطمہ رحمہم اللہ اس وقت حقانیت اسلام کی مضبوط چٹان بن چکی تھی جس کی مضبوطی بڑے بڑے مضبوط اعصاب رکھنے والوں کو گداز بخش دیتی ہے۔ آپ نے ظلم و ستم کی آخر حد کو برداشت کر لیا مگر سنگ خارا کو اسلام اور قرآن منہی کی تاثیر بخش ہی دی۔ جب بھی استقامت عمل اور فروغ دین کیلئے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرنے والی خواتین کا ذکر آئے گا حضرت فاطمہ رحمہم اللہ بنت خطاب کا تذکرہ ضرور چھڑے گا۔ سلام ہوں اس عظیم ہستی پر جو کمزور عورت ہو کر بھی رفعت قرآن کا ستون بن گئیں اور ان کے اس عمل نے اسلام کے قافلے کو نئی تہ و تاب اور برق رفتاری بخش دی۔

جناب فاطمہؑ نے شمع ایماں کو ضیا بخشی
وہ کونین کی الفت میں جینے کی ادا بخشی





حضرت اُمّ سلیمؓ بنت طلحہ

زینتِ دنیائے نساء حضرت اُمّ سلیم
 عاشقِ سلطانِ دُوراء حضرت اُمّ سلیم
 جس کو ہر پل ہر گھڑی ہر آن آقا تھے عزیز
 خدمتِ احمدؐ کا عنوان حضرت اُمّ سلیم
 چہرہٴ سلطانِ دین کی اک جھلک جس کے لئے
 تھی غم ہستی کا درماں حضرت اُمّ سلیم
 اسؑ کی تھیں والدہ سرکار کی تھیں خادمہ
 احمدِ مرسلؑ پر قربان حضرت اُمّ سلیم
 رحمۃ اللعالمین کی تھیں رضا اُن کو عزیز
 سرورِ عالم پہ قربان حضرت اُمّ سلیم
 تھیں دعائیں اُن کو حاصل رحمتِ دارین کی
 جن پہ تھے سرکارِ نازاں حضرت اُمّ سلیم
 اے رضا یہ عورتوں کے حق میں رہکِ زندگی
 خالقِ ہستی کا احسان حضرت اُمّ سلیم



حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بنت طلحان

ایمان کی سب سے بڑی کسوٹی یہی ہے کہ صاحب ایمان حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اپنی زندگی سے بڑھ کر عزیز جانے۔ آپ کی ذات کو حاصلِ ایمان سمجھے، شوکتِ ایقان تصور کرے اور خدا اور رسولِ خدا اس سے جب بھی کوئی قربانی طلب کریں یہ اپنی جان کا نذرانہ ہتھیلی پر سجا کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جائے۔ ماں باپ، بہن بھائی، جائیداد حتیٰ کہ وہ زندگی جو رگوں کے اندر رقصاں ہے اسے ناموسِ رسول ﷺ پر تصدق کر کے اپنی خوش بختیوں پر ناز کرے۔ مکہ معظمہ میں نبی کریم ﷺ کو سخت دل بدوں اور سنگدل اصنام کے پرستاروں سے واسطہ پڑا مگر رسولِ کریم ﷺ کے دامانِ کریم سے وابستہ ہونے کے بعد یہاں سے ایسے اصحابِ ایمان اُٹھے جو ناموسِ رسول کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ نذرانہ جاں پیش کرنے والوں میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں بلکہ

۔ یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

لیکن جو نبی حضور ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں تو یہاں کی ہر چیز آپ کے قدموں پر تصدق ہونے کیلئے بے قرار نظر آتی ہے۔ مرد اور عورت تو ایک طرف بچے بھی حضور ﷺ کے نام نامی پر کٹ مرنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ ان خوش بختوں میں سے ایک حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بنت طلحان رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو محبتِ رسول ﷺ سے سرشار نظر آتی ہیں اور آپ کی رضا جوئی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔

نام رمیلہ یا مہلہ اور بعض کے نزدیک رمیہ ہے۔ اُمّ سلیم اور اُمّ انس کنیت

عمیصا اور رمیہ القب ہے۔ ان کے باپ طلحان بن خالد مدینہ کے باشندے اور انصار

کے قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے۔

حافظہ نام
 مالک بن نضر سے نکاح ہوا جو ان کے ہم قبیلہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں
 سے پیدا ہوئے۔ اہل اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ اسی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے
 اصابت میں لکھا ہے سلمت مع السابقین الی الاسلام من الاتصال۔ حضرت انس
 رضی اللہ عنہ اس وقت پختہ تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو لکھ پڑھاتی تھیں تو مالک بن نضر جو
 اپنے مذہب پر قائم تھے اور شرک تھے بہت فحاشی کرتے تھے کہ تم میرے بچہ کو بھی بدین
 کے دیتی ہو غرض وہ مسلمان نہ ہوا تھے نہ ہوئے اور اسی حالت میں ناراض ہو کر شام
 چلے گئے۔ یہاں ابن کا کوئی دشمن پہلے سے خنجر تھا اس نے موقع پا کر قتل کر ڈالا۔ اب
 ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور حضرت انس کے بچپن سے پریشان۔ اگر ایسے وقت میں نکاح
 کر لیتیں تو قاتل الزام نہ تھیں مگر انہوں نے بڑے استحکال سے کام لیا اور سب کے
 پیغام یہ کہہ کر دے دیے کہ جب تک میرا بیٹا مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے
 قاتل نہ ہو جائے نکاح نہ کروں گی۔ پھر جب انس رضی اللہ عنہ میرے نکاح پر رضامند ہو گا تو
 کروں گی۔ ان کا یہ کہنا اس خیال سے تھا کہ سوتیلے باپ سے حضرت انس کو تکلیف ہو۔
 جب حضرت انس رضی اللہ عنہ بن شہر کو پہنچے تو انہیں کے قبیلہ کے ایک شخص ابو طلحہ
 نے نکاح کا پیغام دیا مگر مالک کی طرح یہ بھی شرک تھے اس لئے انہوں نے غور کیا
 اور کہا: میں تو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ وہ خدا کے
 رسول ہیں۔ تمہارے ابو پر البتہ افسوس ہے کہ تم اور لکڑی کے بت پوجے ہو جو تمہیں کچھ
 نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تمہیں کچھ ایسے اعمال میں کی گئی کہ اسلام کی صداقت
 ابو طلحہ کی محبت سے آگئی اور چند دن کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر شرف بہ
 اسلام ہوئے۔

ابو طلحہ مایہ لوط سے بہت معمولی حیثیت کے آدمی تھے مگر چونکہ حضرت ام



سلیم رضی اللہ عنہا کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے تھے اس لئے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے دل میں اُن کی وقعت بڑھ گئی تھی اور انہوں نے قبولِ اسلام کے بعد ہی ابو طلحہ سے کہہ دیا میں بھی تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے کوئی مہر نہیں لیتی۔ یہ نکاح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زیرِ اہتمام ہوا۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بھی بعض دوسری مسلمان شیرِ دل عورتوں کی طرح جہاد میں مردوں کے دوش بدوش رہیں اور برابر کام کیا۔ صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ غزوات میں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو ساتھ رکھتے تھے جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

جنگِ احد میں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا مع اپنے شوہر حضرت ابو طلحہ کے شریک تھیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں دشمنوں کے تیر اور نیزے جگر پر روکتے تھے اور حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی مستعدی سے مجاہدین کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو پانچے جڑھائے مشک بھر بھر کر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا جب مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر بھر لاتی تھیں۔

حضرت ابو طلحہ سے نکاح ہو جانے کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں دے چکی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے خدامِ خاص میں سے تھے۔ اور آپ کو بہت محبوب تھے۔ ایک بار آپ ﷺ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کھن اور کھجوریں پیش کیں آپ نے اُمّ سلیم اور اُن کے خاندان کیلئے دعا مانگی۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ اُس وقت محبتِ نبوی جوش پر ہے تو کہا: یا رسول اللہ! میں سب سے زیادہ انس کو چاہتی

ہوں جو آپ کا خدمت گار ہے اس کیلئے خصوصیت سے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ! اس کو مال دے اولاد دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما۔ اور اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تمام انصار سے زیادہ متمول اور معزز ہوئے۔ کثرت سے اولاد ہوئی اور سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے صلب سے اُن کا ایک بیٹا ابوعبیر بھی تھا۔ ابوعبیر چھوٹا تھا اور کبھی عی میں انتقال کر گیا۔ ایک بار آپ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور ابوعبیر کو رنجیدہ دیکھ کر آپ نے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے آج میں ابوعبیر کو سست دیکھتا ہوں؟ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس کی ایک چڑیا (غیر) مر گئی وہ اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ آپ نے بلا کر ابوعبیر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے ابوعبیر تیری تعمیر کیا ہوئی؟ وہ انس دیا اور اس وقت سے یہ جملہ بطور تمکات نبوی ضرب المثل ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کرنا یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیں۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا قبیلہ خزرج کی نہایت معزز شاخ عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔

بعض تذکرہ نویسوں سے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو رسول اکرم ﷺ کی خالہ بتایا ہے اور یہ اس لئے کہ آپ کی پردادی سلمیٰ (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا اور حضرت اُمّ سلیم سلمیٰ کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اس نسبت سے وہ اور ان کی بہن اُمّ حرام حضور ﷺ کی خالہ مشہور ہو گئی تھیں۔



قبولِ اسلام کے بعد حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ محبت رسول اور جذبہ ایثار کی بدولت بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے ایماء پر ہی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ انس رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کا اعتقاد بہت بڑھا ہوا تھا اور آپ سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت ابوطالب آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیں کہ بارگاہِ نبوت میں پیش کر دیں۔ آپ مسجد میں مع چند صحابہ کے تشریف رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا: تم کو ابوطالب نے بھیجا ہے؟ کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کھانے کے لئے؟ بولے ہاں۔ آپ مع تمام حاضر الوقت صحابہ کے گھر تشریف لائے وہ گھبرائے اور حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: اب کیا تدبیر کی جائے؟ کھانا بہت کم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آدمی بہت ہیں۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے اس وقت بھی نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں سے خدا اور رسول زیادہ واقف ہیں۔ آپ اندر آئے تو انہوں نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصحاب کے ساتھ نوش فرمایا۔

اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی اُس کا اندازہ ذیل کی روایات سے ہو گا۔ فراغتِ حج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ منیٰ میں مَوئے مبارک ترشوائے تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لو اور برکت کی غرض سے اُن کو ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اُن

ایک بار آنحضرت ﷺ نے اُن کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزہ کا دہانکاٹ کر رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مَس ہوا ہے۔ آپ ﷺ بھی حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ ان کے ساتھ خصوصیت کا پتلاؤ کرتے اور ان کیلئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حج کیلئے مکہ جانے لگے تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”تم اس سال ہمارے ساتھ حج نہیں کرتیں؟“ جواب دیا ”یا نبی اللہ! میرے شوہر کے پاس دو سواریاں ہیں اور ان دونوں پر وہ مع اپنے بیٹے کے حج کو چلے گئے مجھے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ سوار کر دیا۔ راستہ میں عورتوں کے اونٹ پیچھے رہ گئے ہاتھ دالے آپ کے غلام انجوہ تھے۔ انہوں نے حدی خوانی شروع کر دی جس سے اونٹ ڈرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ قریب آئے اور فرمایا: انجوہ آہستہ آہستہ شیشے ہیں شیشے“ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو تربیتِ اولاد کا جو سلیقہ تھا اس کا انداز حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس فقرے سے ہو سکتا ہے ”اللہ میری اماں کو جزائے خیر دے انہوں نے میری بہت خوبی سے کفالت کی۔“

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی عقل و کمال والی خاتون تھیں اور آپ نے نہایت دقیقہ شناس اور نکتہ رس و ماخِ پایا تھا۔ حدیث کا علم بھی اچھا تھا، لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے اور شکوک رفع کرتے تھے۔ ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں ایک مسئلہ پر اختلاف ہوا تو دونوں نے انہیں کو حکم قرار دیا۔



حضرت اُمّ سلیم ایک بہادر اور شیر دل خاتون تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب آپ کو میدان جنگ میں لے جاتے اور آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی دیگر خواتین بھی ہوتیں تو آپ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ ان عورتوں کو سکھاؤ کہ انہوں نے زخموں، پیاسوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے۔ آپ انہیں ایسے مواقع پر اپنا رویہ نرم رکھنے کو کہتے۔ جب مسلمانوں کے جے ہوئے قدم اکٹڑ گئے، اس وقت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ میدان میں جے ہوئے اور حضور ﷺ کی حفاظت میں سینہ پر تھے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ میدان جنگ میں مشک بھر بھر کر لاتیں اور زخموں کو پانی پلاتی تھیں۔

غزوہ خیبر میں بھی حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا شریک تھیں، حسب سابق اس غزوہ میں بھی انہوں نے نہایت مستعدی سے زخموں کی خدمت کی، جب خیبر فتح ہو گیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حنیّ نے رسول کریم ﷺ کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے انہیں اُمّ سلیم کے سپرد کر دیا کہ انہیں دہن بنا کر لائیں کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو شکستہ حال کر دیا تھا۔

چند دنوں کے بعد ابوعمیر نے کمسنی ہی میں وفات پائی۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے لاڈلے لخت جگر کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنا یا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو ابوعمیر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے۔ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: اگر تم کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھر واپس لے لی جائے تو کیا تم اس کے



وینے سے انکار کرو گے یا اس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گزرے گا۔“

حضرت ابوطولہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔

بولیں ”تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔ اب تمہیں

اس کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ حضرت ابوطولہ رضی اللہ عنہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا اور

ان سے کہا ”کہ تم نے پہلے کیوں نہ بتلایا۔“ بولیں ”تا کہ اطمینان سے کھانا کھا لو۔“

صبح اٹھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان

کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے شیوہ صبر و رضا پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور دعا فرمائی

”اللہ تمہیں اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ابو عمیر کا نعم البدل عطا فرمائے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابوطولہ رضی اللہ عنہ اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک اور فرزند عطا کیا

جس کا نام عبد اللہ رضی اللہ عنہ رکھا گیا ان کی تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زیر سایہ ہوئی۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ،

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاصم رضی اللہ عنہ نے چند احادیث روایت کی

ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کرتے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔

اگر کبھی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُمّ سلیم کے گھر میں نماز کا وقت آ جاتا تو

وہاں ہی چٹائی پر نماز ادا فرما لیتے۔ اپنی جائگاری اور عقیدت کی بناء پر حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں بے حد محترم تھیں۔ ازواجِ مطہرات کے علاوہ عورتوں پر

شرف انہی کو حاصل ہے کہ سید البشر خود چل کر ان کے گھر جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

تھے کہ مجھے اُمّ سلیم پر رحم آتا ہے اس کے بھائی حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے میری حمایت میں

شہادت پائی ہے۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی اولوالعزم اور شجاع خاتون تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی خدماتِ حسنہ اور جانثاری و فداکاری کی بناء پر بہت قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

۸ ہجری میں فتح مکہ کے چند دن بعد حنین کے مقام پر خونی معرکہ پیش آیا۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک جنگ تھیں۔ ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل ہزاروں کی تعداد میں تاک میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے بنی معصر اور بنی ہلال کے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا۔ وادی حنین میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ افسوسناک خبر سن کر بارہ ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر حنین کی طرف بڑھے۔ اُن میں مکہ کے نو مسلم بھی تھے جو ابھی شوقِ شہادت سے آراستہ نہیں ہوئے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ معاہدے ہوئے تھے۔ دشمن نے ایک تنگ درّہ میں اپنے تیر اندازوں کو گھات میں بٹھا دیا تھا۔ جب ہر اول دستہ جو نو مسلموں پر مشتمل تھا آگے بڑھا تو تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ یہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور پورے لشکر کو پریشان حال کر دیا۔ کافروں نے پوری قوت سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ ایسے مشکل وقت میں حضور اقدس کے ساتھ چند سو جانثار رہ گئے تھے۔ اس نازک گھڑی میں حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا ایک خنجر ہاتھ میں لئے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ ان کے بہادر اور دلیر شوہر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنی شجاعت سے عشق رسول کے عظیم نمونے پیش کر رہے تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پکارا:

انا العبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

مسلمانوں نے آوازہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کراچی صفوں کو منظم کیا اور کفار

پر قیامت خیز دھاوا بول دیا۔ کافر لکڑے لکڑے مردوں میں مردوزن گرفتار ہوئے۔ بعد میں

حضور ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے رحمتِ عالم ﷺ کو بتایا کہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا ہاتھ میں خنجر لئے کھڑی ہیں۔ حضور ﷺ نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا اس خنجر سے کیا کرو گی؟ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی آپ کا دشمن قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کی بہادری و دلیری اور استقامت کا حال دیکھ کر مسکرا دیئے کہ ایسے عالم میں جبکہ بڑے بڑوں کے قدم اکڑ چکے ہیں۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کس طرح دیوانہ وار انداز میں شہادت کی تمنا لئے کھڑی ہیں۔ حضور ﷺ اس موقع پر آپ کو بے شمار دعاؤں سے نوازا۔

غرضیکہ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ دل و جان سے بڑھ کر عزیز تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتیں۔ گھر میں اچھا کھانا پکنا تو سلطانِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیجنا نہ بھولتیں۔ ان کے خاوند حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ محبتِ رسول ﷺ میں غرق اور متوالے تھا اور جان کا نذرانہ پیش کرنے کو ہر لمحہ اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گزاری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ اسی بناء پر زبانِ رسول ﷺ سے کئی مرتبہ دعاؤں سے نوازے گئے۔ یہ پورے کا پورا گھرانہ ہی محبتِ رسول ﷺ کی زعمہ و کُش ایمان آفریں اور قابلِ صد تقلید مثال تھا۔

کھلیں گل اُن کی تربت پر سدا خبر فشاں ہو کر
خدا و مصطفیٰ اُن کو نوازیں مہرباں ہو کر





حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا

شہِ دارین کی اُلفت کی مظہر اُمّ عمارہ
 فلک پر جھگائے جیسے اختر اُمّ عمارہ
 اُحد کے معرکہ میں یادگار اُن کی شجاعت تھی
 وہ بحرِ عزم و ہمت کی شناور اُمّ عمارہ
 نبیؐ پاک کے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھیں
 محبت، جرأت و ہمت کا محور اُمّ عمارہ
 نبیؐ پاک نے اُن کو دعاؤں سے نوازا تھا
 رہ حق میں مثالِ شمعِ انور اُمّ عمارہ
 یمامہ کی لڑائی میں کچھ ایسی شان دکھلائی
 لڑی تھیں دشمنوں سے آگے بڑھ بڑھ اُمّ عمارہ
 رضائے سرورِ کونین میں ہر پل وہ جیتی تھیں
 جنہیں محبوب تھے محبوبِ داور اُمّ عمارہ
 وہ عورت تھیں رضا مردانِ حق کو ناز تھا اُن پر
 تھیں دُنیا اور عقبیٰ میں مظفر اُمّ عمارہ

عظیم مجاہدہ

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام نہایت دلیر اور بہادر خواتین اسلام میں ہوتا ہے۔ صحابیات والا قدر میں آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ آپ پر نہایت شفقت فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ نے محبت رسول ﷺ میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام نسبیہ تھا لیکن تاریخ اسلام میں انہوں نے اپنی کنیت عی سے شہرت پائی۔ آپ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتی تھیں سلسلہ نسب یوں ہے:

نسبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مافرن بن نجار

حضور ﷺ کی پردادی حضرت عبدالمطلب کی والدہ اور حضرت ہاشم کی اہلیہ سلمیٰ کا تعلق اسی خاندان نجار سے تھا۔ یہ خاندان شروع عی سے معزز تھا مگر خاندان رسالت سے نسبت نے اسے معزز ترین بنا دیا۔ جب حضور ﷺ کی عمر چھ سال کی ہو گئی اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مدینہ منورہ آئیں تو خاندان بنو نجار عی میں مقیم رہیں۔ حضور ﷺ بھی بنو نجار سے محبت کی بناء پر فرمایا کرتے تھے۔

”اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو بنو نجار میں شامل ہوتا۔“

جب ہجرت کے بعد حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو نجار کے رئیس حضرت ابویوب انصاری عی کے ہاں قیام فرمایا اور آپ کی تشریف آوری پر مدینہ کی بچیوں نے آپ کی بنو نجار سے نسبت عی کے حوالے سے اشعار پڑھے تھے۔ جن میں سے ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

۔ کہ ہم ہیں بچیاں بنجار کے عالی گھرانے کی

خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

جب بنو بنجار کے نقیب حضرت اسعد رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے تو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میرے ماموں ہو اس لئے اب بنو بنجار کا نقیب میں خود ہوں۔“

اس طور بنو بنجار انصار کا بہترین خاندان بن گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا اس عظیم خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی شرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی جس پر اکابر صحابہ رشک کیا کرتے تھے۔ حضرت اُمّ عمارہ کا پہلا نکاح زید بن عامر سے ہوا۔ زید سے ان کی دو اولادیں ہوئیں عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حبیب رضی اللہ عنہ۔ زید کی وفات کے بعد آپ عربہ بن عمرو کے نکاح میں آئیں جن سے تمیم اور خولہ پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار انصار کے سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ جب بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے تو ان کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا۔ آپ نے عقبہ کبیرہ میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ بیعت کی۔

ابھی ہجرت کو تیسرا سال ہی ہوا تھا کہ غزوہ اُحُد پیش آ گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا جرأت و ہمت اور غیرتِ ایمانی کی تصویر بن کر اس میں اس شان سے شریک ہوئیں کہ ”خاتونِ اُحُد“ کا لقب پایا۔

جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں اور زخموں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

قریب پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار بار بار پورش کر کے حضور ﷺ کی طرف بڑھتے اور حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا انہیں دوسرے ثابت قدم صحابہؓ کے ساتھ مل کر تیر اور تلواریں سے روکتیں۔ یہ بڑا نازک وقت تھا بڑے بڑے بہادروں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے لیکن یہ شیر دل خاتون کوہ استقامت بن کر میدان جنگ میں ڈٹی ہوئی تھیں اتنے میں ایک مشرک نے ان کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے آپ نے حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پکار کر فرمایا ”عبداللہ اپنی ماں کی مدد کرو۔“ وہ فوراً ادھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بایاں بازو زخمی کرنا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا ”بیٹے جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے لڑو۔“ حضور ﷺ نے ان کا جذبہٴ بہاؤ ثاری دیکھ کر فرمایا:

”من یطیق ما تطیقن یا امہ عمارہ“

(اے اُم عمارہ رضی اللہ عنہا جتنی طاقت تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں ہوگی؟)

اسی اثناء میں وہی مشرک جس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضور ﷺ نے اُم عمارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”اُم عمارہ رضی اللہ عنہا سنبھلنا یہ وہی بد بخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔“ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا جوش غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا۔ سرورِ دو عالم ﷺ یہ دیکھ کر جہنم ہو گئے اور فرمایا ”اُم عمارہ رضی اللہ عنہا تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔“



اثنائے جنگ میں ایک بد بخت نے دُور سے حضور ﷺ پر پتھر پھینکا جس سے آپ ﷺ کے دو دندان مبارک زخمی ہو گئے۔ شمع رسالت ﷺ کے پروانے مضطرب ہو کر ادھر متوجہ ہوئے تو ابنِ قمریہ نامی ایک کافر دوڑتا ہوا حضور ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کا ایک بھر پور وار کیا۔ حضور ﷺ خود پہنے ہوئے تھے۔ ابنِ قمریہ کی تلوار خود پر پڑی۔ اس کی دو کڑیاں رخسارِ مبارک میں کھب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ یہ سب کچھ چشمِ زدن میں ہو گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بے تاب ہو گئیں اور آگے بڑھ کر ابنِ قمریہ کو روکا۔ یہ شخص قریش کا نامی شہسوار تھا لیکن شیرِ دل اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا مطلق ہراساں نہ ہوئیں اور اس پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا۔ وہ دُور ہری زرہ پہنے ہوا تھا اس لئے اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی تلوار چٹ گئی اور ابنِ قمریہ کو جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا لیکن ابنِ قمریہ کو بھی وہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ تیزی سے گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے زخم سے خون کا پر نالہ بہہ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے زخم پر خود پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا:

”واللہ آج اُمّ عمارہ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔“

اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میرے لئے دعا فرمائیے کہ جنت میں بھی آپ کی معیت نصیب ہو۔“

حضور ﷺ نے نہایت خشوع و خضوع سے ان کیلئے دعا مانگی اور باوازی بلند فرمایا:

”اللہم اجعلہم رفقاء فی الجنة“

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو بڑی مسرت ہوئی اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ

الفاظ جاری ہو گئے۔



”ما اہلہ ما اصابہ من الدعا“

(اب مجھ دنیا میں کسی مصیبت کی پروا نہیں)

طبقاتِ سعد میں ہے کہ لڑائی ختم ہوئی تو حضور ﷺ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن کعب مازنی کو بھیج کر حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت دریافت نہ کر لی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”أُحَدِّثُكُمْ عَنْ دُنْيَاكُمْ يَوْمَ تَأْتِيكُمْ بِهَا“۔
 بعد نظر ڈالو! ”اُم عمارہ رضی اللہ عنہا“ کی نظر آتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہٗ أُحُد میں حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ غزوہٗ أُحُد کے بعد انہوں نے بیعتِ رضوان، جنگِ خیبر، عمرۃ القضا اور غزوہٗ حنین میں بھی شرکت کی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہیں فتح مکہ کے موقع پر بھی سرورِ عالم ﷺ کی عمر کابی کا شرف حاصل ہوا۔

جب اللہ میں رحمت پناہ بے کساں ﷺ نے وصال فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہٗ اول منتخب ہوئے تو سارا عالم عرب چند مسلمانوں کو چھوڑ کر ارتداد کے فتنے کی زد میں آ گیا۔ اس دور میں دوسرے مدعیانِ نبوت کی نسبت سب سے بڑا خطرہ یمامہ علاقہ نجد کے قبیلہ بنو حنیفہ کا رئیس مسیلہ کذاب کا تھا۔ اس بد بخت نے رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے آخری ایام میں عی نبوت کا دعویٰ کر کے حضور ﷺ کو خط لکھا تھا کہ میں آپ کی رسالت میں شریک ہوں۔ نصفِ ملک میرا نصف آپ کا۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ اس کو مسیلہ کذاب کے نام سے پکارتے تھے اور فرماتے تھے کہ ملکِ خدا کا ہے اس کے ساتھ اسے ہدایت کی تلقین فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد نبی اقدس ﷺ نے رحلت فرمائی تو مسیلہ کذاب نے اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرنے کیلئے پچاس ہزار کے قریب جنگجو جنڈے تلے جمع کر لئے اور ان سے اپنی نبوت منواتا۔ اسی اثناء میں

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حبیب رضی اللہ عنہ بن زید اس ظالم کے قابو میں آ گئے۔ اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا وہ خدا کے بچے نبی ہیں۔ اس نے اصرار کیا کہ مجھے (مسئلہ کو) سچا نبی کہو۔ انہوں نے انکار کیا تو اس نے ان کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس نے یہی سوال دہرایا اور آپ نے پھر انکار کیا تو اس نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ اس نے کہا میری رسالت قبول کرنے کی صورت ہی میں تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ مگر اس عاشق رسول نے بلند آواز سے کلمہ شہادت کی تلاوت شروع کر دی۔ مسئلہ کذاب نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تو حضرت اُمّ عمارہ نے ان کی فداکارانہ شہادت پر خدا کا شکر ادا کیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ عہد بھی کر لیا کہ اگر خدا نے موقعہ عطا کیا تو وہ اس ستم کاری کا بدلہ لیں گی۔

جب مسئلہ کذاب کی فتنہ کاریاں حد سے بڑھ گئیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر مسئلہ کے خاتمے پر مامور کیا۔ ضد کر کے حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی لشکر میں شامل ہو گئیں۔

مسئلہ نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کی۔ اس نے بنو حنیفہ اور اپنے دوسرے حامیوں کی قبائلی حبسیت کو خوب بھڑکایا اور پچاس ہزار جنگجوؤں کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کارن پڑا۔ مسلمانوں اور مرتدین کی تعداد میں ایک اور چار کی نسبت تھی لیکن مجاہدین اسلام دین حق کی خاطر اس پامردی سے لڑے کہ مسئلہ کی فوج کا منہ پھیر دیا۔ لیکن اس خبیث نے قبائلی حبسیت کے نام پر اپنی فوج کو ایسا بھڑکایا کہ بھاگتے ہوؤں کے قدم رُک گئے۔ مسئلہ کذاب کے نام پر بنو حنیفہ اس شدت سے لڑے کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مسلمانوں کو اب تک ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے تمام

قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے علم کے نیچے لڑے تاکہ پتہ چل جائے آج کون راہِ حق میں ثابت قدمی دکھاتا ہے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے شجاعت اور استقامت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور ایسی جانبازی سے لڑے کہ سیلہ کی فوج اپنے متواتر مسلسل خونخاک حملوں کے باوجود انہیں پیچھے نہ دھکیل سکی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے تجربہ کار افسر شہید ہو گئے۔ جن میں حضرت زید بن خطاب، حضرت ابو حذیفہ، حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ اور حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) جیسے اکابر صحابہ بھی تھے لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اب سیلہ کی فوج پیچھے ہٹی اور اس کے باغ (حدیۃ الرحمن) میں گھس کر اندر سے پھانک بند کر لیا۔ حضرت براء بن مالک دیوار پھاند کر باغ کے اندر کود گئے اور لڑتے بھڑتے باغ کے دروازے پر پہنچ کر پھانک اندر سے کھول دیا۔ اب مرتدین اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت ام عمارہ (رضی اللہ عنہا) بھی شروع سے لے کر اب تک بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ کئی بار سیلہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ہر بار بنو حنیفہ کی اگنی دیوار راستے میں حائل ہو گئی۔ ادھر حضرت خالد بھی سیلہ کو جہنم واصل کرنے کی فکر میں تھے لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس وقت بارہ سو کے قریب مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے لیکن مرتدین اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مارے جا چکے تھے اور لڑائی کا رخ پلٹنا شروع ہو گیا تھا۔ سیلہ نے لڑائی کا رنگ دیکھا تو اپنے مریدوں سے کہا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچالو۔ اسی وقت حضرت ام عمارہ (رضی اللہ عنہا) نے اسے تاک لیا اور زخم پر زخم کھاتی اور اپنی برچھی سے راستہ بتاتی اس کی طرف بڑھیں اس کوشش میں انہیں گیارہ زخم آئے اور ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا۔ سیلہ کے قریب پہنچ کر اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا چاہتی تھیں کہ اتنے میں دو ہتھیار اس پر ایک



ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنے پہلو میں اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے پایا اور قریب ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ وحشی نے اپنا حربہ مسلّمہ پر پھینکا تھا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے فرزند (حضرت حبیب رضی اللہ عنہ) کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدہ شکر بجالائیں۔ امیر لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور مرتبے سے آگاہ تھے انہوں نے بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے زخم مندمل ہو گئے۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے کب وفات پائی اس کے بارے میں تذکرہ واضح نہیں ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حیات تھیں۔ اس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مال غنیمت میں بہت سے قیمتی کپڑے آئے۔ ان میں ایک زرنگار کپڑا بہت قیمتی تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ اس دوپٹے کا سب سے بڑھ کر حق دار کون ہے؟ کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آپ یہ دوپٹا اپنے فرزند (حضرت) عبداللہ کی بیوی کو دے دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر فرمایا:

”نہیں، نہیں“ میں یہ دوپٹا اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو دوں گا وہ اس کی سب سے زیادہ

حق دار ہیں۔ کیونکہ غزوہ اُحد کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ اُحد کے دن میں اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو برابر اپنے دائیں اور بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔“

یہ کہہ کر آپ نے وہ دوپٹا حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا جو مدینہ منورہ

کے ایک مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادوں کو اپنے دل میں بسائے اپنی زندگی کا آخری

زمانہ گزار رہی تھیں۔ زیادہ اندازہ یہی ہے کہ دورِ فاروقی میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو محبوبِ دو عالم ﷺ سے انتہائی محبت تھی جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ رحمتِ دارین ﷺ بھی انہیں اپنی شفقت سے نوازتے

صحابہ و صحابیات اپنی قربانیوں، استقامتِ ایمانی اور عشقِ رسول ﷺ کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ جدھر بھی دیکھے محبتِ رسول کا گلشن سدا بہار کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے قربان جائیں انہوں نے میدانِ جہاد میں عملی طور پر وہ کچھ کر دکھایا جس کی نظیر بعض اوقات مردوں کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

سچ ہے یہی تو جذبہٴ عشقِ رسول ہے
جس میں کہ موت ہر جگہ ہر پل قبول ہے



حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)

حضرت اسماء سراپا علم دیں جان وفا
 شوکتِ عرفانِ حق، نورِ عمل، کانِ حیا
 راہِ ایمانی میں کتنے ہی مصائب سہہ لئے
 اس لئے ہر پل تھے راضی اُن پہ محبوبِ خدا
 اُن کے دل میں روشنی تھی خدمتِ اسلام کی
 اس لئے ہر سمت پھیلی اُن سے حکمت کی نیا
 مل گیا دو ہجرتوں کا اُن کو اعزازِ حبیب
 اُن پہ راضی تھے محمدؐ، اُن پہ راضی تھا خدا
 تھی عبادتِ خالقِ کونین کی اُن کو عزیز
 اس لئے ہر آن یہ رہتی تھی معروفِ شا
 نازِ اسلام تھیں یہ افتخارِ دینِ حق
 مانتے تھے سب ہی جو کچھ کہ انہوں نے کہہ دیا
 اس طرح گزری حیاتِ نور اس خاتون کی
 عمر بھر پیشِ نظر تھی سرورِ دیں کی رضا

حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)

آپ کا شمار نامور صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب ابھی مسلمانوں کی تعداد محدود ہے چند ہی اور اسلام کا نام لیتے ہی کفار مکہ قہر و تشدد کا بازار گرم کرنے لگتے تھے۔ کتنے ہی ایسے صحابہ و صحابیات ہیں جو قبولیتِ اسلام کی راہ میں استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان سے گزر گئے۔ حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) نے اسی مشکل ترین وقت میں حکمتِ اسلام کے پرچم کو سر بلند کیا تھا۔ یہ آپ کے عمارین اور خدیوےاں ہی تھیں جن کی بدولت آپ حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی بیوی بنیں۔ بنو ہاشم کے معزز خاندان نے انہیں ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔ اس رشتہ سے آپ حضور ﷺ کی بھانج لگتی تھیں کیونکہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس کے علاوہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) کی اخیانی بہن ہونے کی بناء پر سلطانِ دو عالم ﷺ کی سالی بھی لگتی تھیں۔ آپ کو محبوب کائنات ﷺ سے غیر معمولی عشق تھا۔ آپ بھی حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) سے بہت پیار کرتے تھے جنہوں نے محض خوشنودیِ خدا اور رسول کیلئے چودہ برس ملکِ حبش میں حالتِ ہجرت اور غریب الوطنی میں گزار دیئے۔

اوائل ۴ بعدِ بعثت میں جب رحمتِ عالم ﷺ نے اعلانِ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین مکہ فرطِ غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے، جب یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو ۵ بعدِ بعثت میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند



عیسائی تھا۔ چنانچہ پہلی بار ۱۱ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ بندرگاہِ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔ ۶ بعدِ بشت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رخ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے بعد حبش سے مکہ آ گئے تھے لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناسازگار پا کر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

قریش مکہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ حبش پہنچ کر یہ لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے، مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں (بیماری، تنگدستی وغیرہ) لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔ قریش مکہ کو اتنی دُور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کا یہ امن محسن گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس ایک وفد تجھے تحائف دے کر اس مقصد کیلئے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔ اس وفد کی قیادت حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بڑے زیرک اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ انہوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کے درباریوں کو تجھے تحائف دے کر رام کر لیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہ وفد قریش کی حمایت کریں گے۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح آدمیوں نے ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دین کے خلاف ہے، اس لئے ہماری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے جو ہمارے پاس سے بھاگ کر

آئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہاں تو دور درباریوں نے وفقر قریش کی پرزور تائید کی۔ حضرت جعفر ؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا:

”کہے بادشاہ! ہم لوگ سخت جہالت میں جلاتے تھے، بتوں کو پہنچتے تھے، مردار کھاتے تھے، اپنی لڑکیاں دعوہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، رشتہ داروں اور مسایوں کو ستاتے تھے، انسانیت سے ہماری تھی کوئی کاہلہ قانون نہ تھا، ایسی حالت میں اللہ نے خود ہم میں سے ایک صاحب کو اپنا رسول بنایا جس کے حسب نسب، سچائی، شرافت، دیانت داری اور پاکہاڑی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی، سچ بولنے، دعوہ پورا کرنے، کمالت میں خیانت نہ کرنے، بت پرستی ترک کرنے، بدکاری اور فریب سے بچنے، مسایوں سے نیک سلوک کرنے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی۔ ہم اس کی تعلیم پر چلے، ایک خدا کی پرستش کی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی، ہم کو طرح طرح کی اذیت دے کر پھر بت پرستی اور بدکاریوں میں جلا کرنا چاہا، ہم ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔“

نباشی یہ تقریر سن کر بہت حناڑ ہوا، اس نے حضرت جعفر ؓ سے کہا: تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ مجھے سناؤ۔

حضرت جعفر ؓ بڑے نکتہ رس تھے، انہیں معلوم تھا کہ نباشی الہی کتاب ہے اور دین عیسوی کا ہیرو ہے۔ انہوں نے سورۃ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ اس کو سن کر نباشی پر برکت طاری ہو گئی اور وہ اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، پھر وہ چہرہ بے ساختہ پکارا تھا:

”خدا کی قسم! تمہارے نبی کی کتاب اور انجیل مقدس ایک ہی نور کی کرنیں ہیں“



میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا“

اس کے بعد اُس نے قریش کے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”واللہ میں ان لوگوں کو کبھی اپنے ملک نے نہ نکالوں گا اور نہ تمہارے سپرد

کروں گا“

قریش کے وفد نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ بادشاہ کا دل مسلمانوں سے پھیر

دے۔ چنانچہ دوسرے دن وہ پھر دربار میں گیا اور بادشاہ سے کہا:

”اے بادشاہ یہ لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت بُرا

عقیدہ رکھتے ہیں کیا آپ اس عقیدہ کے لوگوں کو پناہ دیں گے؟

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کیا اور پوچھا: تمہارا حضرت عیسیٰ

ابن مریم کی نسبت کیا عقیدہ ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جواب دیا ”اے بادشاہ ہم حضرت عیسیٰ ابن مریم کو خدا

کامی اور روح اللہ مانتے ہیں۔ نجاشی نے زمین سے ایک ٹکڑا اٹھا کر کہا:

”واللہ جو کچھ تم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق کہا وہ اس ٹکڑے کے برابر

بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔“

غرض قریش کی سفارت بے نیل مرام واپس گئی۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ان

کے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس

تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران میں سرور عالم ﷺ مکہ سے

ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر اُحد خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے۔ محرم

۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسماء

اور حضرت جعفر بھی شامل تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے اپنے ان

حضور ﷺ سے انہیں دوسری خوشی ہوئی۔ رحمت عالم ﷺ نے حضرت جعفر علیہ السلام کو گلے سے لگایا ان کی پیشانی پر پی اور فرمایا:

”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیر کی حاجت ہے۔“
 غزوہ خیبر کے بعد ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت خنصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کے گھر گئے۔ وہاں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت مہیس بھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں پوچھا تو حضرت خنصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ اسماء رضی اللہ عنہا زوجہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ حبشہ والی یعنی سندروالی۔ حضرت اسماء نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کی اس لئے زیادہ ثواب کمایا۔ اس پر حضرت اسماء کو خنصہ آگیا اور فرمایا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے حضور ﷺ بھوکوں کو کھانا کلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم حبش کی دور ترین مسموم ترین سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے ہم کو ایذا دی جا رہی تھی ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم! آپ نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے نہ کر لوں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ ہر بات حضور ﷺ سے صاف صاف کہہ سناؤں گی۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”وہ تم سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک ہجرت کی ہے تم نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک مکہ سے حبشہ کی جانب اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب۔“

یہ حضرت اسماء بنت مہیس جن کی فضیلت تھیں ان کے ذوالہجرتین ہونے

کی بناء پر خود سید الانام 'فخر موجودات' نے فرمائی: قبیلہ شعم کی چشم و چراغ تھیں اور ان جلیل القدر خواتین میں سے تھیں جنہوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں سخت نامساعد حالات اور مہیب خطرات سے بے پرواہ ہو کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے والد عمیس کے کے سلسلہ نسب کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے عمیس کے والد کا نام معبد بن قسیم لکھا ہے اور کسی نے معبد بن حارث والدہ کا نام بالابتاق ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بھی انہی کے وطن سے تھیں۔ اس نسبت سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس حضرت میمونہ کی اخیانی بہن تھیں (جن کی ماں ایک ہو)

علامہ ابن سعد اور ابن ہشام رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جس زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سعادتِ امدوزِ اسلام ہوئیں اس وقت صرف تین نفوس شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دارِ ارقم میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو "السابقون الاولون" کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخِ اسلام میں ان کو اس بناء پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگر تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصرِ اسلام کے عظیم الشان ستون تھیں۔

پہلا نکاح حضور کے ابن عم حضرت جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اُن کی وفات کے بعد تیسرا نکاح شیر خدا فاتحِ خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے قبولِ اسلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال

گزارا تھا کہ ایک بار پھر ان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ ۸۰ھ میں حرام کے ایک قصبہ مُوَدّہ کے رئیس شرمیل بن عمرو حسّانی نے رسول اکرم ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضور ﷺ کا نامہ مبارک حاکم بصری حارث بن شمر حسّانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرمیل کی یہ حرکت سرورِ دو عالم ﷺ کو سخت ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر کا بدلہ لینے کیلئے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر مُوَدّہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حبّ القبی حضرت زید بن حارثہ کر رہے تھے اور اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے وقت فرمایا:

”اگر اس لڑائی میں زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہو جائے تو جعفر (رضی اللہ عنہ) امیر ہوں گے اور اگر جعفر (رضی اللہ عنہ) بھی شہادت پا جائے تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے۔“

مُودّہ کے علاقے میں اتفاق سے ان دنوں ہر قل شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقا میں مقیم تھا۔ شرمیل نے اس سے مدد مانگ بھیجی۔ ہر قل نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کیلئے بھیج دیا۔ قیس بن ذئب بن نعم وغیرہ کے جنگجو عیسائی قبائل بھی شرمیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ مُوَدّہ مدینہ مُنَوّرہ سے بہت دور تھا اس لئے مزید کمک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعثِ ننگ مسلمان اللہ کے بھروسے پر نفیم کے ٹڈی دل سے نبرد آزما ہوئے۔ مُوَدّہ کے میدان میں نہایت خوریز جنگ ہوئی۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبالا اور اس جُرات اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفریں پکارا ٹھی۔ تقریباً نوے ہزیم اس مروجہ نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی پشت پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ قلم ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے علم

سنجبالا دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں علم پکڑ لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے زغہ تھا۔ تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر رسول اکرم ﷺ کا یہ قوی بازو اور دین حق کا یہ سچا علمبردار شہید ہو گیا۔ اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری نے سنجبالا۔ وہ بھی داو شجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالد بن ولید نے علم سنجبالا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ کا نقشہ حضور ﷺ کے سامنے کر دیا۔ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جامِ شہادت پیا تو حضور ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے فرمایا ”میں جنت میں جعفر رضی اللہ عنہ کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں۔“ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ”ذوالجناحین“ کے القاب سے مشہور ہوئے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھتے ہی حضور ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت غمزہ کیفیت میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ حضور ﷺ تسلی دیتے ہوئے تشریف لے آئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر مسلمان بے پناہ غمگین ہو گئے۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا چچا کہتی ہوئیں ابا جان سے لپٹ گئیں۔ حضور ﷺ نے انہیں چپ کروایا اور فرمایا ”کھانا تیار کرو اور اسماء (رضی اللہ عنہا) کے گھر لے جانا اور انہیں صبر کی تلقین کرنا۔“ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۸ ہجری (غزوہ حنین کے زمانے) میں حضور ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت

حضور ﷺ سے پڑھا دیا۔ دو برس بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حطب سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت اسماءؓ کیلئے مکہ آئی ہوئی تھیں کہ وہ خلیفہ میں محمد بن ابی بکرؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟

آپ نے فرمایا ”حسل کر کے احرام باندھ لو“

۱۱ھ میں رحمتِ دو عالم ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت اسماءؓ پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ان سے بھی بڑھ کر صدمہ سیدہ فاطمہؓ الزہراءؓ کو ہوا۔ حضرت اسماءؓ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اپنے وقت کا خوشتر حصہ سیدہ فاطمہؓ الزہراءؓ کی دلجوئی میں صرف کرنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سیدۃ النساء کا وقت آخر بھی آ پہنچا۔ علامہ ابن اثیر نے ”أسد الغابہ“ میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے سیدہ فاطمہؓ نے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علیؓ) کے علاوہ کسی سے مدد نہ لینا۔ محدث ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ الزہراءؓ کی میت کو حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور حضرت سلمیٰ امّ رافع نے غسل دیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں آئیں۔ محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی، وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے زیر سایہ ہی پرورش پائی۔

ایک دن عجیب لطیفہ ہوا محمد بن جعفرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔ حضرت علیؓ نے دونوں بچوں کی دلچسپ بحث سنی تو حضرت اسماءؓ سے فرمایا: تم اس جھگڑے کا فیصلہ کر دو۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نو جوانانِ عرب میں جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسکرا کر فرمایا ”تم نے ہمارے لئے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت علی مرتضیٰ کے صلب سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے۔

۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور ان کے جلد ہی بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی پیکر اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے۔ عبد اللہ، محمد، اور عون حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی صلب سے اور یحییٰ حضرت علی المرتضیٰ کی صلب سے۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی صلب سے ان کے دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی بدولت تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔

غرض حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ عُمیس تاریخ اسلام کی بلند ترین شخصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ کو اسلام کی راہ میں مسلسل صعوبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا۔ ایک تو رشتے کی قربت اور دوسرے آپ کی لازوال قربانیاں جن کی بدولت محبوبِ دو عالم ﷺ آپ پر بے پناہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ تو تاریخ سیرت میں بھی آپ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔



حضرت اُمّ رومانؓ

نہی پاک کے انوار سے ضو بار رہتی تھی
 مئے خبت نہی سے ہر گھڑی سرشار رہتی تھی
 جناب عائشہ کی مادر عالی بڑا اعزاز تھا اُن کا
 بڑی ہی آغوشیاں آئیں بڑے طوقان آئے تھے
 رفیقہ حضرت صدیق کی اعزاز تھا ان کا
 قدم اُن کے رُوح میں نہ ہرگز ڈلگائے تھے
 انہیں محبوب دو عالم کی خدمت کا رہا سودا
 زبانِ مصطفیٰ سے تھا لقب جو "خوہرین" اُن کا
 بڑی ہی مٹتی تھیں پارسا تھیں نورِ ایماں تھیں
 یہ محبوبِ خدائے پاک پر ہر آن قرباں تھیں
 جناب حضرت صدیق کی چاہت کا عنوان تھیں
 یہ بچوں کیلئے ہر آن ہر اک دکھ کا درماں تھیں
 شہِ دین سے عقیدت اے رضا اُن کی عبادت تھی
 سعادت تھی یہ اُن کے واسطے پیغامِ جنت تھی

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب یوں ہے:

اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بنت عامر بن عویر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سلحج بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

اُن کا شمار نامور خواتین میں ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں پہلا نکاح عبداللہ بن حارث سے ہوا اور انہی کے ساتھ مکہ میں مقیم ہو گئیں جس سے اُن کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حارث کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُمّ رومان سے نکاح کر لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صلب سے اُمّ رومان کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر پیدا ہوئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ بے کراں میں غرقِ انہی کے تصور میں کھوئے رہتے تھے۔ اُن کی اثر پذیری حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تقاضوں میں ڈھل گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب صفہ بے پناہ عزیز تھے کیونکہ حق و صداقت کے ان علمبرداروں نے تبلیغِ دین کو اپنا سب سے بڑا مشن بنا لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ کی خدمت کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ انہیں وہاں چھوڑ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ زیادہ دیر ہو گئی گھر واپس آئے تو حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

”مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”تم رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں تھا تم مہمانوں کو کھانا کھلا دیتے۔“

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”میں نے انہیں کھانا بھجوا دیا تھا لیکن انہوں نے میری زبان کی غیر ماضی میں کھانا تناول کرنا پسند نہیں کیا۔“

اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود کھانا لے کر گئے اور تینوں بزرگوں کو کھلایا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ مہمانوں اور اہل خانہ کے سیر ہونے کے بعد بھی نہایت افراط سے بچ رہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُمّ رومان رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”کتنا کھانا باقی بچ گیا؟“ انہوں نے کہا: ”تین گنے سے بھی زیادہ۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سارا کھانا اٹھوا کر سرورِ کونین ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیا۔

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں اور ”ساجون الاولون“ میں نام لکھوایا تھا۔

حضور ﷺ نے ۱۲ نبوی میں مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ ان کی رفاقت قدم قدم پر محبتِ رسولِ خدا کے مظاہر دکھاتی رہی۔ آپ نے حضور ﷺ کی تقلید کی اور اپنے گھر والوں کو خدا کے نام پر جان کے دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ وہ اس امر سے بے نیاز تھے کہ ان کے اہل و عیال کے ساتھ ان کی عدم موجودگی میں کیا سلوک ہوتا ہے۔ انہیں محبتِ رسولِ خدا ﷺ میں سب کچھ گوارا تھا۔ جب مدینہ پہنچ کر اسن و سکون کی کیفیت پیدا ہوئی تو رسولِ کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودافع رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال لانے کیلئے مکہ کی طرف بھیجا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ارقیط کو دو تین اونٹ اور زاد



راہ دے کر مکہ بھیجا اور اپنے فرزند عبد اللہ کو کہلا بھیجا کہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ مدینے لے آئیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ رومان، حضرت اسماء، حضرت عائشہ صدیقہ عبد اللہ بن ابوبکر کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ادھر حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو لے کر چلے۔ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی خیال تھا کیونکہ وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سفر ہجرت میں جب ہم لوگ بیداء کے مقام پر پہنچے تو میرا اونٹ بدک گیا، میں اور میری والدہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا اس کے ہونج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ نے کود پھلانگ شروع کی تو میری ماں بہت مضطرب ہوئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ”ہائے میری بیٹی! ہائے میری دلہن“ بارے اللہ نے خیر کی اونٹ پکڑا گیا اور ہم لوگ خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلے میں قیام کیا۔ جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

اور پھر ۶ ہجری کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ بعض سادہ مسلمان بھی نادانستگی میں اس سازش کے حصے دار بن گئے اور بات چاروں طرف پھیلتی گئی۔ اس کا مفصل تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے ضمن میں آچکا ہے۔ واقعہ نے یہ رنگ اختیار کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اقدس بھی مکدر اور رُطال ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان دیکھتیں تو سینہ اندر سے کٹنے لگا کہ چھ ہی دنوں میں معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور

حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا کے شوق رسول اللہ کی سیراج دیکھنے کا نہیں بیٹی کی پروا نہیں تھی وہ تو حضور ﷺ کی رضا جوئی میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ بھی حضور ﷺ سے نظر رانی کی درخواست نہیں کی۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے شوہر کا گھر اور ماں کا گھر دونوں مقامات ہی بے سکون تھے کیونکہ خلوک دشہات کی پر چھائیاں دونوں طرف منڈلا رہی تھیں۔ حضور ﷺ سے اجازت طلب کی اور پریشانوں کو دامن میں سیٹھے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اپنی مادرِ محترم کے گھر پہنچیں۔ یہ ایک دو منزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوپر کی منزل میں تھے اور حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا: ”میری بیٹی خیر تو ہے؟“ کیسے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا ماں تھیں دکھاؤ انہیں بھی بہت ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل رکھنے کو کہا: بیٹی گھبراؤ نہیں جو عورت اپنے خادمہ کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اُسے شوہر کی نظروں سے گرانے کیلئے ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل پر بیٹی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے اُن کی چیخ کھل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کی چیخ سن کر بالا خانے سے نیچے اترے۔ واقعہ سنارقیق القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: بیٹی تم اپنے گھر جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچے۔ امّ المؤمنین رنج و الم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنی گود میں لٹالیا۔ نمازِ عصر کے



بعد سرور دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا: آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمتِ دو عالم ﷺ کے بچے شیدائی تھے اپنے آقا کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے۔ کہنے لگے: ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بالکل بے گناہ ہوں۔ آخر غیرتِ الہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت کی گواہی بڑے بڑے زور الفاظ میں دی۔ ارشاد ہوا:

”جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔“ (سورہ نور)

جب نزولِ وحی کی بدولت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بریت ثابت ہو گئی تو حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: بیٹی اٹھو اور اپنے آقا کے قدم تمام لو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور ﷺ کی لاڈلی رفیقہ حیات تھیں۔ کہنے لگیں: امی جان! نہ میں ان کی ممنون ہوں نہ اپنے والدین کی میں تو صرف اپنے اللہ کا شکر یہ ادا کرتی ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔

اس تمام واقعہ میں حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے دل پر قیامت ٹوٹ رہی تھی مگر انہوں نے آخر تک صرف اور صرف اسی بات کو تہِ نظر رکھا کہ محبوبِ دو عالم ﷺ کا ارشاد کیا ہے اور آپ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔

حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا، حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا محبتِ رسول ﷺ میں اپنے خاوند کی طرح سرشار تھیں۔ اُن کا گھر سرکارِ دو عالم ﷺ کے تذکارِ عالی سے آباد تھا اور دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر محبوبِ دو عالم

حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی بجا طور پر حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے جذبہ عقیدت کا احساس تھا۔ اس لئے آپ بھی حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے جذبات کا خیال رکھتے اور ان کیلئے دعائیہ کلمات ادا فرماتے۔ گھر کا سربراہ تو خادمہ ہی ہوتا ہے مگر گھر محبت سے چلتا ہے۔ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا عشقِ مصطفوی ﷺ کے حوالے سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مدون کردار کا پر تو نظر آتی ہیں۔

اور یہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے مقاماتِ عالیہ کی سربلندی تھی کہ جب آپ نے ۹ھ میں ہجرت میں وفات پائی تو حضور ﷺ جن و ملال کی تصویر بنے، آپ کے جنازے پر تشریف لائے، خود قبر میں اتارا اور حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے بارے میں شریکِ جنازہ اصحاب سے فرمایا: جو شخص عورتوں میں خورِ مین کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔ ”ذہبے خوش بختی“ ذہبے قسمت کی سرفرازی، ذہبے مقدر کہ محبوبِ خدا ﷺ ”خورِ مین“ کے لقب سے نوازا رہے ہیں۔



حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ

بڑی عی شان والی تھیں ' بڑی عی آن والی تھیں
 محبت دین سے تھی شوکتِ ایمان والی تھیں
 حضورؐ پاک کی اُلفت دل و جاں کا تھی سرمایہ
 ہمیشہ یاد رکھتی تھیں وہ دین نے جو فرمایا
 وہ بطحا کی اُلفت میں سدا سرشار رہتی تھیں
 وفاداری سے محو جلوۂ سرکار رہتی تھیں
 انہیں ایمان لانے والوں میں حاصل ہوئی سبقت
 مسلمانوں میں حاصل تھی اسی خاطر بہت عزت
 انہیں تعلیمِ اسلامی کا ہر دم پاس رہتا تھا
 ہمیشہ عظمتِ ایمان کا احساس رہتا تھا
 صحابہ کے دلوں میں تھا بہت ارفع مقام اُن کا
 دل و جاں سے سبھی کرتے تھے ہر پہلِ احترام اُن کا
 رضا کردار اُن کا تھا مثالِ شمعِ نورانی
 انہی سے اہلِ دل پاتے تھے تعلیماتِ ایمانی

حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ

اسلام کی اشاعت اور اس کی تعلیمات کے فروغ کے حوالے سے جہاں صحابہ کرام کے تذکارِ مقدسہ سے تاریخِ اسلام جگمگا رہی ہے وہاں اُن صحابیات اور محترم خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے اپنے پاکیزہ کردار اور نقوشِ سیرت سے زمانے کو متاثر کیا۔ دراصل یہ تعلیماتِ مصطفویٰ ﷺ کا فیضان تھا کہ جن تک آوازِ حق پہنچ گیا وہی بزمِ ہستی کا دقار بن گئے۔ صحابہ کرام اور صحابیات کے کارنامے نہایت پر شوق اور ایمان آفریں ہیں۔ بعض صحابیات ایسی بھی خوش بخت ہیں جو قبولیتِ اسلام میں اپنے مردوں سے بازی لے گئیں اور بعض کے کارنامے اپنے خادموں سے زیادہ زرخار اور لائق تحسین ہیں۔ حضرت شفاء بنت عبد اللہ (ؓ) بھی نہایت محترمہ صحابیہ تھیں۔ آپ کا توپورا گمراہی ایمان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔

حضرت شفاء بنت عبد اللہ کا شمار نہایت جلیل القدر خواتینِ اسلام میں ہوتا ہے آپ کا تعلق قریش کے خاندانِ عدی سے تھا۔

اور حضرت شفاءؓ کا سلسلہ نسب آشویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔ پانچویں پشت میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ اُن کا نام قاطمہ بنت وہب تھا۔

حضرت شفاء کی شادی ابو حمزہ بن عذیفہ عدوی سے ہوئی۔ ابو حمزہ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ کتبِ سیر میں حضرت شفاءؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ (سال) کی تخصیص نہیں کی گئی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی



وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادتِ ابدیہ اسلام ہوئیں اور پھر جب بارگاہِ رسالت سے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن حجر نے ”اصابہ“ میں لکھا ہے کہ وہ اُن چند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ارشادِ نبوی پر لبیک کہا اور ارضِ مکہ کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

مدینہ طیبہ میں مواخات کا رشتہ قائم ہوا۔ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بھائی بنایا گیا۔ پہلے تو مکان اور رہائش کے سلسلہ میں کچھ پریشانی رہی۔ ان کی پریشانی کا احساس حضور سرورِ عالم ﷺ کو بھی تھا۔ وہ اُن کی اس مشکل کو حل کرنے کیلئے مناسب موقع کے منتظر تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک صحابی نے ایک مکان نذر کیا جو حضور ﷺ نے حضرت شفاء کو عطا فرمادیا۔ اس طرح اُن کی رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا اور آپ وہاں اپنے بیٹے سلیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقیم ہو گئیں اور ایک طویل عرصہ اس مکان میں بسر کیا۔ آپ اسلام اور سرورِ دو عالم ﷺ کی دیوانی تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ کی معمولی سی پریشانی بھی گوارا نہیں تھی۔

جب غزوہ خیبر ہوا تو مسلمانوں کو بڑی تعداد میں مالِ غنیمت بھی عطا ہوا لیکن حضور ﷺ تو قاسم تھے مال آتا تو فوراً تقسیم فرما دیتے اور جب تک سب کچھ تقسیم نہ ہو جاتا آپ کو سکون نہ آتا۔ اسی طرح آپ نے خیبر کا مال بھی تقسیم فرمادیا۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ مجھے بھی خیبر کے مال سے کچھ طلب کرنا چاہیے لیکن حضور ﷺ کی شان تو یہ تھی:

۔ مالک کو نین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

چنانچہ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور اُن دنوں جن پریشانوں سے دو چار تھیں وہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بیان کر دیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ نقدی یا جنس وغیرہ کی صورت میں انہیں کچھ عطا فرمایا جائے۔ اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے معذرت فرمائی لیکن حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا اصرار کرتی رہیں کہ اُن کی درخواست کو شرفِ پذیرائی بخشا جائے۔ اتنے میں اذان کی آواز آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے مسجد شریف لے گئے۔ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا بھی اٹھ کر قریب ہی اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو جلیل القدر صحابی حضرت شرمیل بن حسنہ کی اہلیہ تھیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ان کے داماد حضرت شرمیل رحمۃ اللہ علیہ تہ بند باندھے گھر میں ہی بیٹھے ہیں اور نماز کیلئے مسجد نہیں گئے۔ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا داماد کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر سخت آزرده خاطر ہوئیں اور غضب آلود لہجے میں انہیں ملامت کرنا شروع کر دی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور تو گھر ہی میں ہے۔ حضرت شرمیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خالہ جان مجھے ملامت نہ کیجئے۔ بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک عی قیس تھی جس پر میں نے پیوند لگا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مجھ سے عاریتاً مانگ لیا ہے میں نہیں چاہتا کہ تنگے بدن مسجد جاؤں اور جب لوگ مجھ سے اس کا سبب پوچھیں تو میں اُن کو بتاؤں کہ میری قیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریتاً لے لی ہے۔

حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا داماد کی بات سُن کر سکتے میں آ گئیں اور کہنے لگیں: میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان مجھے کیا معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آج کل یہ حال ہے۔ میں نے اپنی درخواست پر اصرار کر کے خواہ مخواہ آپ کو اذیت دی۔

حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہا جن کو شریعت کا اس قدر پاس تھا کہ نماز کے وقت اپنے داماد کو گھر میں بیٹھے دیکھ کر غضبناک ہو گئیں اور پھر بے خبری کے عالم میں بارگاہ رسالت

میں اپنی بات پر بے جا اصرار نے جنہیں سخت پشیمان کیا اس سے اعجازہ ہوتا ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کس درجہ محبت تھی اور شریعتِ اسلامی کا کس قدر پاس تھا۔

حضرت شفاءؓ قریش کی اُن محدودے چند خواتین میں سے تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ کئی امراض کے مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ جھاڑ پھونک یعنی منتر ٹوٹکے سے اُن کا علاج کرتی تھیں۔ اہلِ سیر نے اُن کے چوٹی کاٹنے کے منتر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر صاحبُ اُسدُ الغابہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کو چوٹی (زہریلی یا سخت قسم کی) کاٹی تو وہ منتر پڑھ کر کانے کی جگہ پر پھونکتیں۔

۳ھ میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت خصفہؓ بنتِ حضرت عمر فاروقؓ سے نکاح کیا تو ایک مرتبہ حضرت شفاءؓ سے فرمایا کہ خصفہ کو بھی لکھنا سکھا دو انہوں نے ارشادِ نبوی ﷺ کی تعمیل کی اور حضرت خصفہؓ کو لکھنا سکھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت شفاءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتی تھی اور چوٹی کاٹنے پر یہ منتر پڑھا کرتی تھی۔ کیا مجھے اب بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ چونکہ اس منتر میں شرک کی آمیزش نہیں تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے انہیں اجازت دے دی بلکہ یہ فرما بھی دیا کہ یہ منتر خصفہؓ کو بھی سکھا دو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

علمی حصہ رقبۃ النملۃ کما علمتها الکتابۃ

(خصفہؓ کو بھی چوٹی کا منتر سکھا دو جیسا کہ تم نے اسے لکھنا سکھایا)

چنانچہ انہوں نے حضرت خصفہؓ کو لکھنے کے علاوہ چوٹی کاٹنے کا منتر بھی سکھا دیا۔

اس لحاظ سے وہ اُمّ المؤمنین حضرت خصفہؓ کی اُستاد ہیں۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے

کہ حضرت شفاء ؓ نہایت مایہ ناز اور قابلِ تحسین اور اُن کو رحمتِ عالم ؑ سے قایت و جدِ محبت اور عقیدت تھی۔ حضور ؐ بھی اُن پر بہت شفقت فرماتے تھے اور گاہے گاہے اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حنفیہ ابنِ حجر ؒ کا بیان ہے کہ حضور ؐ کبھی کبھار حضرت شفاء ؓ کے گھر آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے ایک تہہ اور بستر حضور ؐ کیلئے الگ رکھ دیا تھا چونکہ ان چیزوں سے حضور ؐ کا جسدِ اقدس مس ہوا تھا اس لئے حضرت شفاء ؓ کے نزدیک یہ بے حد تقدس کی حامل تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں مقدس چیزوں کو زعمی بھرا پی جان کے ساتھ رکھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد نے بھی ان حرکات کو بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن اموی حکمران مروان بن الحکم نے یہ دونوں چیزیں ان سے لے لیں۔ اس طرح حضرت شفاء ؓ کا خاندان اس برکت سے محروم ہو گیا۔

حضرت شفاء ؓ کو بارگاہِ نبوی میں جو تقرب حاصل تھا اُس کی بناء پر تمام صحابہ کرام ؓ اُن کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق کے نزدیک اُن کی قدر و منزلت کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ سریرِ آرائے خلافت ہوئے تو کبھی کبھی بعض اہم مسائل میں اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے اور اُن کی رائے کی بہت تعریف کرتے تھے۔ حنفیہ ابنِ حجر نے ابنِ سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ کو حضرت شفاء ؓ کی فضیلت اور رائے کا بڑا پاس تھا اور وہ ان کو باز کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شفاء ؓ صاحبِ الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیتوں کی مالک بھی تھیں۔ علامہ ابنِ اثیر نے "أسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت شفاء ؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حضرت عمر ؓ کے پاس پہنچیں تو ابراہیم بن الحنفیہ نے



اسید بھی وہاں آ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک ایک چادر عثایت فرمائی۔ جو چادر حضرت عائکہ رضی اللہ عنہا کو عطا ہوئی، وہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی چادر سے بہتر تھی۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے ناراضی کے لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”تمہارے ہاتھوں پر مٹی پڑنے میں عائکہ سے زیادہ قدیم الاسلام ہوں تمہاری بنتِ عم بھی ہوں اور پھر تم نے مجھے خود بلا بھیجا تھا، لیکن ان ساری باتوں کے باوجود تم نے عائکہ کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ وہ بنِ بلائے محض اتفاق سے یہاں آ گئی تھیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”واللہ یہ چادر تمہارے ہی لئے تھی لیکن جب عائکہ آ گئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ نسب میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا یہ دلیل سن کر خاموش ہو گئیں اور مطمئن ہو کر گھر چلی آئیں۔“

اس روایت سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے قرابت داروں کو اپنے خاندان بنو عدی کے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے وہاں اُن کی تحمل اور بردباری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے فرمانروا تھے لیکن اپنے خاندان کی ایک بوڑھی خاتون کی ڈانٹ پر ذرا بھی برا نہ مانا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نہایت جری اور چمپاک تھیں اور دل کی بات خواہ وہ کتنی ہی سخت ہو بر ملا کہنے میں کسی کی رور رعایت نہ کرتی تھیں اگرچہ ان کا مخاطب خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وہ مساوات اور سادہ طرزِ معاشرت تھی جس نے چند سال کے اندر اندر مسلمانوں کو اقبال و فتح مندی کی انتہائی بلند یوں پر پہنچا دیا۔

حضرت شفاء علیہ السلام نے کب وفات پائی؟ اس کے بارے میں تمام کتبِ سیر خاموش ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر علیہ السلام کی خلافت کے آخری دور یا حضرت عثمان ذوالنورین علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں کسی وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت شفاء علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیمان علیہ السلام اور ایک لڑکی کا پتہ چلتا ہے۔ دونوں شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ لڑکی مشہور صحابی حضرت شرمیل بن حنظلہ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت شفاء علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ اور حضرت عمر فاروق علیہ السلام سے چند (بقول بعض بارہ) حدیثیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام اور پوتے ابوبکر علیہ السلام اور عثمان ام المومنین حضرت حصہ ابوسلمہ اور ابواسحاق شامل ہیں۔





حضرت اُمّ معبدؓ

تُو ہے خوش بخت کہ مہماں ہوئے تھے سرورِ عالم
 کہ جن کی بارگاہ میں ہے جبینِ وقت کا سرخم
 تُو ہے خوش بخت کہ اعزازِ تیرا چھن نہیں سکتا
 ترے اکرام کی تعداد کوئی گن نہیں سکتا
 کچھ اس انداز سے حلیہ سنایا شاو والا کا
 کہ ہر قلبِ مسلمان جوشِ ایمان سے مہک اٹھا
 بہت تبدیلیاں دیکھیں پر تیری شان باقی ہے
 دلوں میں جو مچلتا ہے وہی ارمان باقی ہے
 شہِ کونین کی عاشقِ نبیؐ پاک کی شیدا
 قبولِ اسلام تُو نے کر لیا جو شاہ کو دیکھا
 تیرے الفاظِ زندہ ہیں ترا پیغامِ زندہ رہے
 نبیؐ پاک نے تجھ پر کیا انعامِ زندہ ہے
 نبیؐ پاک کا حلیہ رضا کے دل کی زینت ہے
 تیری الفاظ کی شوکت سے ہر اک دل میں راحت ہے

حضرت اُمّ معبدؓ

حضور اکرم ﷺ اپنے جاندار یعنی حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب اونٹوں پر جو سفر تھے۔ راستے میں غار ثور میں کفار سے بچنے کے تین رات دن قیام کرنا پڑا تھا۔ ابھی تو بہت طویل سفر تھا۔ سورج گرم تھا زمین تپ رہی تھی زمین سے اٹھنے والی گرم ریت سے چہرے جھلے جا رہے تھے مگر یہ جگمگاتے چہروں والے مسافر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ ان میں سے ایک تو آقا تھے جو ساری دنیا کے آقا و مولا ﷺ تھے اور دوسرے اُن کی غلامی کا دم بھرنے والے صدیق اکبرؓ تھے جنہیں اپنی جان کا غرمان پیش کرنا تو گوارا تھا مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جبینِ اقدس پر ہلکی سی شکن بھی آجائے۔

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا

کہ اُن کے پاؤں کے ٹکڑوں میں اک کاٹا بھی چھ جائے

عیاس نے ستار کھا تھا۔ بُھوک بھی چمک اُٹھی تھی۔ راستے میں ایک مقام تہذیب نظر آیا جو ایک صحرائی جگہ پر واقع تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرب مہمان نواز ہوتے ہیں۔ یقیناً یہاں ہمیں وہ سب کچھ مل جائے گا جس کی ہم توقع رکھے ہوئے ہیں۔

یہ مقام حضرت اُمّ معبدؓ کا تھا جو عرب کی مہمان نوازی اور لطف و محبت کا دلکش نمونہ تھیں۔ آپ اور آپ کا خاوند دونوں غیر معمولی طور پر مہمان نواز تھے۔ انہوں نے مکہ کے قریب خیمہ لگا رکھا تھا جو مسافر آتے اس خیمہ کے نیچے آرام کرتے۔ اُمّ معبدؓ انہیں پانی بھی پلاتیں اور حتی المقدور خدمت بھی کرتیں۔ جب حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ یہاں پہنچے تو اس خیمہ کے نیچے ٹھہرے۔

حضور ﷺ نے خاتونِ خانہ اُمّ معبد ﷺ سے دریافت کیا:

”بہن تمہارے پاس کھانے کیلئے کچھ ہے۔“

اُمّ معبد ﷺ نے بڑی متانت سے عرض کیا:

”کھانے کو تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ ایک بکری حاضر ہے جو بہت کم

دودھ دیتی ہے یہ دودھ آپ کیلئے ناکافی ہوگا۔ اگر پسند فرمائیں تو اسے ذبح کر لیں۔“

حضور ﷺ اپنی میزبان اُمّ معبد ﷺ کے جذبہ خدمت سے بہت خوش

ہوئے اور فرمایا:

”بہن اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دودھ لیں۔“

اُمّ معبد ﷺ نے عرض کیا: بسر و چشم مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ

آپ کو دودھ بہت ہی کم ملے گا۔“



نبی رحمت ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کمزوری بکری کے تھنوں پر

ہاتھ پھیرا۔ یہ عام آدمی کے ہاتھ نہیں تھے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ تھے جن کی تاثیر

سے مردے جی اُٹھتے ہیں۔ آپ کے دست ہائے مبارک کی برکت نے اپنا کمال دکھایا

اور بکری کے تھنوں سے دودھ کے چشمے پھوٹنے لگے۔ اُمّ معبد ﷺ نے جو برتن دیا وہ

فورا بھر گیا۔ یہ دودھ رسول کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء سیدنا صدیق اکبر ﷺ ان کے

غلام حضرت عبداللہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ نے پی لیا۔ دوسری مرتبہ پھر بکری کو دوا گیا تو برتن

پھر بھر گیا۔ یہ بھی حضور ﷺ اور آپ کے رفقاء نے پیا۔ تیسری مرتبہ دودھ دوہنے سے

جب برتن بھرا تو حضور ﷺ نے یہ برتن اُمّ معبد ﷺ کے حوالے کر دیا۔ اُمّ معبد ﷺ نے

یہ منظر دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئی کہ جو بکری پاؤ بھر دودھ نہیں دے سکتی تھی اُس کے

حضورِ نبوی ﷺ سے دودھ کی نہری بہا رہی تھی۔ حضرت اُمّ معبدؓ نے حیرت میں گم ہو گئیں کہ یہ آج ہمارے گھر میں کیا ماجرا ہو گیا اور آنے والی بستی کس قدر مبارک مسکن اور باعثِ رحمت ہے۔ حضرت اُمّ معبدؓ کا بیان ہے کہ وہ بکری حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہمارا گھر انیس گشتاں کے دودھ سے فیضیاب ہوتا رہا مگر اس کے دودھ میں کبھی ذرا بھر بھی کئی روٹھا نہیں ہوئی۔



آکائے سراپا رحمت تو اس گھر کو اپنے قدموں کی برکات سے فیضیاب کرنے کے بعد ارضِ مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ کچھ نگرین حضرت اُمّ معبدؓ کا خاوند آیا۔ دودھ کے بھرے ہوئے برتن دیکھے تو بے حد تعجب میں گم ہو گیا۔ اُمّ معبدؓ سے دریافت کرنے لگا:

”یہ دودھ کہاں سے آیا؟“

حضرت اُمّ معبدؓ نے محبتِ آمیز لہجے میں جواب دیا۔

”آپ کی عدم موجودگی میں ایک بزرگ تشریف لائے تھے۔ نورانی صورتِ دل ربا سراپا انہوں نے بکری کو دہا خود بھی ساتھیوں سمیت جی بھر کر دودھ پیا اور ہمارے لئے بھی بھرے ہوئے برتن چھوڑ گئے۔“

یہ وہ زمانہ تھا کہ محبوبِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات اور اخلاقِ حسنہ کی سیرت سے مشرق و مغرب میں اُجالا ہو رہا تھا۔ تعلیماتِ مقدسہ کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ مکہ وہ شہر تھا جہاں عرب کے کونے کونے سے تاجر تجارت کیلئے آتے تھے اور واپس ہوتے ہوئے ”عمرِ عربی (ﷺ) کے پیغام کے الوار بھی سمیٹ کر لے جاتے تھے۔ وہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں جاتے تو وہاں کے عوام کو بتاتے کہ مکہ میں ایک نبی کی



تعلیمات پھیل رہی ہیں۔ قبیلہ بنو ہاشم سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد رسول اللہ نام ہے۔ خاندان بھی اعلیٰ ہے اور اس کی شکل و صورت اور القاط کی تاثیر کا کیا کہنا۔ اس کا پیغام سراسر رحمت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، میں اُس کا رسول ہوں۔ پھر کے بت تمہیں کچھ نہیں دے سکتے، ان کی عبادت چھوڑ دو اور خدائے واحد کی عبادت کرو۔ تمام گناہوں، معائب، غلط کاریوں، لڑائی جھگڑوں کو چھوڑ دو، بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔ یہ اس کی تعلیمات کا اثر ہے کہ مکہ اور اردگرد کے قبائل کے حق کے پرستار بڑی تعداد میں اس کی نبوت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔



اُمّ معبد ﷺ کا خاوند بھی اتنا انجان نہیں تھا۔ اس کے کانوں تک محمد عربی ﷺ کے تذکار مقدس پہنچ چکے۔ اُس کا دل اندر سے اس رسولِ مکرم کا شیدا کی ہو چکا تھا۔ بس دیکھنے کی آرزو تھی۔ جب اُمّ معبد ﷺ نے تمام واقعہ سنایا تو باطن سے صدا بھری کہ ”یہی تو وہ ہستی ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ یہ مسافر تو وہی ہے جو مدت سے میرے دل میں بستا ہے۔ اے اُمّ معبد ﷺ تم کتنی خوش بخت ہو کہ تم نے اُس راہنمائے عالم کو دیکھا ہے۔ براہ کرم اُس کا حلیہ، شکل و صورت تو بیان کرو۔“

اُمّ معبد ﷺ کا دل تو پہلے ہی محبتِ رسول ﷺ کا مرکز بن چکا تھا۔ اُس کے اندر سے طوفان اُٹھ رہا تھا کہ کوئی فرمائش کرے تو آنکھوں دیکھا احوال بیان کرے۔ ادھر شوہر نے فرمائش کی ادھر اُمّ معبد ﷺ کے منہ سے لفظوں کے جواہر بکھرنے لگے۔ زبان سے گھلے عقیقت بکھرنے لگے۔ عقیقت نے القاط کا ہر اہن محفوظ کر لیا۔ تاریخ عالم نے اپنے اوراق کھول دیئے اور اُمّ معبد ﷺ کے تاریخ ساز القاط فضاؤں کو ضو بار کرنے لگے۔

پاکیزہ صورت، کمالی چہرہ، خوش خلق، نہ تو غل ہوئی نہ چہرہ یا کے بال گرے ہوئے، حسین و جمیل روشن روشن موٹی آنکھیں اور سیاہ بال کچھ اور لمبے، آواز میں ہماری بہن سیدھی گردن، آنکھ کی نیکی روشن، سر کیس چشم باریک و بیکستہ، ائمہ و سیاہ ٹھکریا لے بال، باوقار خاموش، ٹکڑے لٹشیں دور سے دیکھنے میں پھیلے اور دلربا۔ قریب سے نہایت شیریں و خرم و شیریں کلام واضح الفاظ، کلام کی بیشی الفاظ سے پاک، تمام ٹھکڑو موتیوں کی لڑی بھی پروئی ہوئی (یعنی مسلسل مربوط اور بال) مہمانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی، نہ چمک نہ ہال کی شارب تازہ نہ بندہ مظهر عالی قد و رفقاء ایسے کہ ہر وقت گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتا ہے تو قہقہہ لپکتے ہیں۔ خدمت مطاع نہ احمودی بات کرنے والا اور نہ ضرورت سے زیادہ بولنے والا۔

اُمّ عبد اللہؓ نے سرکارِ دو عالم کا حلیہ اقدس بیان کیا تو اس کا خادم فرما سرت سے اچھل پڑا کہ

”یہ تو وہی صاحبِ قریش ہے جس کا زمانہ یوانہ ہے، میں ضرور اس سے جا کر ملوں گا۔“

حضرت اُمّ عبد اللہؓ کے قولِ اسلام کے حقائق و روایات تاریخ کا اعزاز ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اُن کے کان صاحبِ قریش حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسم گرامی اور آپ کی تعلیمات سے پہلے ہی آشنا ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب اُن کی رُبِ مصطفیٰ ﷺ پر اولین نگاہ پڑی تو اُن کے دل نے گواہی دی کہ یہی وہ نبی آخر الزماں ﷺ ہے جس کے آوازہ توحید سے یزید ہستی گونج رہی ہے۔ یہی وہ سربراہِ خیر ہے جو دلوں کے ظلمت کدوں کو جگمگانے کے لئے آیا ہے۔ یہی وہ مقصودِ ہستی ہے جو اس کائنات



کا ابد تک کیلئے نجات دہندہ ہے۔

اور پھر جب اُمّ معبد رضی اللہ عنہا نے بکری کے خشک تھنوں سے دودھ کے سرچشے پھوٹے دیکھے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ خشک تھن کتنے ہی لوگوں کی تشنگی مٹانے لگے تو انہیں قطعی طور پر یقین ہو گیا کہ:

”میرا یہ مہمان عام مہمان نہیں۔ یہ تو وارد کوئی معمولی راہ نور نہیں بلکہ یہ تو وہ اعزازِ ہستی ہے جو ممدوح شش جہات ہے جس سے معمورہ عالم جگمگا رہا ہے جس کے صدقے میں تمام انبیاء تخلیق ہوئے ہیں یہ وہی محبوب خدا ہے جس کی تشریف آوری کیلئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دُعا مانگی تھی۔ یہ وہی ہستی موعود ہے جس کی جلوہ گری کیلئے حضرت مسیح ابن مریم نے بشارت دی تھی“

اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے دل کی دنیا اسی وقت زیرِ وزیر ہو گئی۔ اس وقت خلوصِ قلب کے ساتھ حلقہٴ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کی تمنّاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ مدینہ کے در و دیوار خوشی و مسرت سے جھوم رہے تھے۔ ”بیشرب“ اب مدینہ المصلیٰ بن چکا ہے۔ بیماریوں کا مرکز شہر نگاراں میں بدل چکا تھا۔ ہر طرف توحید و رسالت کے اُجالے اپنا نور دل و جان کی خلوتوں میں اتار رہے تھے۔ اس خوشی و مسرت کے عالم میں حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ہمراہ آگئیں اور دونوں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے شرف ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام کیا تو کہا جاتا ہے کہ ایک بکری کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن چھوئے تھے۔ اس کیلئے دودھ میں برکت کی دُعا مانگی تھی۔ اُمّ معبد رضی اللہ عنہا نے ایک دوسری بکری ذبح کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا۔ دودھ

دینے والی ایک بکری الگ سے موجود تھی جس کا دودھ دواقر مقدار میں حضور ﷺ اور آپ کے رفقاء کی خدمت میں پیش کیا گیا۔



حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا نے اپنے گاؤں عی میں اسلام قبول کر لیا یا مدینہ منورہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئی ہوں۔ یہ بات طے ہے کہ حضور ﷺ کے زرخ انور کی اولین جلوہ نمائی عی اُن کے قبولیت اسلام کا ذریعہ بن گئی۔ اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا اعزاز اُن کے حوالے سے محبوب دو عالم ﷺ کا بیان کردہ حلیہ ہے۔ حلیہ کیا ہے کتاب نعت کا زر نگار باب ہے تو صیف رسول اللہ ﷺ کی جگمگاتی کتاب ہے حلیہ کیا ہے لفظوں کے گلاب اور گل و لالہ سمجھتے نظر آتے ہیں۔ یوں نظر آتا ہے جیسے حلیہ بیان کرتے ہوئے حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کی عقیدت منقطعہ ﷺ سے جگمگاتی ہوئی آنکھوں سے ستارے پھوٹ رہے ہوں۔ لفظوں نے رنگ و خوشبو کا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔ جلوہ کاری رسول ﷺ نے علم و حشمت کے آفتاب کی کرنیں لٹا دی ہوں۔ بہت سے محقق ناقدین اور تذکرہ نگاروں نے اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے بیان کردہ حلیہ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی سب سے پہلی نشی نعت قرار دیا ہے۔ عقیدت، حشمت، وارثی، شینگی اور جذبات کی فکر انگیزی ہم آہنگ ہو گئی ہیں۔ سلام اُمّ معبد رضی اللہ عنہا پر کہ حضور ﷺ کچھ عرصہ آپ کے پاس ٹھہر کر چلے گئے مگر آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لفظوں کی کہکشاں بکھیر دی۔

تری خوش بختیاں اے اُمّ معبد کوئی کیا جانے
ترے الفاظ میں گم ہیں زمانے بھر کے فرزانے



حضرت اُمّ خالدؓ

عقیدت کا معیار تھیں اُمّ خالد
 سعادت کا مینار تھیں اُمّ خالد
 شہرِ دیں کی پیاری صحابہ کی پیاری
 عقیدت کے گلشن کی دلکش کیاری
 تھیں شکل اور صورت میں مہتابِ تازہ
 تھا چہرے پہ حُبِ محمدؐ کا غارہ
 انہوں نے کہ تھی آنکھ جیشہ میں کھولی
 اسی طور آتی تھی جیشہ کی بولی
 یہ امی کی آنکھوں کا دلکش رستارہ
 یہ ابو کی چاہت کا احسن نظارہ
 بڑی خوبصورت بڑی دل نشیں تھی
 بڑی خوشنما، دلربا، نہ جبین تھی
 رضا ان پہ تھا لطف شاہِ جہاں کا
 زمانہ بھی سرکار کا ہم زباں تھا

حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا بعت خالد بن سعید

صحابہ کرام اور صحابیات کیلئے قبولیت اسلام کا وقت بڑا سخت اور کٹھن تھا۔ اسلام کا اعلان کر کے ہی کفار مکہ اُن پر قلم کا بازار گرم کرنے لگتے۔ انہیں طرح طرح سے ستایا جاتا۔ اُن کا ساتھی بایکاٹ کیا جاتا اُن کے بزرگوں اور بچوں کو نشانہ ستم بنایا جاتا۔ مگر ان الہی عزیمت کی ایمانی استقامت کا بھی کمال ہے کہ انہوں نے ہر دکھ کو جھیلا ہر سزا کو برداشت کیا ہر ستم کو فطرت کا ایمان سمجھ کر قبول کیا مگر راہ اسلام میں اُن کے آگے کو بڑھتے ہوئے قدم کبھی بھی پیچھے نہ ہٹے۔ حتیٰ کہ انہیں مکہ معظمہ تک چھوڑنا پڑا۔ ملک حبش جیسے دور دراز کے علاقے میں پناہ لینا پڑی۔ کتنے ہی سال دیارِ غیر میں غریب الوطنی کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے گزر گئے مگر ان میں سے کسی کا حوصلہ بھی مائع نہ پڑا بلکہ راہ حق میں آنے والی آزمائش اُن کو اسلام اور بانی اسلام ﷺ سے مزید محبت کا سلیقہ عطا کرتی گئی۔ اُن میں سے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ بھی شامل ہیں اور اُمّ خالد اُن کی اس صاحبزادی کا نام ہے جو ان کے قیام حبشہ کے دوران میں پیدا ہوئی۔

حضرت اُمّ خالد کے والد اور والدہ دونوں ہی دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور جس طرح دوسرے السابحون الا ولون پر ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اسی طرح یہ بھی کفار مکہ کے ظلم و تشدد کا نشانہ بننے لگے اور طرح طرح کے مصائب سے دو چار ہونے لگے۔ بعثت نبوی کے پانچ سال بعد تک مکہ ہی میں رہے پھر حضور ﷺ نے ملک حبش کے بادشاہ نجاشی کی رحمہ لی کے حالات سن کر اپنے صحابہ کو حبشہ جانے کے بارے میں فرما دیا۔ چنانچہ چند صحابہ کرام کا مختصر سا قافلہ ہجرت کر کے حبش کی اجنبی سرزمین کی طرف روانہ ہو گیا۔



جب ملک حبشہ میں شاہ نجاشی کی خصوصی کرم فرمائی کا تذکرہ سنا تو اور صحابہ بھی حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حبشہ کا رخ کرنے لگے۔

اگلے سال (۶ بعدِ بعثت میں) مظلوم صحابہ کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اس قافلے میں حضرت خالد بن سعید بن العاص اور اُن کے بھائی حضرت عمرو بن سعید بن العاص بھی شامل تھے اُن کے ساتھ ان کی بیویاں حضرت امینہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ صفوان بھی تھیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید غزوہ خیبر تک حبش میں مقیم رہے۔ اُن کے قیام حبش ہی کے زمانے میں حضرت اُم خالد اُمّہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے جس گہرانے میں آنکھ کھولی اس پر پہلے ہی نور اسلام جلوہ رفلن تھا۔ اس لئے وہ پیدائشی مسلمان تھیں۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کے ایک بھائی بھی حبش میں پیدا ہوئے۔ اُن کا نام سعید تھا۔ دونوں بہن بھائی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام کے ایک معرکے میں باپ کے سامنے ہی شہادت پائی۔

حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کا اصل نام اُمّہ تھا۔ وہ قریش کے نامور خاندان بنو اُمیہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: اُمّ خالد اُمّہ بنت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔ والدہ کا نام اُمینہ یا ہمینہ رضی اللہ عنہا بنت خلف بن اسعد بن عامر تھا۔ اُن کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔

حبشہ میں حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا اور اُن کے والد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کی والدہ کو دوسرے مسلمانوں کی طرح کئی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اجنبی وطن، اجنبی زبان اور پھر کفار مکہ کا فوذ بھیج کر شاہِ نجاشی کو مجبور کرنا کہ وہ پناہ لینے والے مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ بالآخر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے کلمہ حق نے کام کر

دکھایا۔ کفار مکہ کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور مسلمان ناسازگار ماحول اور ناسازگار آب و ہوا اس جانی تحفظ کی یقین دہانی کے ساتھ چین سے رہنے لگے۔ حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا جو کہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں تھیں بہت حسین تھیں۔ والد بن تو والد بن تھے۔ دوسرے صحابہ اور ان کی بیویاں بھی ان سے پیار کرنے لگیں۔ انہوں نے قدرتی طور پر وہاں کی زبان سیکھ لی۔ مہاجرین حبشہ میں سے کچھ اصحاب تو مختلف اوقات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اہل المدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے لیکن بیشتر حبشہ ہی میں رہے اور جنگ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ان کے اہل و عیال اور دوسرے اہل خاندان بھی انہی اصحاب میں شامل تھے۔ حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا اس وقت من شہور کو پہنچ چکی تھیں۔ جس وقت یہ لوگ حبشہ سے روانہ ہونے لگے تو نجاشی شاہ حبشہ نے نہایت عقیدت سے ان کو پیغام دیا کہ تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام پہنچا دینا۔

حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھیں جنہیں شاہ حبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیغام سلام دیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی کا سلام پہنچایا۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بھائی اور حواری حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کی صلب سے دو بیٹے خالد اور عمر اور تین بیٹیاں حبیبہ سودہ اور ہند پیدا ہوئیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُس وقت انہوں نے سرخ کرتہ پہن رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر آزار و خوش طبعی فرمایا: ”سنہ سنہ“



”بہت خوبصورت بہت خوبصورت“ حبشی زبان میں یہ الفاظ حضور ﷺ نے اُم خالد کو خوش کرنے کیلئے فرمائے۔

چونکہ حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں۔ رنگ سرخ و سفید تھا اور حبشہ کی زبان بھی جانتی تھیں اس لئے حضور ﷺ خوش طبعی سے انہیں دیکھ کر سنہ سنہ کے الفاظ ادا فرماتے جن کا مطلب اس پیاری سی بچی کو خوش کرنا تھا۔ اور یہ مقصود بھی تھا کہ جس ماحول سے آئی ہے وہاں کی یاد بھی تازہ ہو جائے۔ چنانچہ یہ الفاظ سن کر حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساتھ اُن کے والدین اور وہ اصحاب کرام بھی جو حبشہ میں رہ کر آئے مسکرا نے لگے اور حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو تو اپنے والدین کے ساتھ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرح کافی عرصہ حبشہ میں بسر کرنا پڑا تھا۔ حضور ﷺ حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا سے کس درجہ پیار کرتے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی ہوتا ہے۔

غزوہ خیبر کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم ﷺ کو کہیں سے تھکے میں ایک پھول دار سیاہ چادر آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ چادر کس کو دوں؟ لوگ چپ رہے۔ اُن کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ جس کو چاہیں وہ چادر دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”اُم خالد کو بلاؤ۔“

ایک صاحبِ دوڑے گئے اور حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اُن کو یاد فرما رہے ہیں۔ وہ فوراً بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے نہایت محبت اور شفقت سے وہ چادر اُن کو مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی دو دفعہ فرمایا ”پہنو اور پرانی کرو۔“ پھر حضور ﷺ چادر کے بوٹوں پر ہاتھ رکھ کر حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو دکھاتے اور فرماتے ”اُم خالد رضی اللہ عنہا دیکھو یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے۔ حبشی زبان میں ”سنہ“ کے معنی ہیں ”خوشنما“۔ اُم خالد رضی اللہ عنہا حبشی زبان جانتی تھیں۔ وہ سرورِ عالم ﷺ کی زبان



مبارک سے یہ الفاظ سن کر باغ باغ ہوئی جاتی تھیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اقدس ﷺ حضرت اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے خاندان کو کتنا عزیز جانتے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک حضرت بارِ اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ محترم حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ دربارِ رسالت ﷺ میں آئیں تو چونکہ چھوٹی بچی تھیں اس لئے اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا مہرِ نبوت سے کھیلنے لگیں۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے اُن کو ادب کے خلاف جانا اور انہیں منع کیا، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: اسے منع نہ کرو، کھیلنے دو۔ اور پھر یہ واقعہ جس میں آپ کو نبی کریم ﷺ نے چادرِ رحمت عطا فرمائی کسی اور موقع کا ہے۔

حضرت اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں کریم بن سلیمان کندی، موسیٰ بن عقبہ اور ابیہیم بن عقبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) شامل ہیں۔





حضرت شیماء بنت حارثؓ

نہی مکرم کی کرتی تھیں خدمت
 اسی میں میسر تھی ہر ایک راحت
 شہِ دو جہاں کو کھلاتی ہر دم
 محبت محمدؐ سے کرتی تھی پیہم
 حلیمہ کی بیٹی حلیمہ کی پیاری
 شہِ دو جہاں پہ تھی ہر آن واری
 کھلاتی پلاتی تھی احمدؐ نہی کو
 دوام اس سے ہر آن تھا روشنی کو
 حیات اس کی حب محمدؐ سے روشن
 اسی سے تھا مہکا عقیدت کا گلشن
 تھا نام اس کا شیماء، حلیمہ کی دختر
 شہِ دو جہاں کی نسبت سے تھی مثل دختر
 رضا اس پہ ہر آن لطف نہی ہو
 لہر میں عطا اس کو لطف جلی ہو

حضرت شیماءؓ بنت حارث

حضرت شیماءؓ، حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی صاحبزادی تھیں۔ بچپن میں آپ ننھے محمدؐ کو کبھی گود میں اٹھا کر اور کبھی کندھوں پر بیٹھا کر ٹھمایا پھیرایا کرتی تھیں، یا گھر میں ہی آپ کھلاتی تھیں۔ اگر کبھی آپ رونے لگتے تو باہر لے جاتیں۔ چونکہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی عمر بڑھ رہی تھی اور حضرت شیماءؓ بھی کوئی چھوٹی بچی نہیں تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ کو لوریاں سنانے اور پھرانے میں اپنی انی کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔

حضرت شیماء کا نام جد امہ تھا جبکہ گھر میں اور گاؤں میں شیماء کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ آپ کے باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ تھا۔ ماں کا نام حضرت حلیمہ سعدیہ تھا، جنہیں حضور ﷺ کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی نسبت سے وہ تک کیلئے زمانے بھر میں معزز و محترم بن گئیں۔

عظمت ہے حلیمہ کی کس شان کی رفعت ہے

اس شان کا باعث بس سرکار ﷺ سے نسبت ہے

حضرت شیماء کے اتنے زیادہ حالات نہیں ملتے مگر ان کو ننھے حضور ﷺ سے بے حد پیار تھا، چونکہ آپ کے آنے سے گھر میں بہار آگئی تھی، سو کھے میدان ہرے بھرے ہو گئے تھے، خشک چراگاہوں میں ہریالی نظر آرہی تھی۔ اُن کے گھر کی لاغر بکریاں فریبہ ہو گئی تھیں اور اُن کے خشک تھن دودھ سے بھر پور ہو گئے۔ مقتدر یا دور ہو گیا تھا، قسمت مہربان ہو گئی تھی۔ ایک ایک نوالے کو ترسنے والے گھر میں خوشحالی آگئی تھی۔ شیماء بھی اپنے ماں باپ کی طرح یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اسے بھرپور احساس تھا کہ ان انعامات ربانی کے پس پردہ ننھے محمدؐ کے مبارک وجود کی معجز نمایاں شامل ہیں۔ اس نے شیماء کو ننھے حضرت



محمد ﷺ سے بے پناہ پیار اور انس ہو گیا تھا۔ گود میں اٹھا کر بھاگی بھاگی پھرتی۔ ”سیرۃ حلبیہ“ میں رقم ہے کہ جب ننھے حضور ﷺ اپنی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیماء حضور ﷺ کو اٹھا کر کھانا کھلاتی، سیر کراتی، آپ سے باتیں کرتی، اور آپ کو یہ لوری بھی سنایا کرتی تھی۔

”یا اللہ محمد ﷺ کو زندہ رکھ یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں۔“

پھر ہم ان کو ایک صاحبِ عزت سردار دیکھیں۔ اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں۔

اے اللہ! محمد ﷺ کو دائمی عزت عطا کر۔“

اس لوری کے بارے میں کوئی محقق تشکیک کا شکار ہو سکتا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ قبیلہ بنو سعد میں قیام کے دوران حضور ﷺ کے پے در پے معجزات بھی رونما ہو رہے ہیں اور ایسے واقعات و حالات بھی سامنے آرہے ہیں جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، تو ظاہر ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ یا اشعار کہنا درست لگتا ہے اور پھر بنو سعد کا قبیلہ تو عرب کا فصاحت و بلاغت سے مالا مال قبیلہ تھا، جس کا حضور ﷺ کو فرمایا کرتے تھے، تو پھر کیا معلوم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی حضرت شیماء رضی اللہ عنہا نے ننھے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بدحت میں کیا کچھ کہا ہو۔ تاریخ اس تفصیل میں جانے سے قاصر ہے۔ فقط حضور ﷺ کی اس قبیلہ پر عنایات کے حوالے سے تصور کیا جاسکتا ہے۔

جہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں کہ کس طرح اور کس طور سے مکہ میں آئیں۔ کس طرح حضرت محمد ﷺ کو وہاں جن حالات سے گزرنا پڑا ان میں سے بہت سے حالات مورخ کی نگاہوں سے اوچھل ہو گئے ہیں۔ جہاں دایہ

اماں حضرت علیہ سجدیہ علیہ السلام کا تذکرہ چتر پانچواں بچوں کے بارے میں تفصیل کون لکھتا ہے اور حضرت شیماء علیہا السلام کی محبت و شفقت اپنی ماں کی محبت و شفقت کا حصہ ہی ہوگی۔

حضرت شیماء علیہا السلام غزوہ حنین تک کنای کی حالت میں اپنے قبیلہ میں زندگی بسر کرتی رہیں۔ ادھر حضرت شیماء علیہا السلام کے ننھے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ نے وہ رفعت و عظمت عطا کی کہ جن و ملائک اور کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی ذاتِ گرامی پر نازاں تھا۔ رمضان ۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور شوال ۸ھ میں غزوہ حنین پیش آیا۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبیلوں نے طائف کی جاگیروں کے لالچ میں چار ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مکہ پر حملہ کا قصد کیا۔ دوسری طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ مکہ سے نکل کر دلدلی حنین میں اترے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد دشمنوں کو شکست قاش ہوئی اور وہ امان کے طالب ہوئے۔ حضور رحمتہ اللعالمین نے ان کو معافی دے دی اور تمام قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا۔

انہی قیدیوں میں حضرت شیماء علیہا السلام بھی تھیں۔ جب وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیماء دونوں نے حضرت علیہ سجدیہ کا دودھ پیا تھا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بچپن میں دیکھا تھا اور وہ بھی آپ کو بچپن کے حوالے ہی سے جانتی تھیں اس لئے ان کیلئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان دشوار نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی ماں کئی بار مکہ آئی اور مختلف مواقع پر انعامات لے کر جاتی رہی۔ پھر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور اسلام کا سلسلہ پھیلا اور اطراف و اکناف میں پھیلتا ہی گیا۔ عرب کا شاید ہی کوئی ایسا گاؤں یا قبیلہ ہوگا جہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ چھڑتا ہو۔ اس لئے حضرت شیماء علیہا السلام تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی سے پوری طرح آگاہ



تھی۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا کمالِ رحمت ہے کہ حضرت شیماؓ کا حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا حوالہ دیتے ہی پہچان گئے۔ اپنا بچپن نگاہوں میں گھومنے لگا اپنی پہچان کو مکمل طور پر واضح کرنے کیلئے حضرت شیماؓ نے ایک نشانی بتائی۔

نشانی یہ تھی کہ بچپن میں ایک دن حضرت شیماؓ ننھے حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کھلا رہی تھیں۔ حضور ﷺ کسی بات پر ناراض ہوئے اور حضرت شیماؓ کے کندھے یا پشت پر اس زور سے کاٹا کہ عمر بھر کیلئے نشان رہ گیا۔ غزوہ حنین کے موقع پر حضرت شیماؓ نے یہی نشان حضور ﷺ کو دکھایا۔

اب حضرت شیماؓ کی پہچان میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنا عہدِ طفلی یاد کر کے ابدیدہ ہو گئے اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچا کر حضرت شیماؓ کو نہایت عزت سے بٹھایا۔ پھر ان سے فرمایا ”بہن! اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔“

حضرت شیماؓ کی زندگی اپنے قبیلہ میں ہی گزر گئی تھی۔ انہوں نے واپس جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انہیں اپنے قبیلہ میں واپس بھیج دیا اور جاتی دفعہ کچھ روپیہ ایک بکری تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔



حضرت اُمّ عاصمؓ

تاریخ میں بعض اتفاقات ایسے ہوتے ہیں جو حیرت انگیز نتائج کو جنم دیتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا معمول تھا کہ رات کو اکثر اپنے خادم اسلم کو ساتھ لے کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے۔ اس گشت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہو کر ان کے مسائل کو حل کر سکیں۔ ایک رات کو اسی طرح گشت کرتے کرتے ٹھک گئے تو ایک مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ چاک انہوں نے مکان کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی:

”بیٹی اٹھو اور اس دودھ میں کچھ پانی ملا دو“۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لڑکی کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔

امی! میں آپ کا حکم نہیں مان سکتی۔

پھر ایک بوڑھی عورت کی آواز آئی جو کہہ رہی تھیں کہ اگر اس دودھ میں تم پانی نہیں ملاؤ گی تو ہمارا گزارا کیسے ہوگا۔ تمہارا باپ انتقال کر چکا ہے۔ ہمارا سارا دار و مدار اس گائے کے دودھ پر ہے۔ اس سے ہمارا خرچ بھی چل رہا ہے ایک آدھ درہم روزانہ کی بچت بھی ہو جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں دودھ میں پانی ملا دیتی ہوں جو ان آواز پھر سنائی دی ”اماں کچھ بھی ہو جائے میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی“

بڑھیا نے کہا: تمہارا اصرار بے جا ہے تمہیں دودھ میں پانی ملانا پڑے گا ورنہ ہمارا گزارا کیسے ہوگا؟

لڑکی نے کہا: اماں کیا رزقِ حلال سے گزارا نہیں ہو سکتا۔



ماں نے کہا: رزقِ حلال ہماری کہاں کہاں مدد کرے گا۔

بٹی نے کہا: ماں میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی۔ آج ہی امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم ؓ نے منادی کروائی ہے کہ جو دودھ میں پانی ملائے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

ماں نے کہا: واہ بٹی واہ! وہ تو محض ایک منادی تھی۔ ابھی صبح دور ہے کیا امیر المومنین حضرت عمر ؓ یہاں آکر ہمیں دودھ ملاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

بٹی نے جرأتِ ایمانی سے جواب دیا ”اُمّی! امیر المومنین حضرت عمر ؓ تو نہیں دیکھ رہے، حضرت عمر ؓ کا خدا تو دیکھ رہا ہے اور خدائے کریم نے قرآن کریم میں ملاوٹ اور دھوکے کی سختی سے مذمت کی ہے اور اسے اسلامی تعلیمات کے سرارِ منافی قرار دیا ہے۔“

پھر ایسا لگا جیسے ماں کو غصہ آ گیا ہو اور اس نے بٹی کو طمانچہ مارا ہو مگر بٹی نے کسی صورت بھی پانی ملانے سے انکار کر دیا کہ ہم امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم ؓ کے سامنے تو ان کی اطاعت کا دم بھریں مگر ان کی عدم موجودگی میں ان کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔“

حضرت عمر فاروق ؓ ماں بٹی کی دیوارِ پار سے گنگوٹن کر حیران رہ گئے کہ ایسے عظیم لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی بھی محتسب کی موجودگی کے بغیر خدا سے اس قدر ڈرتے ہیں اور امیر المومنین کے احکام کا اس شدت سے احترام کرتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ خیال مچلنے لگا کہ یہ لڑکی کسی طور ان کی بہو بن جائے۔ یہ لڑکی انہوں نے دیکھی نہیں تھی لیکن اس نے رزقِ حلال کی پابندی کے حوالے سے کردار کی بلندی کا حیرت انگیز نمونہ پیش کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے غلامِ اسلام کو جو ہمیشہ رات کے گشت میں ان کا ساتھی

ہوا کرتا تھا حکم دیا کہ اس مکان پر نشان لگا دو اور اسے اچھی طرح بچان لو۔
 منج ہوئی تو انہوں نے تمام بیٹوں کو بلایا اور اس لڑکی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے
 کہا کہ اگر میں جوان ہوتا تو اس لڑکی سے شادی کر لیتا۔ تم میں سے کون اس سے شادی
 کیلئے تیار ہے۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عاصم ؓ کنوارے تھے انہوں نے ادب
 سے سر جھکا کر باپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

آپ نے اسلم کو اس مکان پر یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا کہ یہ عورتیں کون ہیں؟
 اسلم نے واپس آ کر بتایا کہ یہ مکان ایک بیوہ کا ہے اور لڑکی اس کی ناکھڑا بیٹی ہے۔
 چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عاصم ؓ کیلئے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا۔ اس
 طرح یہ نیک سیرت خاتون حضرت عمر فاروق ؓ کی بہو بن گئی۔ اُمّ عاصم اسی خاتون
 کے بطن سے پیدا ہوئیں اور اسی کی آغوش میں تربیت میں پا کر نہایت بلند اخلاق اور
 ستودہ صفات خاتون بنیں۔ اُن کی شادی مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی جو
 بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھائی تھے۔

۶۱ھ یا ۶۲ھ میں اُمّ عاصم کے بطن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ پیدا
 ہوئے۔ وہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد ۹۹ھ میں مسند خلافت پر بیٹھے اور
 ایک بار پھر دنیا کو خلافت راشدہ کا دور دکھا دیا۔ انہیں اپنے عدل و انصاف، علم و فضل اور
 زہد و اتقا کی وجہ سے عمر فاروق ثانی کہا جاتا ہے۔

افسوس کہ اُمّ عاصم کو اپنے فرزند کی خلافت کا زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ
 اس سے بہت پہلے وفات پا گئیں۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت عبدالعزیز نے ان کی
 بہن خصفہ بنت عاصم سے نکاح کر لیا۔ لیکن خصفہ اُن اوصاف و خصائل سے متصف نہ
 تھیں جو اُمّ عاصم کی سیرت و کردار کا خاصہ تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدالعزیز کے رشتہ دار

حفصہ نو دیکھتے تھے تو ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ جاتے تھے۔

”لہت حفصہ من رجال ام عاصم“

یعنی کاش حفصہ بھی اُمّ عاصم جیسی بلند اخلاق ہوتی..... رفتہ رفتہ یہ قول عرب میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رزقِ حلال کی برکت دیکھئے کہ اس نے کس طرح کچے مکان میں رہنے والی لڑکی کو وقت کے سب سے بڑے سربراہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہو بنا دیا۔ اُمّ عاصم رضی اللہ عنہا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی اور بنو اُمیہ کے آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب اپنی جگہ برحق تھا مگر یہ تقدیر کا فیصلہ تھا کہ اس عظیم خاتون سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوں جو عدل و انصاف، سادگی و درویشی، انسانیت نوازی، لطف و کرم اور خواص و عوام سے یکساں سلوک کی بناء پر ”عمر مانی“ کہلا سکیں۔ اور ان کے زمانہ خلافت میں وہ دور پھر لوٹ آئے کہ رنج و آلام کے ستارے ہوئے انسانوں اور عدل و انصاف سے محروم افراد کے دلوں میں عدل و فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو سکے۔



حضرت اسماء علیہا السلام

(شمسِ اسلام حضرت عبداللہ بن زہر علیہ السلام کی سولی پر لٹکی ہوئی لاش دیکھ کر اُن کی عظیم
مجاہدہ مادرِ محترم حضرت اسماء علیہا السلام کا تاریخ ساز ردِ عمل)

مسد آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زہرؓ سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا ہے جنگ جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زہرؓ فوجِ بے دین نے کیا کعبہ ملت کا حصار
دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودہ گرد بارشِ سنگ سے اُٹھتا تھا جو اڑاڑ کے غبار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زہرؓ آخر کار
جا کے عرض کی اے اختِ حرمِ نبویؐ نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار
صلح کر لوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر یا بھیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولیں وہ پردہ نشینِ حرم سبزِ عفاف حق پہ گرتے ہیں تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمین ہے وہی قرباں گہ اسماعیلی فدِیے نفس ہے خود دینِ خلیل کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باداب و نیاز آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی اُٹ دیں فوجیں جس طرف جات تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار
متجنبیتوں سے برستے تھے جو پھر پیچم ایک پھر نے کیا آ کے سرو زرخ کو فگار
خونِ پٹکا جو قدم پہ تو کہا از روِ فخر یہ اداوہ ہے کہ ہم ہاشموں کا ہے شعار
زخم کھاکھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دین لیکن اُن کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے اک دن جو ادھر جائیں دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب

اپنے مرکب سے اُترتا نہیں اب بھی یہ سوار (شبلی نعمانی)



حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا شمار ان خواتین اسلام میں ہوتا ہے جن کے لازوال کارناموں اور جرأت و عزیمت سے یزید ہستی جگمگا رہی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا انکی سوتیلی بہن تھیں جو ان سے چھوٹی تھیں۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کا ارادہ فرمایا تو رات کے اندھیرے میں گھر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں مشکل وقت آیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غار ثور میں مقیم ہو گئے۔ ان مشکل ترین حالات میں جو رفقاء حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پوشیدہ مدد فرما رہے تھے ان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ روزانہ رات کو کھانا لے کر ان کے پاس آتیں اور کھانا کھلا کر چلی جاتیں۔ یہ جان جو کھوں کا کام تھا جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا انجام دے رہی تھیں، کیونکہ کفار نے حضور نبی کریم ﷺ کو پکڑوانے کیلئے پیش قیمتی انعامات کا اعلان کر رکھا تھا۔ حضرت اسماء کے بھائی عبداللہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے دن بھر کافروں کے مشورے، آراء، اعلانات اور صلاح کاریاں سنتے رہتے اور رات کو غار میں پہنچ کر تمام خبریں رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا چہ واکھا عام رات کو بکریاں غار ثور کے منہ پر لے آتا اور انہیں بقدر ضرورت دودھ دے کر چلا جاتا۔ اس طرح حضرت اسماء عبداللہ عامر اور بکریوں کے نشانات آپس میں اس طرح مل جاتے کہ کوئی سراغ نہ لگا سکتا۔

حضرت اسماء ہجرت نبوی سے ستائیس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ جیسے پاک باز نیک سیرت اور بلند اخلاق انسان کی محبت میں ہل کر جو ان ہوئیں تو پاکیزگی اور اعلیٰ سیرت ان کے خصوصی اوصاف تھے۔ آپ اس وقت ایمان لائیں جب صرف سترہ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس طرح ”الساہقون الاولون“ میں ان کا مقام اٹھارواں ہے۔ ان کا نکاح حواری رسول حضرت زبیر ؓ بن العوام سے ہوا جو اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت زبیر سرکارِ دو عالم ﷺ کے چھوٹے زاد بھائی اور حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

جب حضور ﷺ سفرِ ہجرت کو روانہ ہوئے تو حضرت علی ؓ کو اپنے بستر پر سٹایا اور حضرت صدیق اکبر ؓ اور اسماء ؓ سے مل کر اپنا سامان سفر درست فرمایا۔ حضرت اسماء ؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ اُسے ایک تھیلے میں ڈالا اور ایک مشکیزے میں پانی ڈالا۔ اِتِّخَاق سے تھیلے اور مشکیزے کا منہ باندھنے کیلئے گھر میں کوئی رسی موجود نہ تھی اور وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ حضرت اسماء ؓ نے فوراً اپنا کمر بند (نطاق) کھول کر اس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھا اور دوسرے سے مشکیزے کا۔ رحمتِ عالم ﷺ حضرت اسماء ؓ کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور انہیں ”ذات البِطَافِ“ کا لقب عطا فرمایا۔

بعض روایتوں میں اس واقعہ کو ایک دوسری صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ شبِ ہجرت میں حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی معیت میں تکتے سے نکل کر غارِ ثور میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرت اسماء ؓ اس راز سے آگاہ تھیں وہ روزانہ رات کو اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف لے جاتیں۔ حضور ﷺ اور اپنے والد ماجد ؓ کو تازہ کھانا کھلا کر واپس آتیں۔

تیسری رات کے آخری حصے میں عبداللہ بن اُرقط جسے راہنمائی کیلئے مقرر کیا



کیا تھا حسب ہدایت دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر پہنچ گیا۔ اسی وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی ایک تھیلے میں کھانا ڈال کر آ پہنچیں۔ جلدی میں گھر سے چلتے وقت اس کو باندھنے کیلئے کوئی چیز ساتھ لانے کا خیال نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا نطاق (وہ رومال یا کپڑا جو اس زمانے میں عورتیں قمیص کے اوپر کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اُسے پھاڑا۔ ایک حصے سے زادِ راہ کے تھیلے کا منہ باندھ کر ایک اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر پر لپیٹ لیا اسی لئے انہیں ”ذات النطاقین“ کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کیلئے اور کوئی چیز نہ ملی تو میرے والد نے مجھے اپنا نطاق پھاڑنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے میرا نام ”ذات النطاقین“ رکھا گیا۔

بعض روایتوں میں ان کا لقب ”ذات النطاق“ بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری (باب البحرۃ) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے نطاق کا ایک ٹکڑا پھاڑا اور اس کو تھیلی کے منہ پر لپیٹا اسی لئے ان کا نام ”ذات النطاق“ پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ماں ذات النطاق ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ”ذات النطاقین“ بھی کہتے تھے اور ”ذات النطاق“ بھی۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو کئے بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ اور متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن ارقط کو اپنے صاحبزادے عبداللہ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی والدہ (اُمّ رومان) اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ

حضرت زید ؓ اور حضرت ابو رافع ؓ 'اُمّ المؤمنین حضرت سودہ ؓ حضرت فاطمہ الزہراء ؓ حضرت اُمّ کلثوم ؓ حضرت اُمّ ایمن ؓ (زوجہ حضرت زید ؓ) اور حضرت اُسامہ ؓ بن زید ؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر ؓ حضرت اُمّ رومان ؓ حضرت اسماء ؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء ؓ نے چند دن بعد اپنے شوہر حضرت زبیر بن العوام ؓ اور خوشداس حضرت صفیہ ؓ بنت عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی اور قباہ میں قیام کیا لیکن جمہور ارباب سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

گج بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حضرت زبیر ؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ حضور ﷺ کے سفر ہجرت کے دوران میں وہ شام سے پلٹ رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے تحفہ پیش کئے اور آپ بھی کپڑے زیب تن فرما کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ مکہ واپس پہنچ کر حضرت زبیر ؓ نے بھی ہجرت کی تیاری کی اور اپنی والدہ حضرت صفیہ ؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قباہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں حضرت اسماء ؓ کو بھی (خاص مدینہ منورہ شہر سے) بلا لیا۔

ہجرت کے بعد اتفاق سے عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اس پر یہود مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ اہل میں حضرت اسماء ؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ



بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نو مولودِ اول تھے۔ مسلمانوں کو حضرت عبداللہ کی ولادت پر بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے دجل و تلحیس کا پردہ چاک ہو گیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بچے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) کو گود میں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا ایک کھجور اپنے دہنِ مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے بچے کیلئے دعائے خیر و برکت مانگی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے انہی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت ”اُمّ عبداللہ“ رکھی تھی۔

مدینہ منورہ (قباء) میں اقامت گزین ہونے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پہلے چند سال بڑی تنگی ترشی سے بسر کئے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت مفلس اور تنگ دست تھے اور ان کی ساری متاع لے دے کر ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں نخلستانِ بنی نضیر میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ شروع شروع میں وہ اس میں کاشت کر کے اپنی معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ یہ زمین مدینہ منورہ سے تین فرسخ دور تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روزانہ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں، انہیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں، گھوڑے کیلئے گھاس مہیا کرتیں، پانی بھرتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو پھینکتیں۔ ان کاموں کے علاوہ گھر کا دوسرا سب کام بھی خود ہی انجام دیتی تھیں، روٹی اچھی طرح نہیں پکاتی تھیں اس سلسلہ میں مدینہ کی عورتیں بھی ان کی امداد کرتیں اور ان کے محنت کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ملن مبارک سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پانچ صاحبزادے عبداللہ، عروہ، منذر، عامر، مہاجر اور تنیس صاحبزادیاں خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ پیدا ہوئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نہایت متواضع اور منکسر الخواج تھیں۔ محنت و مشقت میں آپ کو کوئی عار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بے بھامتی، تنگ دستی، اپنے اہم فرائض، حانداری کی انجام دہی اور ذمہ داریوں کی داستان اس طرح بیان کرتی ہیں: جب میری شادی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس وقت اُن کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی غلام نہ بے حد تنگ دست تھے۔ ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا اور میں ہی اُن کی خیرد کھیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قطعہ نخلستان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا جو یہ نہ سے تن فرخ کے قاصد پر تھا۔ وہاں سے روزانہ کجور کی گھٹلیاں جمع کر کے اپنے سر پر اٹھا کر گھر تک لاتی تھی اور پھر خود ہی دلتی اور گھوڑے کو لکھلاتی، پانی بھرتی، ڈول کھینچتی اور گھر کا حکام ہوتا وہ بھی میں ہی انجام دیتی، چونکہ مجھے روٹی پکانی اچھی نہیں آتی تھی اس لئے میں صرف آٹا گوندہ کر رکھ دیتی تھی، میرے گھر کے قریب انصار کی بیویاں رہتی تھیں وہ میری روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں۔ ایک روز میں حسب معمول نخلستان سے کجور کی گھٹلیاں اپنے سر پر لا رہی تھی کہ راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی ہم رکابی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تا کہ میں سوار ہو جاؤں لیکن میری شرم و حیا نے اجازت نہ دی۔ جب آپ کو خیال ہوا کہ شرم کی وجہ سے نہیں بیٹھی تو آپ تشریف لے گئے۔ میں اپنے گھر آئی اور یہ قصہ اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: خدا جانتا ہے تمہارا سر پر گھٹلیاں لا دنا میرے لئے اُن کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ سخت ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے



بعد مجھے ایک خدمت گار مل گیا جس کی بدولت گھوڑے کی خدمت سے مجھ کو نجات مل گئی اور مصیبتوں سے ایک حد تک چھٹکارا نصیب ہو گیا۔

جب کبھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دروِ سر کا دورہ ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ سے پکڑ کر کہتیں: خدایا! اگرچہ میں بہت گنہگار ہوں لیکن تیری شانِ غفاری بڑی ہے۔ ایک دفعہ اُن کی گردن ورم کر آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے سلا دیا اور فرمایا: خدا تمہاری اس تکلیف کو دور کرے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کم مائیگی اور تنگ دستی کی وجہ سے اُمورِ خانہ داری میں بہت احتیاط سے کام لیتی تھیں اور ہر چیز کو بقدرِ ضرورت ٹاپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا کہ ٹاپ تول کرنے خرچ کیا کرو ورنہ خدا تعالیٰ بھی اتنا ہی دے گا چنانچہ انہوں نے یہ عادت چھوڑ دی۔

چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ایک راسخ الاعتقاد مسلمان خاتون تھیں اس لئے مشرکین کی سخت دشمن تھیں۔ ایک مرتبہ اُن کی والدہ کچھ تحفے تحائف لے کر دیکھنے کو آئیں چونکہ وہ اس وقت مشرک تھیں اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اُن کے تحفے قبول نہیں کئے اور نہ اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھلا بھیجا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیجئے کہ میں اس موقع پر کیا کروں اور آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحفے قبول کر لو اور اُن کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔ خدا تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے جیسا کہ کلام اللہ کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

”جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تعالیٰ تم کو نہیں روکتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے

بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے مخالفوں کی مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو سمجھا جائے گا کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں)۔

اس کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تحفے قبول کئے اور والدہ کو اپنے مکان میں قیام کرنے کی اجازت دی۔

باوجودیکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بعد کو جاہ و ثروت اور دولت سے مالا مال ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے اسلام کی سادگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہ ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتیں خشک روٹی سے شکم بڑی کرتیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ان کی سادگی کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کے بیٹے حضرت منذر جب عراق کی لڑائی فتح کر کے واپس آئے تو کچھ دنوں کے پڑے خوبصورت باریک محفش بھی ساتھ لیتے آئے۔ جب اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ کپڑے پیش کئے (ان کی والدہ کی بصارت چھ دنہ سال کی وجہ سے رخصت ہو چکی تھی) اس لئے انہوں نے ہاتھ سے ٹٹول کر اس کی خوبیاں معلوم کیں بہت خفا ہوئیں اور لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت منذر پھر موٹے کپڑے لائے تو اس کو قبول کیا خوش ہوئیں اور کہا ”بیٹے! مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو“۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی میں کئی حج کئے۔ صحیحین میں ہے کہ انہوں نے پہلا حج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اور اس کی ذرا ذرا تفصیل ان کو یاد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک دفعہ حج کیلئے گئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ چاند ڈوبنے کے بعد رمی کیلئے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام نے جو ساتھ تھا کہا: آپ نے بڑی جلدی کی ہے۔ فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب حجوں سے گزرتیں تو فرماتیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے



میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور زبیر رضی اللہ عنہما نے عمرہ کیا تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بہت نڈر اور شجاع تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ اپنے شوہر اور فرزند کے ساتھ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئیں اور کئی دوسری خواتین کی طرح یرموک کی ہولناک لڑائی میں جنگی خدمات انجام دیں۔

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں مدینہ منورہ میں بہت بد امنی پھیل گئی اور کثرت سے چوریاں ہونے لگیں۔ اس زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا: آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو جواب دیا کہ اگر کوئی چور یا ڈاکو میرے گھر آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مجتہم پیکرِ اخلاق تھیں۔ ان میں اخلاق و نیک نیتی کا مادہ فطرتاً و دلیعت ہوا تھا۔ انسانوں کی ہمدردی کی طرف بہت مائل تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کو بہت طویل دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں اور تھک کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں تو ان کے پاس دو عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ان میں ایک موٹی دوسری دہلی اور کمزور تھی ان دونوں کا کھڑا رہنا باعثِ تسلی ہوا، اپنے خیال کو بدلا اور کہا مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے۔ چنانچہ وہ نماز ختم ہونے تک برابر کھڑی رہیں۔ چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی بہت استقلال سے کام لیا لیکن ضبط نہ کر سکیں غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔

لوگ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بہت معتقد تھے اور بڑی عقیدت مندی سے ملتے تھے۔ ان کے تقدس و عظمت کا عام شہرہ تھا۔ ہر شخص دعائے خیر کا طالب رہتا تھا، لوگ

معصیت کے وقت خصوصیت سے دعا کرا رہے تھے۔ کبھی کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور وہ دعا کرانے کیلئے آتی تو آپ اس کے سینہ پر پانی چھڑک دیتیں اور کہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گری ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا یعنی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔ مورخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی۔ ایک دن کسی بات پر غصہ میں آ گئے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو زد و کوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے حضرت فرزند عبد اللہ رضی اللہ عنہ اتفاق سے گھر میں موجود تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں آگے بڑھے اور اٹکا باز و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے درمیان ہمیشہ کیلئے علیحدگی ہو گئی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مستقل طور پر فرزند اکبر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے لگیں۔ وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمت گزار تھے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے علیحدگی کے بعد وہ انہیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی مدح و توصیف کیا کرتی تھیں۔



آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی سے شکم بڑی کرتیں اور موٹا چھوٹا کپڑا پہنتیں البتہ اپنی دولت کو خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتی تھیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کیلئے ہوتا ہے۔ اگر تم بخل کرو گے تو اللہ بھی تمہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا ہاں جو صدقہ کرو گے اور راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا کہ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے زیادہ سخی اور کریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو کچھ پاتی تھیں اسی وقت تقسیم کر دیتی تھیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جہہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں تھا جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ جہہ مبارک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زمرہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جہہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں اسکی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو کبھی درد سر ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں:

”اللہ! اگرچہ میں بہت خطا کار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے“

اللہ تعالیٰ انہیں آرام دے دیتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب بنی شمر کو پہنچے اور ۶۶ھ میں عراق عرب کے خلیفہ ہوئے تو یہ وہ وقت تھا جب سلطنت بنو امیہ کا فرمانروا (یزید) اسلام میں فسق و فجور پھیلانے پر نکلا ہوا تھا اور فتنہ و فساد ہر جگہ رونما ہو رہا تھا۔ صد ہا لوگ اُس گم کردہ راہ کی بیعت قبول کر رہے تھے لیکن آپ نے اُس کی بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ کو اپنا ماویٰ و بجا بنا کر وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی۔ چونکہ ہر شخص آپ کی عظمت و شوکت، جلالت، حق گوئی اور سلامت روی کا معترف تھا۔ اس لئے سب نے آپ کی دعوتِ خلافت پر لبیک کہی اور جوق در جوق حلقہ بگوشِ ارادت ہونے لگے۔ بعد میں جب عبدالملک بن مروان نے حنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو عبدالملک بن مروان کے وزیر حجاج نے آپ سے مقابلہ کا ارادہ کیا اور یکم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکہ کا محاصرہ کر لیا اور رسد بند کر دی۔ چھ مہینہ تک براہِ لڑائی جاری رہی لیکن جب حضرت عبداللہ کے معین و مددگار محاصرہ کی سنگیوں سے بھاگ نکلے اور تھوڑے آدمی رہ گئے تو آپ اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور عرض کیا: یا انی! وقاداریوں کی بے وفائی اور باقی ماندگان کی بے مبری سے میں پریشان ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں کہ اگر آپ کی رائے ہو تو اطاعت قبول کر لوں کیونکہ اس صورت میں ممکن ہے کہ حجاج اور اُس کے ہمراہیوں سے جو کچھ چاہوں وہی ہو جائے (چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بہت دلیہ رازخ الاعتقاد اور جان نثار اسلام و فدائے ملت تھیں) آپ نے جواب دیا: اے فرزند! تم اپنی مصلحت خوب سمجھ سکتے ہو۔

حجاج نے محاصرے میں ایسی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت و حرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبلِ بقیع پر منجبتیں نصب کر کے مکہ معظمہ پر گولہ باری کرنے لگا۔ گولے خانہ کعبہ سے بھی ٹکراتے



رہے۔ حجاج بن یوسف کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اسے بیرونی کمک بھی حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گنتی کے چند مجاہد رہ گئے اور والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

”اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر زتبہ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو اور اگر یہ تمہارا کھکھیر دنیا طلبی کیلئے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔“

ایک اور روایت میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

”بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔“

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ”اماں جان! میں حق و صداقت کیلئے لڑا اور حق و صداقت کیلئے ساتھیوں کو لڑایا۔ اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بیوفائی کے سبب دشمنوں سے ڈب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔“

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا، صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا شلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے جس سے آپ کو رنج ہوگا۔“
حضرت صدیق اکبر ؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

”بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کئے جائیں اُسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جاؤ، راقی میں لوگوں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے، موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا۔“

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزاء کلمات سن کر حضرت ابن زبیر ؓ پر برکت طاری ہو گئی اور فرط محبت و عقیدت سے انہوں نے اپنی والدہ کا سر خچم لیا۔ پھر عرض کیا:

”اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راقی میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھاتا کہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی بردخا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا، مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ صبر و شکر سے کام لیں گی۔“

حضرت اسماء ؓ نے فرمایا: اے فرزند! مجھے اُمید ہے کہ میرا صبر تیرے حق میں ایک عظیم العظیر صبر ہوگا، اگر تو میرے سامنے ہلاک ہوا تو میرے اجر کا باعث ہوگا اور اگر تو غالب و فتح یاب ہوا تو میرے لئے وجہ مسرت و شکر گزاری۔ اب بسم اللہ آگے بڑھو اور مال کا ردیکھو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ؓ نے اپنی والدہ ماجدہ سے دعائے خیر کی التجاء کی اور زرہ پہن کر ماں کو آخری صورت دکھانے آئے۔ حضرت اسماء ؓ (آپ کی نظر کمزور ہو گئی تھی) جب رخصت کرنے کیلئے حضرت عبداللہ ؓ کو گلے



لگانے لگیں تو ہاتھ میں زرہ محسوس ہوئی، بولیں ”عبداللہ! جو لوگ شہادت کے مشتاق ہوتے ہیں وہ زرہ و جوش بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔“ حضرت عبداللہ ؓ نے کہا ”میں نے آپ کے اطمینان کیلئے یہی ہے۔“ فرمایا ”مجھے زرہ سے اطمینان نہ ہوگا، دامن کمر سے باندھو اور حملہ کرو۔“ حضرت عبداللہ ؓ نے ایسا ہی کیا اور رجز یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور آخر کار شہید ہوئے۔

شہادت کے بعد حجاج نے حضرت عبداللہ ؓ کی نعش جو ن پر لٹکا دی۔ تین دن گزرنے کے بعد حضرت اسماء ؓ اپنی کنیر کے ساتھ آئیں تو دیکھا کہ لاش الٹی لگی ہوئی ہے۔ یہ دردناک نظارہ دیکھا اور نہایت صبر و استقلال سے کام لے کر فرمایا ”کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار اسلام و فدائے ملت گھوڑے پر سے اترے؟“

راست گوئی حضرت اسماء ؓ کا خاص شعار تھا، چنانچہ حجاج بن یوسف ایسے ظالم و جفا کار کے سامنے بھی آپ نے راست گوئی کو ترک نہیں کیا اور نہایت دندان شکن جواب دیئے۔ جب حضرت عبداللہ ؓ کی شہادت کے بعد حجاج حضرت اسماء ؓ کے پاس آیا اور کہا ”تمہارے لڑکے عبداللہ نے خدا کے گھر میں بے دینی الحاد پھیلایا تھا“ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک شدید عذاب نازل کیا۔“ تو حضرت اسماء ؓ نے جواب دیا ”تو جھوٹا ہے، میرا لڑکا ملحد نہ تھا، بڑا صائم، شب بیدار، پرہیزگار، عبادت گزار اور ماں باپ کا فرمانبردار لڑکا تھا، مگر میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے کہ قبیلہ ثقیف سے دو آدمی پیدا ہوں گے جن میں سے پہلا دوسرے سے بدتر ہوگا، سوا ایک کذاب (معتز ثقفی) کو تو میں دیکھ چکی اور دوسرا ظالم جس کو میں اب دیکھ رہی ہوں، تو ہے حجاج آپ کے اس تلخ جواب سے جل گیا اور بیچ تاب کھا کر خاموش رہا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ابن زبیر ؓ

کی لاش کو مقامِ حق پر سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حجاج بن یوسف کو لعن طعن کی تو وہ بولا کہ میں لوگوں کو عبرت دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر کہا: لاش مجھے دے دے مگر حجاج نے انکار کر دیا۔ اس دوران میں حضرت عبداللہ بن عمر کا دھڑلے سے گزروا تو انہوں نے کہا:

”یا ایہ نصیب اثم پر اسلام ملے۔ تم روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے خُدا سے ڈرتے تھے اور تقویٰ میں بہت ساریوں سے آگے تھے۔ کاش اس کا ریاست میں نہ آئے ہوتے“

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا اپنے شیر دل بیٹے کی شہادت کے تیسرے بیٹے کی شہادت کا دکھ ایک کثیر کے سہارے آئیں تو اپنی آنکھوں کے پوئے نو پراٹھا کر سُولی پر اُلٹے لٹکے ہوئے شجاع ابن شجاع فرزندِ شہید کو دیکھا تو فرمایا:

”کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوارِ حرم گھوڑے سے اترے۔“

اس کے بعد حجاج کو اپنے فضل پر بہت شرم دلائی جس پر اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش اُن کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کو معلوم ہوا کہ حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اُن کی لاش کو حق پر لٹکا دیا ہے تو اس نے حجاج کو ایک سخت خط لکھا اور حکم دیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش فوراً اُن کی والدہ کے حوالے کر دی جائے۔ چنانچہ شہادت کے چند دن بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش اُگی والدہ کو مل گئی۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء بنتِ حضرت صدیق اکبر (والدہ عبداللہ بن زبیر) نے اپنے سعادت مند شہید بیٹے کی کئی پٹری لاش کو نہایت صبر کے ساتھ جنازہ کے بعد سپردِ خاک کر دیا۔

آپ کے پانچ بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ اُن سے چھپن احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر عباد و عامر پسرانِ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عروہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن کيسان رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ بنتِ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہا، حضرت محمد بن سکدر، حضرت امین ابی ملیکہ، حضرت وہب بن کيسان رضی اللہ عنہ، حضرت مطلب بن حطب رضی اللہ عنہ، حضرت ابی نوفل امین ابو عقرب رضی اللہ عنہ، حضرت مسلم معری رضی اللہ عنہ، حضرت صفیہ بنتِ شیبہ اور حضرت عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہیں

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خدائے لایزال کی بارگاہ میں دُعا مانگا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نعش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی حیاتِ مُستعار کے سو سال پورے کر کے جمادی الاول ۷۳ھ میں بمقام مکہ معظمہ انتقال کیا۔

اُدھر شوہر کی وفات اور اُدھر سخت جگر ٹوڑ نظر حضرت عبداللہ کی شہادت یہ دونوں واقعے قیامت سے کم نہ تھے لیکن مرجبا کہ باوجود ان سخت واقعات کے جس عزم و استقلال اور صبر و شکر سے کام لیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے دانت سلامت تھے۔ ہوش و حواس بالکل دُرست تھے، قد دراز اور فربہ تھا۔ حجاج سے کبھی بھی عاجزانہ گفتگو نہیں کی بلکہ اس سے جب بھی خطاب کیا وہ شہنشاہِ موزوں جواب ہی نہ دے سکا۔ آخر وہ اس شیر دل اور حوصلہ مند خاتون کو کیا جواب

حکایتِ شہداء میں
 دے سکتا تھا جس نے میدانِ شہادت میں جانے والے اپنے بیٹے کے جسم سے ذرہ اس
 لئے اتروالی تھی کہ شہید کو دشمنوں سے کیا ڈر؟ اور شہادت کے بعد جو کچھ ہوتا اُس سے کیا
 خطرہ؟ وہ تو شہید ہوتا ہے۔

بعض روایوں میں ہے کہ آخر وقت میں آپ کی بیٹائی ذاکل ہو گئی تھی۔ اور
 آپ بیٹے کی لاش کو ٹٹول ٹٹول کر اُس کے جسم کی صورتِ حال کو محسوس کر رہی تھیں یا پوچھ
 پوچھ کر اندازہ لگا رہی تھیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بیٹائی بہت کمزور ہو گئی تھی اور آپ
 آنکھوں کے پچھلے ہاتھوں سے اُوپر اٹھا کر مشکل سے دیکھا کرتی تھیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی نچی اور فیاض تھیں۔
 اس وقت بھی جب مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد اُن کا ہاتھ ٹگ تھا اور اس وقت بھی جب
 خدا نے درو مال سے خوب نوازا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام (آپ کے شوہر) کی
 طبیعت دراخت تھی مگر آپ ان کا خیال بھی رکھیں اور سعادت میں کمی بھی نہ آنے دیتیں۔
 حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ترکے میں ایک جائیداد
 پائی تھی۔ اُس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسم بن محمد اور
 ابن ابی قحیف رضی اللہ عنہ کو (جوان کے قرابت دار تھے) دے دی کیونکہ وہ حاجت مند تھے۔
 (یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کا ہے)

باوجود کشادہ دہی اور فیاضی کے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے گمبار کی
 حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی غیر
 حاضری میں ایک سوداگر آیا اور اُن کے دروازے پر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی
 دیوار کے سایہ میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجئے۔ بولیں

”اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر انکار کر دیں تو بڑی مشکل بن جائے گی“

تم زبیر کی موجودگی میں آکر اجازت طلب کرنا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر درخواست کی:

”اُمّ عبد اللہ میں مسکین آدمی ہوں، آپ کی دیوار کے سائے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، اجازت مرحمت فرمائیں۔“

یولیں ”میرے گھر کے سوا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟“
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اُسے فوراً اجازت دے دی کیونکہ اُن کا دلی منشاء بھی یہی تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا دستِ سخاوت بے حد کشادہ تھا لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:
”یا رسول اللہ! کیا میں شوہر کے مال سے اُن کی اجازت کے بغیر قیموں مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں دے سکتی ہو“

ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشادِ نبوی کی تعمیل کی۔ صحابیات نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لوٹھی تھی، انہوں نے اُسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر بیٹھ گئیں۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے وہ روپیہ مانگا

انہوں نے فرمایا "میں نے صدقہ کر دیا ہے"

حضرت زہیر ؓ خاموش ہو گئے کیونکہ اللہ اور رسول کی خوشنودی کے وہ بھی

طالب تھے۔

سیدہ اسماء ؓ بہت صدیقی اکبر ہر لحاظ سے ایک کامل خاتون تھیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے دوران میں ان کا کردار بذات خود قابلِ فخر ہے۔ سخاوت، صلہ رحمی، محبت و شفقت، غریب پروری، فخراء کی امداد، غلاموں کو آزاد کرنا، مسکینوں کے کام آنا، دوسرے کے دکھ درد کو بانٹنا ان کا خصوصی عمل تھا۔ اس لئے اصحاب تاریخ نے آپ کے حالات میں تفصیلات کے ساتھ بہت کچھ لکھا ہے۔ خاص طور سے آپ کے شیر دل فرزند حضرت عبداللہ بن زہیر ؓ کی شہادت اور آپ کا صبر و استقامت تاریخ کا حصہ ہیں کہ کوئی ماں اس قدر بھی دلیر ہو سکتی ہے اس شان سے بھی اپنے بیٹے کو سزا شہادت پر روانہ کر سکتی۔ پھر آپ کا حجاج بن یوسف جیسے ظالم، سفاک اور شقی القلب گورنر کو اس ایمانی جلال کے ساتھ بار بار لٹکانا ہمیشہ اہل شوق کو نیا حوصلہ عطا کرتا رہے گا۔

سیدہ اسماءؓ تو تسلیم و رضا کا نور تھی
 تیری ذاتِ پاک تو مثل چراغِ نور تھی
 حوصلہ مندی کی مظہرِ شانِ تسلیم و رضا
 بادۂ تعلیمِ اسلامی سے تو معمور تھی



حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

شوکت افکار دیں وہ پاک دل خاتون تھی
 اس کے جان و دل پہ اس خاطر تھی چھائی تازگی
 عمر اپنی کی بسر یاد خدائے پاک میں
 اس لئے ہی اس پہ خالق کی عطائے خاص تھی
 سرگروہ اولیاء تھی سرفراز زندگی
 ختم اس کی ذات پہ تھی ادائے بندگی
 ہر گھڑی ہر آن ہر لمحہ فذلے دین حق
 اس کی ہر ایک سوچ کا محور خدا کی ذات تھی
 اس کا کردار حسین تھا رہبر راہِ عمل
 اور تھی گفتار پاک اس کی پیام آگہی
 اے رضا وہ رابعہ تھی شوکت فکر و عمل
 اک پیام نور ایمانی تھی اس کی آگہی

(محمد اکرم رضا)

بے مثال عابدہ

حضرت رابعہ بھریہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بھریہ کا شمار انتہائی عبادت گزار اور عابد و زاہد خواتین میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ خدا کی اس نیک بندی نے اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے زمانے میں بڑے پائے کے اولیاء اللہ اور مشائخ تھے مگر سب آپ کو خدا شناسی اور تصوف کے لحاظ سے اپنے سے برتر مانتے تھے۔ ممتاز عظیم روحانی شخصیت حضرت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار آپ کے معاصرین میں ہوتا ہے مگر وہ بھی آپ کے اقوال کو غور سے سنتے اور آپ کے روحانی مقام و مرتبہ کا احترام کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بھریہ بھی خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنی مجالس میں آجانے پر خوشی کا اظہار کرتیں اور آپ کو بڑا اونچا مقام دیتی تھیں۔ حضرت رابعہ بھریہ کی زندگی کے شیب و فراز دیکھ کر بجا طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ عظیم خاتون اس مقام و مرتبہ تک یونہی نہیں پہنچ گئی اور اس کی اس درجہ مقبولیت میں حد درجہ عبادت و ریاضت کا دخل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خداوندِ عالم اپنے نیک بندوں میں بلا کی جاویدت اور غضب کی کشش پیدا کرتا ہے جس سے ایک زمانہ اُن کے قدموں کی جانب کھینچا چلا آتا ہے۔ یہی وہ ذاتِ حق ہیں جنہیں خدا کی ذات میں گم ہو کر جالتی ہے۔ تسلیم و رضا ان کا شیوہ اور راہِ حق میں استقامت ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔ حضرت رابعہ بھریہ رحمۃ اللہ علیہا میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد نہایت نیک نفس اور برگزیدہ شخصیت تھے۔



پیدائش وجہ تسمیہ:

ولادت کی شب آپ کے والد کے یہاں نہ تو اتنا تیل تھا جس سے ناف کی مالش کی جاتی اور نہ اتنا کپڑا تھا جس میں آپ کو لپیٹا جاسکتا۔ حتیٰ کہ بد حالی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں چراغ تک نہ تھا اور چونکہ آپ اپنی تین بہنوں کے بعد تولد ہوئیں اسی مناسبت سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ پڑوس میں سے تھوڑا سا تیل مانگ لاؤ تا کہ گھر میں روشنی ہو جائے تو آپ شدید اصرار پر ہمسایہ کے دروازے پر صرف ہاتھ رکھ کر گھر میں آگئے اور کہہ دیا کہ وہ دروازہ نہیں کھولتا، کیونکہ آپ یہ عہد کر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ طلب نہ کروں گا۔ اسی پریشانی میں نیند آگئی، تو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ

تیری یہ بچی بہت ہی مقبولیت حاصل کرے گی اور اس کی شفاعت سے میری امت کے ایک ہزار افراد بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ والئی بصرہ کے پاس ایک کاغذ پر یہ تحریر لکھ کے لے جاؤ کہ تو ہر روز ایک سو مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اور شب جمعہ میں چار سو مرتبہ لیکن آج جمعہ کی جو رات گزری ہے اس میں تو درود بھیجتا بھول گیا لہذا بطور کفارہ حامل ہذا کو چار سو دینار دے دے۔ صبح کو بیدار ہو کر آپ بہت روئے اور خط تحریر کر کے دربان کے ذریعہ والئی بصرہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے مکتوب پڑھتے ہی حکم دیا کہ حضور اکرم ﷺ کی یاد آوری کے شکرانے میں دس ہزار درہم تو فقراء میں تقسیم کر دو اور چار سو درہم اس شخص کو دے دو۔ اس کے بعد والئی بصرہ تعظیماً خود آپ سے ملاقات کرنے پہنچے اور عرض کیا کہ جب بھی آپ کو کسی

چیز کی ضرورت ہوا کرے مجھے مطلع فرمایا کریں چنانچہ انہوں نے چار سو روپے لے کر ضرورت کا تمام سامان خرید لیا۔

حضرت صاحبزادی نے جب ہوش سنبھالا تو مالک کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور قحط سالی کی وجہ سے آپ کی تینوں بخش بھی آپ سے جدا ہو کر نہ جانے کہاں مقیم ہو گئیں۔ آپ بھی ایک ست کوٹلہ دیہات ایک کالم نے پکار کر مدد کی آپ کا پی کثیر بٹایا اور کھٹوں کے بعد بہت سی گیلہ دم میں فروخت کر دیہاتوں میں لے آئے اپنے گھر لا کر بے حد مشقت آمیز کام آپ سے لئے شروع کر دیئے ایک مرتباً آپ کہیں جا رہی تھیں کہ کسی ہجرم کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے زہر سے گریں کہ ہاتھ ٹوٹ گیا اس وقت آپ نے سر بھجود ہو کر عرض کیا کہ یا اللہ میں یہ ہر عہدہ پہلے ہی جی بھاب ہاتھ بھی ٹوٹ چکا ہے اس کے باوجود میں تیری رضا چاہتی ہوں۔ چنانچہ عدائے غمی آئی کہ اسے جو ملے نہ ہو کل تجھے صر جہ حاصل ہوگا کہ تیرے ملاگہ بھی تجھ پر رشک کریں گے یہ سن کر آپ خوش خوش اپنے چٹاگ کے یہاں پہنچ گئیں آپ کا سہول ہا کھن میں مضمر کھن ہر مات بھر عبادت میں صرف کر رہی تھیں ایک شب جب آپ کے کماگ کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اس وقت ایک گوش میں آپ کو سر بھجود پلایا اور ایک سطلی لور آپ کے سر پر فرضاں دیکھا جب کہ آپ اٹھ تھلی سے عرض کر رہی تھیں کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو بہت تیری عبادت میں گزار دیتی لیکن چونکہ تو نے مجھے فیکہ کا گلوں عیاں کیا ہے لے تیری بدگاہ میں رہ کر صاف ہی جاتی ہے یہ سن کر آپ کا آقا بہت پریشان ہو گیا یہ عہدہ کر لیا کہ مجھے اپنی خدمت لینے چاہئے تاہم ان کی خدمت کرنے پر پینہ چاہیے کرتے ہی پکارتوں کے ساتھ ان کی کائنات آپ میں قیام نہ دے

تو میرے لئے باعث سعادت ہے ویسے اگر آپ کہیں اور جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ یہ سن کر آپ حجرے سے باہر نکل آئیں اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئیں۔ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتی تھیں اور گاہے گاہے حضرت حسن بصری کے وعظ میں شریک ہوتیں۔

جس وقت سفر حج پر روانہ ہوئیں تو آپ کا ذاتی گدھا بہت نحیف تھا اور جب آپ سامان لا کر روانہ ہو چکیں تو راستہ ہی میں مر گیا۔ یہ دیکھ کر اہل قافلہ نے عرض کیا کہ آپ کا سامان ہم اٹھالیں گے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے بھروسے پر سفر نہیں کیا ہے۔ یہ سن کر اہل قافلہ آپ کو وہیں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اس وقت آپ نے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ ایک نادار و عاجز کے ساتھ کیا یہی سلوک کیا جاتا ہے کہ پہلے تو اپنے گھر کی جانب مدعو کیا پھر راستے میں میرے گدھے کو مار ڈالا اور مجھ کو جنگل میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ابھی آپ کا شکوہ ختم بھی نہ ہو پایا تھا کہ گدھے میں جان آگئی اور آپ اس پر سامان لا کر عازم مکہ ہو گئیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ عرصہ دراز کے بعد میں نے اس گدھے کو مکہ معظمہ کے بازار میں فروخت ہوتے خود دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اس کی عمر طویل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حسن کعبہ سے زیادہ جمال خداوندی کے دیدار کی تمنا ہے۔

توکل اور تسلیم و رضا اولیاء کرام کا خاصہ ہوتا ہے۔ آپ کے پاس ایک دفعہ دو درویش تشریف لائے اور کھانے کے لئے کہا۔ اس وقت گھر میں صرف دو روٹیاں تھیں، آپ نے دونوں روٹیاں دسترخوان پر رکھوا دیں۔ اسی وقت دروازے پر ایک فقیر آگیا، آپ نے اس فقیر کو زیادہ مستحق سمجھا اور روٹیاں اسے دے دیں اور خود مہمانوں کے ساتھ

خدا کی طرف سے روٹیوں کا انتظام کرنے لگیں۔ مہمان درویش کے کٹاؤں کے جواب میں آپ نے فرمایا خدا کا وعدہ ایسا ہونے میں کبھی دیر نہیں لگتی اسی وقت کثیر اٹھارہ روٹیاں لے کر آئی۔ آپ نے اس سے فرمایا یہ خوان ہمارے لیے نہیں ہے اس کو واپس لے جاؤ۔ کثیر نے عرض کیا یہ خوان آپ ہی کے لئے ہے لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ جس کا ہے اسی تک پہنچاؤ۔ کثیر اصرار کرتی رہی اور مہمان درویش بھی بھڑکتے تھے کہ اس خوان کو قبول کر لینا چاہیے مگر اس ولیہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ کثیر واپس گئی اور مالک سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ مالک شرمندہ ہوئی اور کہا کہ رابعہ نے بالکل درست فرمایا ہے اور خوان میں دو روٹیوں کا اضافہ کر کے دوبارہ ان کی خدمت میں بھیجا۔ اس مرتبہ شمار کرنے پر آپ نے خوان قبول فرمایا کہ یہ واقعی ہمارے لئے ہے۔ آپ کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ خدا تعالیٰ ایک کے بدلے میں دس دینے کا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ آپ نے دو روٹیاں سائل کو دی تھیں اس لیے جب تک اللہ نے ہمیں روٹیاں نہ دیں آپ نے خوان قبول نہ فرمایا۔ اس قسم کی کامل ایمان کی دولت خدا ان کو ہی عطا کرتا ہے جو اس کے مقرب و محبوب بندے ہوتے ہیں۔

ایک روز آپ نے کئی یوم سے کچھ نہیں کھایا اور جب خادمہ کھانا تیار کرنے لگی تو گھر میں پیاز نہیں تھی۔ اس نے آپ سے پڑوس میں سے پیاز مانگ لانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ میں تو یروسوں سے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کئے ہوئے ہوں کہ تیرے سوا کبھی کسی سے کچھ طلب نہ کروں گی لہذا اگر پیاز نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں۔ ابھی آپ کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ میں چلی ہوئی پیاز لیے ہوئے آیا اور ہاڑی میں ڈال کر اڑ گیا مگر آپ نے اس کو فریب شیطان تصور



کرتے ہوئے بغیر سالن کے صرف خشک روٹی کھالی۔

ایک روز آپ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئیں اور تمام صحرائی جانور آپ کے گرد جمع ہو گئے اسی وقت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو وہ تمام جانور فرار ہو گئے۔ حضرت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت زدہ ہو کر آپ سے سوال کیا کہ یہ تمام جانور مجھے دیکھتے ہی فرار کیوں ہو گئے؟ حضرت رابعہ بھری نے پوچھا کہ آج آپ نے کیا کھایا ہے تو انہوں نے کہا کہ گوشت روٹی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جب تم ان کا گوشت کھاؤ گے تو پھر یہ تم سے کیونکر مانوس ہو سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچیں تو اس وقت وہ مکان کی چھت پر اس درجہ معروف گریہ تھے کہ اشکوں کا پرٹالا بہہ نکلا۔ حضرت رابعہ بھری نے کہا کہ اگر آپ کی یہ گریہ وزاری فریب کا رانہ ہے تو اسے بند کر دتا کہ آپ کے باطن میں ایسا بحر بیکراں موجزن ہو جائے کہ اگر اس کی پہنائیوں میں اپنے قلب کو تلاش کرنا چاہو تو نہ مل سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کر دینے میں قدرت کامل حاصل ہے۔ آپ کی یہ باتیں گو حضرت حسن بھری کے لئے بار خاطر ثابت ہوئیں لیکن آپ نے خاموشی اختیار کر لی اور ایک روز جب حضرت رابعہ بھری رحمۃ اللہ علیہا ساحل فرات پر موجود تھیں تو اچانک حضرت حسن بھری بھی وہاں پہنچ گئے اور پانی پر مصلے بچھا کر فرمایا کہ آئیے ہم دونوں نماز ادا کریں۔ لیکن حضرت رابعہ بھری نے جواب دیا کہ اگر یہ مخلوق کے دکھاوے کیلئے ہے تو بہت اچھا ہے کیونکہ دوسرے لوگ ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر رابعہ بھری نے اپنا مصلے ہوا کے دوش پر بچھا کر فرمایا کہ آؤ حسن یہاں نماز ادا کرو

ایک مرتبہ ایک ڈاکو آپ کے گھر آیا اس کا خیال تھا کہ یہاں بڑے بڑے
 ۱۰ امراء اور رؤساء آتے ہیں لہذا یہاں ضروری میرے دو جاہرات ہوں گے مگر گھر کا کونا
 ۲ کونا چھاننے کے باوجود اس کو کچھ نہ ملا۔ وہ واپس چارہا تھا کہ اس کو حضرت رابعہ بصری
 نے روکا۔ انھوں نے سوال کیا کہ کیا تم چور ہو؟ ڈاکو نے غصے میں جواب دیا کہ ہاں
 آپ نے فرمایا کہ تو یہاں سے خالی ہاتھ مت جا۔ وہ بولا یہاں کیا رکھا ہے جو میں لے
 جاؤں۔ میں تو میرے جاہرات کو لوٹنے والا ہوں اور وہ سب کچھ یہاں نہیں ہے
 آپ مسکرائیں اور فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز میرے حجرے میں ادا کرو
 یہاں سے تمہیں اتنا مال ملے گا کہ ساری زندگی نہیں ملا ہوگا۔ چور نے لالچ میں آکر
 وضو کر کے نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ ادھر حضرت رابعہ بصری نے دعا کرنا شروع کر دی
 کہ چور میرے دروازے پر آیا تھا اسے کچھ نہیں ملا میں اسے تیرے در پہ لے آئی
 ہوں۔ ادھر چور کو اتنا سرور ملا کہ اس نے دو رکعت پڑھنے کے بعد حرید دو رکعت
 پڑھیں پھر دو رکعت حرید پڑھیں حتیٰ کہ وہ ساری رات عبادت میں مشغول رہا۔ صبح
 حضرت رابعہ بصری نے دیکھا کہ وہ سر بسجود ہو کر گریہ و زاری کر رہا تھا اپنے عیوب کا
 اعتراف کر رہا تھا گناہوں پر معافی مانگ رہا ہے استغفار کر رہا ہے اور خدا کو اس کی
 گریہ و زاری اور استغفار اتنی پسند آئی کہ وہ حضرت رابعہ کے حجرے سے ولی بن کر نکلا
 ۔ یہ دیکھ کر حضرت رابعہ نے خدا سے عرض کی کہ تو نے اپنے گناہگار بندے کو معاف کر
 دیا اس کو پہچان کر اعلیٰ مقام عطا کیا اس کو قبول کیا میں بھی تیری عاجز بندی ہوں میری
 گناہیوں کو معاف فرما دے۔ خدا نے جواب دیا: رابعہ تو کیا سوچتی ہے تیری وجہ سے
 ہی تو میں نے معاف کر دیا اس کی توبہ قبول کی اور اس کو اعلیٰ مقام عطا کیا۔

آغازِ شباب میں حضرت رابعہ کے حسن و جمال کا بہت چرچا تھا مگر ظالمی سے آزادی اور شب و روز عبادتوں کے طویل سلسلہ کے بعد آپ کے چہرے پر خدا نے طہور و پاکیزگی کا ایک خوب ڈال دیا تاکہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خود بخود جھک جائیں۔ گورستان میں ایک شب کسی نوجوان نے آپ کا نورانی چہرہ دیکھا جماعت کی تاریکی میں مثل مہتاب تھا۔ وہ آپ کی شخصیت سے ناواقف تھا اور وہ آپ کو غیر مرئی مخلوق سمجھ کر وہاں سے چل دیا۔ کئی روز بعد بصرہ کے بازار میں آپ اس کو دوبارہ دکھائی دیں تو وہ فوراً آپ کے پیچھے چل دیا اور چلا چلا ان کے سروازے تک پہنچ گیا۔ گھر کا دروازہ کھلا کرے میں چراغ روشن تھا۔ اقرباء و ائیکار کے خیال سے بے نیاز ہو کر نوجوان اپنا حال دل ستانے کے لئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جب اس نے حضرت رابعہ بھری کو دکھا کے ساتھ راز و نیاز کرتے دیکھا تو نوجوان پہ سکتہ طاری ہو گیا اس کی زبان تنگ ہو گئی۔ آپ نے پلٹ کر دیکھا اور آنے کا سبب کا پوچھا لیکن اس نے اشارے سے بتایا کہ اس کی زبان کام نہیں کر رہی۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ حیرانہ بھی کام کرنا چھوڑ دے تو یہاں سے چلا جائے۔ آپ نے آنکھوں سے آنسو کی کاس کی گویائی لونا دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو میرے ساتھ کوئی دیوتی کرتا تو میں تجھے معاف کر دیتی میں خدا کی عاہدہ ہوں میرا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اگر تو معافی مانگتا ہے تو خدا سے مانگ۔ یہ کہہ کر آپ دوبارہ سجدہ میں گر گئیں۔ وہ نوجوان بھی سجدہ ریز ہو کر استغفار کرنے لگا۔ طویل گریہ و زاری کے بعد خدا نے اس کی زبان اسے وہاں لونا دی مگر اس پر تو یہی کاہنہ رہا۔ بصرہ کے بازار سالہا سال اس مہذب کے نعروں سے گونجتے رہے۔ سر دی گری میں وہ دیوانہ وار استغفار کے نعروں لگاتا اور بصرہ کا پہلا شہر اس کے شک

نہروں سے کوئی افکار اخراج نہ ہوگا۔ خالصتاً ہیرو کی صورت میں ہی وہ دنیا کی خدمت کرے گا۔
 کیا پھر اس کا کوئی پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔
 یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔
 یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔
 یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔ یہ پتہ نہ ہوگا۔

حضرت حسن بھریؒ کی مجلسوں میں لڑنے کے کمال میں تھے ان کے دھڑ اور زور
 بیان کی بہت شہرت تھی۔ پڑھنے والوں کی تعداد میں روز بروز لوگ آپ کی
 تقریر سننے آتے تھے لیکن جب تک حضرت صاحب فرمایا نہ تھے وہ شروع نہ کرتے۔
 ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ انہوں لوگوں پر ایک بوجھ کو ترجیح دیتے ہیں؟
 آپ نے فرمایا کہ باقی وہی کے ہاتھ میں کیسے ہاں سکا ہے۔ حضرت صاحب بھری اور
 حضرت حسن بھریؒ ملت بھر جاگ کر حقیقت اور معرفت پر گفتگو کرتے۔ حضرت حسن
 بھریؒ فرماتے ہیں کہ ہم مردودن کے خیال سے ہلاتر ہو کر معرفت کے اسرار پر گفتگو
 کرتے ہیں لیکن سچ کے وقت میں خود کو پہلے سے زبان مطلق اور صاحب کو پہلے سے زیادہ
 غلبہ پاتا ہوں۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی شریں چالی تو اس قابل ہے
 کہ آپ کو مسافر خانہ کا گمران مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا: میں تو خود ہی مسافر خانہ کی
 محافظ ہوں کیونکہ جو میرے اہل خانہ ہیں وہی ہیں اور جو باہر ہے اسے
 اہل خانہ کی اجازت نہیں دیتی اس لئے مجھے کسی کی آمد و رفت سے کوئی سروکار نہیں
 کیونکہ قلب کی نگہبان ہوں جسے خاکی کی نہیں۔ ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ

آپ ابلیس کو نفیم تصور کرتی ہے؟ فرمایا میں تو رخن کی دوستی میں مشغولیت کی وجہ سے ابلیس کی معاندت کا تصور ہی نہیں کرتی۔

لوگوں کے اس سوال پر کہ محبت کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محبت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی کیونکہ ہم عالم میں کسی نے اس کا ایک گھونٹ تک نہیں چکھا جس کے نتیجہ میں محبت صرف اللہ تعالیٰ میں ضم ہو کر رہ گئی اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ جس کی عبادت کرتی ہیں کیا وہ آپ کو نظر بھی آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر نظر نہ آتا تو عبادت کیوں کرتی۔

آپ ہمہ وقت گریہ و زاری کرتی رہتی تھیں جب کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے فراق سے خوف زدہ ہوں جس کو محفوظ تصور کرتی ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت نزع پیدا آ جائے کہ تو لائق ہمارا گاہ نہیں ہے۔

لوگوں نے جب آپ سے سوال کیا کہ خدا بندے سے کس وقت خوش ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب بندہ محنت پر اس طرح شکر کرتا ہے جس طرح نعمت پر۔ لوگوں نے سوال کیا کہ کیا ماحی کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ اس وقت تک توبہ توبہ ہی نہیں کر سکتا جب تک خدا توفیق نہ دے اور جب توفیق حاصل ہوگی تو پھر قبولیت میں بھی کوئی شک نہیں رہا۔ پھر فرمایا کہ جب تک قلب بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک کسی بھی عضو سے خدا کی راہ نہیں ملتی اور بیداری قلب کے بعد اعضاء کی حاجت ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ قلب بیدار وہی ہے جو حق کے اندر اس طرح ضم ہو جائے کہ پھر اعضاء کی حاجت ہی باقی نہ رہے اور یہی فانی اللہ کی منزل ہے۔

حضرت حسن بھری اپنے چہرہ کا کھانکھانہ کے غرض حضرت رابعہ بھری کے ہاں
 پہنچے لیکن اس وقت میں کہ ہاں روشنی کا انتظام نہیں تھا اور حضرت حسن بھری کو روشنی کی
 ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضرت رابعہ نے اپنی انگلیوں پر کچھ دم کیا اور وہ اسکی روشن
 ہو گئیں کہ مکان جھل نور میں گیا اور وہ روشنی کا سر قائم رہی۔ لیکن اگر کوئی معترض یہ کہے
 کہ یہ جھج بھیناز قیاس ہے تو اس کا جواب یہ کہ حضرت صدق دل سے رسول اکرم ﷺ کی
 اطاعت کرتا ہے اس کو آپ کے گھرے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے فرق
 صرف اتنا ہے کہ غرقِ عبادت شے کا اظہار انبیاء کے حق میں مجرہ کھلاتا ہے اور ولی کیلئے
 کرامت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ کرامت صرف اجراعِ نبوت ہی سے حاصل ہوتی
 ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا پیر شاد ہے کہ مدیائے صادقہ نبوت کے چالیس حصوں
 میں سے ایک حصہ ہے۔

حضرت رابعہ بھری نے ایک مرتبہ حضرت حسن بھری کے لئے بطور ہدیہ
 سوہا سوئی ماور ہال مردانہ کیے اور یہ پیغام بھیجا کہ موسم کی طرح خود کو پگھلا کر روشنی فراہم
 کر دو اور سوئی کی طرح برہمہ کر گھولنے کے کام آؤ اور جب تم ان دلوں چیزوں کی
 تکمیل کرو گے تو تمہاں کی طرح ہو جاؤ گے اور کبھی تمہارا کوئی کام خراب نہیں ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بھری نے آپ سے سوال کیا کہ کیا تمہیں نکاح کی
 خواہش نہیں ہوتی؟ آپ نے جواب دیا کہ نکاح کا تعلق تو جسم و وجود سے ہے اور جس
 کا وجود ہی ہائی نہ ہا ہو تو اسے شادی کی حاجت نہیں رہتی۔

حضرت رابعہ بھری نے تمام عمر شادی کے بغیر گزاری وہ بھی دیگر اہل اللہ کی
 طرح اپنی زندگی عبادت و ریاضت میں گزارنے کی عادی تھیں۔ از دوامی رشتے



عبادت میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں اور وہ لمحہ بھر کے لئے بھی خدا سے دوری پسند نہ کرتیں تھیں۔ حضرت رابعہ بھری سے اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی کرامتیں ظاہر کروائیں جو بہت کم اولیاء کرام کو نصیب ہوئیں۔ وہ اپنے دور کی قافلہ سالار تھیں۔

ایک مرتبہ لوگوں سے بیان کیا کہ حضرت حسن بھری یہ کہتے ہیں کہ اگر میں روزِ محشر ایک لمحہ کے لئے بھی دیدارِ خداوندی سے محروم رہا تو اتنی گریہ و زاری کروں گا کہ اہل فردوس کو بھی مجھ پر رحم آجائے گا۔ حضرت رابعہ نے کہا کہ انہوں نے بالکل صحیح کہا ہے لیکن یہ شے بھی اسی کے شایانِ شان ہے جو آپنا واحد کیلئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہتا ہو۔

جب آپ سے نکاح نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا کہ تین چیزیں میرے لئے وجہِ غم بنی ہوئی ہیں اور اگر تم یہ غم دور کر دو تو میں یقیناً شادی کر لوں گی۔ اول یہ کہ کیا خبر کہ میری موت اسلام پر ہوگی یا نہیں! دوم میرا ائمہٗ اعمال روزِ محشر میرے سیدھے ہاتھ میں ہو گا یا الٹے ہاتھ میں! سوم جب روزِ محشر ایک جماعت جنت میں دائیں طرف سے اور دوسری بائیں طرف سے داخل ہوگی تو نہ جانے میرا شمار کس جماعت میں ہوگا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ان تینوں سوالوں کے جواب تو ہمارے پاس نہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس کو اتنے غم ہوں وہ شادی کی تمنا کیسے کر سکتا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں جائیں گی تو آپ نے فرمایا کہ جس جہاں سے آئی تھی اس جہاں میں لوٹ جاؤں گی۔ پھر سوال کیا گیا کہ اس جہاں میں آپ کا کیا کام ہے؟ فرمایا کہ کفِ افسوس ملتا

اور جب کہ انہوں نے کیجہ پہنچی گی تو آپ نے جواب دیا کہ میں رزق تو اس جہاں کا کھاتی ہوں اور کام اس جہاں کے کرتی ہوں۔

حضرت عبداللہ عماری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سفیان حضرت مہاجرہ کی حراۃ پر کے لئے گئے تو ایسے مروجہ ہوئے کہ لب کشائی کی مستحق ہوئی تھی کہ حضرت مہاجرہ نے خود فرمایا کہ کچھ کھٹو کریں تو ہم دونوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مرض عہد فرما دے۔

حضرت مہاجرہ نے عرض کیا کہ مرض تو اللہ تعالیٰ کا حکم کر دے ہے اور میں اس کی حکمت کے لئے کھڑی ہوں، کیونکہ یہ کسی دوست کے لئے بھی مناسب نہیں کہ مضامین دوست کی حالت کرے۔ پھر حضرت سفیان نے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے فرمایا کہ تم صاحب معرفت ہو کر ایسا سوال کرتے ہو اور میری مجبوری اللہ تعالیٰ کے باوجود ہر سال سے کھانے کی خواہش ہے لیکن میں نے صرف اس لئے نہیں چھٹی کہ میری مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مضامین الہی کے بغیر کوئی کام کرنا کفر کے حریف ہے۔ پھر حضرت سفیان نے اپنے لئے دعا کی وہ خواہش کی تو فرمایا کہ اگر تمہارے اندر خب و دنیا نہ ہوتی تو تم نیکی کا مجسمہ ہوتے انہوں نے عرض کیا کہ یہ کیا فرمادی ہیں؟ آپ نے کہا کہ یہی بات کہہ دی ہوں کیونکہ اگر ایمان نہ ہوتا تو تم کم حلی کی باتیں نہ کرتے ہاں لئے کہ جب تمہیں علم ہے کہ دنیا فانی ہے اور فانی شے کی ہر شے فانی ہوتی ہے اس کے باوجود تم نے یہ سوال کیا کہ تمہاری طبیعت کس چیز کو چاہتی ہے۔ یہ سن کر حضرت سفیان نے کھجور ہو کر بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے اللہ میں تیری رضا کا جو یا ہوں۔ حضرت مہاجرہ نے فرمایا کہ تمہیں



رضائے الہی کی جستجو کرتے ہوئے ندامت نہیں ہوتی جب کہ تم خود اس کی رضا کے طالب نہیں ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ میں ایک دن بغرض ملاقات حضرت رابعہ کے ہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا لوٹا تھا جس سے آپ وضو کرتی ہیں اور پانی چلتی ہیں اور ایک بوسیدہ چٹائی ہے جس پر اینٹ کا ٹکڑہ بنا کر استراحت فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے بہت سے دوست احباب مالدار ہیں اگر اجازت ہو تو ان سے آپ کیلئے کچھ طلب کروں؟۔ آپ نے سوال کیا کہ مجھے اور تمہیں اور ان دولت مندوں کو عطا کرنے والی ایک ہی ذات نہیں ہے؟ تو پھر کیا درویشوں کو ان کی غربت کی وجہ سے اس ذات نے فراموش کر دیا ہے اور امیروں کو رزق دینا یاد رہ گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے طلب سے اس لئے حیا آتی ہے کہ مالک دنیا تو خدا ہے اور امل دنیا کو ہر شے عاریتا عطا کی گئی ہے اور جس کے پاس ہر شے خود عاریتا ہو اس سے کچھ طلب باعث ندامت ہے۔ یہ سن کر ان بزرگ نے آپ کے صبر و بے نیازی کی داد دی۔

آزمائش:

بطور آزمائش کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور شرف نبوت صرف مردوں ہی کو حاصل ہے اس کے باوجود بھی آپ کو اپنے اوپر فخر و تکبر ہے اور لا حاصل ریا کاری میں مبتلا ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو تم لوگ بجا کہتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا کسی عورت نے بھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کیا کوئی عورت بھی محنت ہوئی ہے جب کہ سینکڑوں مرد محنت پھرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ کے آخری دور میں آپ وصال خداوندی کے لئے بہت بے چین رہا کرتی تھیں۔ دن رات خدا کی یاد میں بسر ہو جاتے۔ آنسوؤں کی قطریاں آنکھوں سے رواں رہتیں۔ خدا پرانے نام پڑھ لیتے۔ جسم کمزور ہو گیا۔ جسم کو کمزور ہوتا کیا مگر دل بیدار اور خدا کی یاد سے قوی ہوتا گیا۔

قرب خداوندی کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ ان کے مختصر سامان میں کن کن ہر وقت تیار سامنے رہا کن کی خواہش تھی کہ ان کے کن کن کا انتظام عام آدمیوں کی طرح کیا جائے اور ان کو اس طرح سپرد خاک کیا جائے کہ ان کی قبر بھی ممکنہ تک چھپی رہے۔ آخری ایام میں انہوں نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا بہت کم سہا کرتی تھیں۔ بھٹوں کے چہرہ میں پرعی نما پڑتیں۔ اسی پر مذہم سناستالینے کے بعد عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔

۱۰۔ بھری میں ایک دن لوگوں کو درس معرفت دینے میں مشغول تھیں کہ انہوں نے اپنے سامنے مسکرا کر دیکھا، سامعین اراوت مندوں اور مشائخ کو جبکہ چھوڑ دینے کیلئے کہا۔ جب سب لوگ باہر آ گئے تو خبرے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس طرح آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ نے خدا کی شان میں کبھی گستاخی نہ کی۔ مخلوق خدا سے دور کھڑا خدا سے بھی کبھی کچھ طلب نہ کیا۔

عشق و ہی کچھ سکتا ہے جو عاشق بنا ہو۔ طلب انسان کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ دل ہاتھ نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کو اس طرح سنبھالے رکھنا چاہیے جب تک اسرار کا عیاں وہ ذات پاک خود نہ کرے اور اس کے بعد جو مسرت اور سکون حاصل ہو، یہ ہی حقیقی مسرت ہے اور یہ صرف حضرت ابو بصری کے نصیب میں تھا

وفات کے وقت آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں سے ہٹ کر ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں چنانچہ سب باہر نکل آئے اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اعدہ سے یہ آواز سنائی دی کہ اے مطمئن نفس اپنے مولا کی جانب لوٹ چل۔ اور جب اعدہ سے آواز آئی بند ہو گئی تو لوگوں نے جب اعدہ جا کر دیکھا تو روح نفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ مشائخین کا قول ہے کہ حضرت رابعہ نے خدا کی شان میں کبھی کچھ گستاخی نہیں کی۔ مخلوق سے طلب کرنا تو درکنار اپنے مالک حقیقی سے کبھی کچھ نہیں مانگا اور انوکھی شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ (امام طہ)

کسی نے حضرت رابعہ بھری کو خواب میں دیکھا اور دریافت فرمایا کہ منکر نکیر کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ جواب دیا کہ نکیرین نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو میں نے کہا کہ واپس جا کر اللہ سے عرض کر دو کہ جب تو نے پہلی مخلوق کے خیال کے باوجود ایک نابجہ عورت کو کبھی فراموش نہیں کیا تو وہ پھر وہ حقے کیسے بھول سکتی ہے اور جب دنیا میں تیرے سوا اس کا کسی سے تعلق نہ تھا تو پھر ملائکہ کے ذریعے جواب طلبی کے کیا معنی؟

نوٹ: یہ مضمون ڈاکٹر علہور الحسن شارب کی مشہور کتاب مذکرہ حضرت رابعہ بھری رحمۃ اللہ علیہا سے مرتب کیا گیا ہے۔



صحابی رسول

حضرت خرار بن ازور اور آپ کی مجاہدہ بہن

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ مسلمانوں کو ان کا عظیم جہادبانی اور کشور کشائی کا جذبہ حدود عرب سے نکال کر روم و ایران کی حدود میں داخل کر چکا ہے۔ اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ہیں اور اس وقت دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ دمشق میں موجود فوج نے کھلے بندوں لڑنے کے بجائے مصلحت اسی میں دیکھی کہ قلعہ بند ہو جائے کیونکہ ایک تو اس کی تعداد کم تھی اور دوسرے انہیں قیصر روم کی طرف سے جلد از جلد کمک کی توقع تھی کیونکہ وہ اُسے پہلی صورت حال سے آگاہ کر چکے تھے اور قیصر روم کا ایک نامہ قیصر کی طرف سے یہ پیغام لے کر ان تک پہنچ چکا تھا کہ حوصلہ کو جلد ہی کمک پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ محصورین ہر روز کمک کا انتظار کیا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے محاصرہ میں بڑی شدت برتی تھی اس لئے محصورین بھی تنگ آ چکے تھے۔ کمک کا انتظار کرتے انہیں کئی روز گزر چکے تھے۔ تنگ آ کر انہوں نے آج یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شام تک کمک نہ پہنچی تو وہ سبچہ مناسب شرائط پر قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اُن کی حالت بھانپ چکے تھے۔

.....○.....

ابھی چاشت کا وقت ہو گا کہ اچانک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ محصورین قلعہ کی فصیل پر جمع خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں اور تالیاں بجا رہے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ انہیں تو امید تھی کہ قلعہ آج یا

کل ان کے حوالے ہونے والا ہے کیونکہ وہی بہت تنگ آ چکے ہیں پھر خوشی کیسی؟ اتنے میں کچھ کا شکار ایک طرف سے بھاگتے ہوئے آئے اور جب ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ایک بہت بڑی رومی فوج "بیت میاء" کے قریب پہنچ چکی ہے اور جلد ہی یہاں آنے والی ہے۔ حضرت خالد کچھ گئے کہ قلعہ بند کس بناء پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ کلک ایک دو روز تک نہ پہنچنے پائے ورنہ سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیلئے سرداروں کی ایک میٹنگ بلائی اور پھر ان سے دریافت کیا کہ کون اپنے آپ کو اس مہم کیلئے پیش کرتا ہے۔ ابھی باقی سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خالد نے اسی وقت پانچ چھ سو سواروں کا ایک دستہ ان کی کمان میں دے کر انہیں رومی فوج کو روکنے کیلئے "بیت میاء" کی طرف روانہ کر دیا۔

جب یہ مختصر سادہ دستہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں "بیت میاء" کے مقام پر پہنچا تو ایک بہت بڑے رومی لشکر کو مقابلہ کیلئے تیار پایا، مسلمانوں کو امید نہیں تھی کہ رومی اتنا بڑا لشکر لے آئیں گے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں نے انہیں مشورہ دیا کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ مگر حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے جوش سے کہا:

"مسلمان تعداد لشکر پر نہیں بلکہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرتا ہے تم میں سے جو واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے میں میدان جنگ سے بھاگ کر حاصل ہونے والی زعمی کے بجائے شہادت کو بہتر سمجھتا ہوں۔"

یہ دیکھ کر آپ کے حلقیوں نے کہا "ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" حضرت ضرار

رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی مگر پر حملہ کر دیا۔ یہی وہی ہے جو علامہ صاحب اس مختصر سے رسالے کو دیکھ کر سکرایا اور اس نے فوراً سے کہا چھ سرکار سے خوب جان لو جو کہ جہل میں بہن چکے ہیں اور یہاں تک کہ کتب خانے پر لے۔

رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو گھر سے میں لینے کی کوشش کی مگر یہ چھ سرکارے ان کی منوں کو ہم پر ہم کر چکے تھے۔ مسلمانوں کی گواہی اپنی کات دکھا رہی تھیں ان کے نزدیک یہی وہی مسلمانوں کو ہم دکھات دکھا رہے تھے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے دل میں حقوق شہادت تھا پھر سے ہوئے شیر کی طرح ہوا ہوا کہ وہ میں پر حملے کر رہے تھے۔ کھڑے کی گلی میں پر سار تھے ہوتے ہوتے وہاں تک جا پہنچے وہاں کے بیٹے عرب نے آپ پر حملہ کیا مگر انہوں نے ہار چا کر اپنا نیزہ اس کے سچے میں کھنپ دیا وہ وہیں بچ کر رہ گیا۔ وہاں پہنچ کر بھاگ نکلا حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور اسی تعاقب میں وہ شخص کے وہاں گھر گئے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے گھر اتارنے کی کوشش کی اور ایک شخص کو نیزہ مارا مگر جب کہیں تو ہاتھ میں صرف پھل رہ گیا اب یہ بالکل نچے تھے۔ وہاں کے استاد سے ان کو مارا کرتا کر لیا گیا۔



اس زمانہ میں دستور تھا کہ اسلامی انواع کے ساتھ عورتیں بھی جایا کرتی تھیں تا کہ اگر مسلمان بھاگ گھس تو یہ ان کو غیرت دلائیں۔ اس کے علاوہ یہ عابدین کو پانی پلانے اور زمینوں کی مرہم پٹی کرنے کا کام بھی کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس جنگ میں بھی مسلمانوں کے ہمراہ عورتیں آئی تھیں ان عورتوں میں ایک حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی بہن "خولہ بنت اذور" بھی تھیں۔ جب حضرت ضرار رضی اللہ عنہ مختصر سے رسالے ساتھ روئی لشکر کو روکنے کیلئے "بیت مہاد" کی طرف گئے تھے تو ان کو مطلق نہیں تھی



- چنانچہ یہ اپنے خیمے کے اندر بیٹھی تھیں کہ ایک عورت نے کہا ”خولہ!“ ”کچھ خبر بھی ہے؟“
خولہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگیں ”کیسی خبر؟“

تمہارا بھائی رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے۔“ خولہ یہ سنتے ہی بے قرار ہو گئیں۔ مردانہ لباس پہنا ہوا تھیں اور ابھی باہر نکلنے والی تھیں کہ ایک عورت نے کہا ”خولہ! ہوش کی دوا کرو تم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیا کرو گی؟“ خولہ نے خیمے سے جواب دیا:

”میری جان ایک مجاہد اور بہادر بھائی کی جان سے قیمتی نہیں ہے۔“
اتنے میں ایک اور عورت اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی ”خولہ! فکر نہ کرو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو خبر مل چکی ہے اور انہوں نے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو چھڑوانے کیلئے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور دستہ روانہ کر دیا ہے“ مگر حضرت خولہ نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں کہ ”یہ نہیں ہو سکتا کہ بھائی دشمنوں کی قید میں ہو اور بہن آرام سے بیٹھی رہے۔“



جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ گرفتار ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور دستہ انہیں رہا کرانے کے لئے میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہ بھی رومی لشکر سے نبرد آزما ہونے کیلئے ناکافی ہے تو خود بھی تھوڑی سی فوج کو قلعہ کے پاس چھوڑ کر باقی فوج کو لے کر میدان جنگ کی طرف چلے گئے تاکہ رومی لشکر سے مقابلہ ہو سکے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ جا رہے تھے تو ان کو راستہ میں ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا میدان جنگ کی طرف جاتا ہوا ملا۔ انہوں نے اس سوار کو روکنے کی کوشش کی تاکہ لشکر

کے ساتھ ہے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں سے بے خبر ہو۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اس سوار کا تعاقب کرنے کو بھیجا مگر وہ اس کی صرف گردی پاسکا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ میدان جنگ کے قریب پہنچے تو وہ سوار لڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اس بہادری سے لڑ رہا تھا کہ حضرت خالد جیسے بہادر کے منہ سے داؤد تحسین کے الفاظ نکل رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ سوار کون ہے؟

حضرت رافع نے جواب دیا "خدا کی قسم آپ کے سوال کرنے سے قبل میں یہی سمجھتا تھا کہ آپ ہیں۔"

وہ سوار کھاس طرح حملے کر رہا تھا جیسے باز غبار پر جھپٹ رہا ہو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے اور ابھی تک نہیں سمجھ پاتے تھے کہ وہ سوار کون ہے؟ اسلامی اور دیوئی فکرمحکم تھا ہو رہے تھے۔ لڑتے لڑتے کافی وقت گزر گیا مگر حضرت فرار رضی اللہ عنہ کا کچھ پتہ نہ نکلا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس سوار کے تعاقب کی کٹھالی اور اس کے پیچھے گھس گئے جس سمت وہ سوار جاتا یہ بھی اسی طرف جاتے۔ وہ سوار مینہ میسرہ قلب فرسید تمام فکرمیں پھرا کی روئی اس کا نشانہ بنے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے جب وہ سوار خون میں نہایا ہوا باہر نکلا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی باہر نکلے اور اس کا گھوڑا روک کر پوچھا..... تم کون ہو؟

"میں"..... ایک کمزوری آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحہ اس سوار نے اپنی

لوہی اتار دی اور اس کے لیے لیے ہال شالوں پر بکھر گئے۔ تم؟

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرانی سے کہا:

یہاں..... میں ہوں خولہ بنت اذور



”کو بھائی کا پتہ چلا“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا؟

”مجھے افسوس ہے میں نے تمام لشکر چھان مارا مگر بھائی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ میرا خیال ہے وہ لشکر میں نہیں ہیں۔“

-----O-----

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خولہ کو تسلی دے کر پیچھے بھیج دیا اور چھ سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ کسی رومی سپاہی کو زندہ گرفتار کر لائیں، تھوڑی دیر بعد مسلمان سپاہی دو رومی سپاہیوں کو گرفتار کر لائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت کی ”بتاؤ ضرار کہاں ہیں؟“ قیدیوں نے بتانے سے تائل کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں تمہیں پانچ منٹ دیتا ہوں اگر تم نے سچ بتا دیا تو تمہیں پھوڑ دیا جائے گا اور اگر تم نے بتانے سے انکار کیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔“

یہ ممکن سن کر انہوں نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہا:

”ہم بتا سکتے ہیں؟“ ”بتاؤ ضرار کہاں ہیں؟“ حضرت خالد نے پوچھا۔

انہوں نے کہا ”دردان نے انہیں گرفتار کر کے دو سو سواروں کے ہمراہ ہرقل کے دربار میں روانہ کر دیا ہے۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ”یہ بتاؤ اگر ہم ان سے راستہ میں ٹکرائیں تو کس جگہ تصادم ہو سکتا ہے۔“

انہوں نے کہا ”وہ رات کے پچھلے پہر سلیمان کے مقام تک پہنچیں گے۔ اگر آپ کے ساتھی وہاں جا کر پہلے ہی چھپ رہے ہیں تو پھرا سکتے ہیں۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فوراً دو سو سواروں کا ایک دستہ منتخب کیا اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں انہیں سلیمان کی طرف بھیج دیا اور تاکید کی کہ وہاں تیزی

سے بچ کر چسپ رہیں اور جتنی روی دست وہاں پہنچاں پر حملہ کر کے ضرار رضی اللہ عنہ کو رہا کروالیں اور ساتھ ہی قیدیوں کو بھی روانہ کر دیا کہ ماہنامہ کی کر سکیں۔ اس مختصر سے دستہ کے ساتھ حضرت خلد رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ ساتھیوں سمیت ”مسلمینا“ کی کھائیوں میں چپے ہوئے روی دستہ کے بچے کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت خلد رضی اللہ عنہ بہت بے قرار تھیں وہ بار بار ٹیلہ سے نکل کر دیکھتیں مگر کچھ دکھائی نہ دیتا۔ ان کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ کہیں قافلہ گزری نہ چکا ہو یا کہیں قیدیوں نے مقام ہی غلط بتایا ہو۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ انہیں بار بار تسلی دیتے۔

رات کے پچھلے پہر اونٹوں کی گھنٹوں کے بجتے کی آوازیں آنے لگیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی قافلہ آ رہا ہے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور تیار رہنے کو کہا۔ آہستہ آہستہ گھنٹیوں کے بجتے کی آواز قریب آتی گئی۔ پھر ایک آدمی کی آواز سنائی دینے لگی جو بڑے دردناک انداز میں عربی کے اشعار پڑھ رہا تھا جن کا ترجمہ کچھ یوں تھا:

”اے ہواؤ..... میرا پیغام قافلہ سالار تک پہنچا دو اس بد نصیب مسافر کا پیغام جو منزل تک پہنچنے سے قبل ہی ہٹا ہو گیا ہو۔ ہوا ساکن ہے اونٹوں کی گھنٹیوں سے صرف میرے نالہ کی صدا ہی بلند ہو رہی ہے۔ صدی خوانوں کی آواز میں بھی میرا نالہ ہے۔ میری بہن جانتی ہے میں شیر ہوں جس نے ہمیشہ اپنی ماں کے دودھ کی لالچ رکھی ہے۔“

حضرت خلد رضی اللہ عنہا نے فوراً اپنے بھائی کی آواز پہچان لی اور زور سے پکاریں ”بھائی“ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ دیر زکے کا اشارہ کیا مگر ان میں پامائے ضبط نہ ہا فوراً لکوار سنت کر یہ کہتی ہوئی باہر نکل آئیں۔



”بھائی..... خولہ آ پہنچی اب تم دیکھو گے کہ ان خالوں میں سے ایک بھی نکلا کر

نہ جائے گا۔“

یہ دیکھ کر حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے بھی باقی سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود بھی باہر نکل کر رومیوں پر ہل پڑے۔ رومی اس غیر متوقع حملہ کیلئے تیار نہ تھے۔ حضرت خولہ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہی ہیں۔ رومیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا اور پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کرنے کو کہا۔ حضرت خولہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ بھائی تک پہنچیں زیاں کاٹ ڈالیں اور مچھڑے ہوئے بہن بھائی گلے مل گئے۔ پھر یہ سب اسلامی لشکر کی طرف واپس چلے ابھی تھوڑی سی دور گئے تھے کہ سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غبار کا پردہ چاک ہوا تو معلوم ہوا کہ رومی لشکر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔

.....O.....

حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں چھپ جانا چاہیے تاکہ یہ لشکر گزر جائے ورنہ لڑائی کی صورت میں ہماری تعداد کم ہے۔ مگر ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا ”خدا کی قسم ہمارے ہاتھ آ جائے اور ہمارے تغافل برے..... ایسا نہیں ہو سکتا۔“ باقی ساتھیوں نے بھی حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور آگے بڑھ کر لشکر کو روک دیا۔ تھوڑی سی دیر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی رومیوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک آ پہنچے۔ اب رومی لشکر گھر چکا تھا۔ دو طرف اونچے اونچے ٹیلے تھے۔ تیسری طرف ضرار رضی اللہ عنہ جیسے جانباز تھے اور چوتھی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی لکوار۔ خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی لکوار بجلی کی طرح چمک کر رومیوں سے اپنی گرفتاری کا انتقام لے رہی تھی۔ لڑائی ہوئی رہی۔ آخر رومی لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سید الطائفہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جنید بغدادی تاریخ تصوف کا روشن ترین باب ہیں۔ آپ سلطان الاولیاء تھے امام الاصفیاء تھے رہمائے اصحاب طریقت تھے دل و جان کا اعزاز تھے۔ آپ نے لاکھوں گمراہوں کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔ آپ نے ظلمت و ادب کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے والوں کو ایک خدا کا پرستار بنا دیا۔ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ”سید الطائفہ“ کہتے ہیں کہ آپ کی چشم کرم نے زمانے کا مقدر بدل دیا۔ آپ کے مواظب کی تاثیر سے امیر و غریب یکساں فیضیاب ہوتے تھے۔ آپ نے پیغام حق کو پھیلانے میں کسی صاحب تخت و تاج کی پرواہ نہیں کی بلکہ آپ سمجھتے تھے کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ جاہر و خیراتوں کے سامنے کل حق کہہ کر انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کا راستہ بتایا جائے۔ آپ اس حقیقت کی تفسیر تھے کہ:

۔ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

زیر نظر مضمون میں آپ کے کلام کی عظمت و آواز کی تاثیر کا ایک پہلو بیان کیا جا رہا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ بندگانِ خدا کا فیض عالمگیر کس طرح بکھل کر ایمان کی روشنی سے ہمکنار کرتا ہے۔

.....O.....

رات اپنی تاریکیوں سمیت آہستہ آہستہ خوبصورت ہو رہی تھی ستارے ماند پڑ چکے تھے۔ اسے صاف فضا میں سانس لیتے ہوئے کافی مدت ہو چکی تھی۔ کل وہ جیل سے دس برس کی سزا کاٹ کر رہا ہوا تھا۔ اس شہر کے گلی کو ہے اسے مانوس دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے اپنی عمر کا معقول حصہ اس شہر میں گزارا تھا اگرچہ گناہ گار تھا۔

ہو چکی تھیں اور ان دس سالوں میں کئی قسم کے تغیر و تبدل اپنی حشر سامانوں کا دامن پھیلا چکے تھے مگر پھر بھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں کے ذرے ذرے سے آشنا ہو۔ نئی عمارتوں میں اسے مانوسیت جھلکتی دکھائی دے رہی تھی اس نے اپنے آپ پر نگاہ دوڑائی، داڑھی بڑھ چکی تھی سر کے بال اُلجھے ہوئے تھے جسم پر لباس نہیں سمجھوے تھے۔ ان باتوں سے قطع تعلق کر کے جب اس نے پیٹ کے تنور میں جھانکا تو اس کے چہرے پر مایوسی اور غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ آٹھ پہر سے بھوکا تھا اسے کہیں سے بھی کھانا نہیں دستیاب ہو سکا تھا۔ اب اس کے سامنے سب سے پہلا اور بڑا سوال یہ تھا کہ پیٹ کو کیونکر بھرے پھر اس کی منٹیاں بھیج گئیں اس کا چہرہ تن گیا اس کی آنکھوں سے قطرے نکلنے لگے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ بڑبڑایا۔

”دنیا میں روٹی صرف جرم سے حاصل ہو سکتی ہے میں بھوکا نہیں مردوں گا۔“

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اتنی شدید تھی کہ وہ خود ہی چونک پڑا۔ کسی نے سن تو نہیں لیا وہ شہر کے بیرونی حصے کی طرف تھا اور جس گلی سے گزر رہا تھا وہاں سناٹا طاری تھا۔ ایک خطرناک عزم کے ساتھ وہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مگر اس کی نظر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر پڑی اسے اپنی مجبوری کا احساس ہوا اور اس کی بھیجی ہوئی منٹیاں کل گئیں۔ ساتھ ہی مؤذن نے پکارا ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ اس نے محسوس کیا کہ لوگ تو بیدار ہونے لگے ہیں اور وہ دن کے اُجالے میں اپنے خطرناک عزم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے گا۔ اس کا کٹا ہوا ہاتھ پہنا ہوا لباس اور وحشیانہ سراپا اور مجرموں سی وحشت لوگ لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اس کی معمولی سی حرکت کو بھی کسی عظیم جرم پر محمول کیا جائے گا اور پھر وہ گرفتار ہو جائے گا جیل کا خیال آتے ہی اس کے دل میں نفرت کے جذبات

حافظ احمد
رہے اور گھر رات کو مستعد رہادی کیلئے کھانے کی اس تہیز پر جسم نے اٹھارہ خوشنودی
کیا اور نولے ہوئے چٹا کھانے کے باہر ایک سستہ ہوا۔

یہ ابن سابط تھا۔ بغداد کا شیطان۔ مشہور و معروف ڈاکو تاریخی قاتل
اب کے چند سال کی سزا بھگت کر قتل سے رہا ہوا تھا۔ سزا تو میں سال کی تھی مگر خلیفہ
کے گھروں میں ہونے کی خوشی میں اس کی سزا پانچ سال کم کر دی گئی تھی۔ اس کے آباء
اجداد سابط کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں ہی اس کی ماں مر گئی، مالی پریشانیوں کے
ہاتھوں مجبور کر باپ نے اسے ساتھ لیا اور ایک قافلے کے ساتھ ہولیا جو بغداد جا رہا
تھا اس کلاب پست کے گرمہرو کو برداشت نہ کر سکا اور ابھی جبکہ نصف منزل باقی تھی تو
اس نے دماغی اجل کو لبیک کیا۔

ابن سابط کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی جب قافلہ والے اس کے باپ کی
تعمیر و تفتیش سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر روٹے بلیکے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے بچے پر
پڑی۔ ایک امیر شخص نے اسے اٹھا لیا اور اپنا بیٹا بنا کر بغداد لے آیا۔ ماحول ہر انسان کا
استاد ہے۔ ابن سابط کو گھر میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائی مگر اس کی دوستی برے لڑکوں سے
ہو گئی۔ اس برے ماحول سے اس نے بھی اثر قبول کیا اور چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانا شروع
کر دیں۔ چونکہ اسے پالنے والوں کی کوئی اولاد نہ رہی تھی لہذا وہ اسے معمولی سرزیش کر
کے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ لبر ہو گیا اور اس کا بھرمانہ ہاتھ بڑی بڑی چیزوں تک
کھینچنے لگا ایک بار وہ بڑا گیا مگر کوئلہ شہر نے اسے دم کھا کر چندہ کوڑے لگا کر چھوڑ دیا۔

اس سزا کے بعد اس کے دل سے سزا اور قانون کا ڈر جا تا رہا۔ اب اس نے
خود ہی گھر کو چھوڑ دیا تھا۔ چندی میں اسے زالی ہی لذت نظر آئی تھی۔ اب یہ کوئی بچہ نہیں

تھا، بلکہ سدرست و توانا نوجوان تھا۔ ایک گھر میں چمدی کرنے پر اسے پانچ سال کی سزائے قید ہوئی۔ جیل میں اس کی بڑے بڑے عادی مجرموں سے ملاقات ہوئی اور بجائے تائب ہونے کے اس کے دل سے دہاسہ خوف بھی رخصت ہو گیا۔ جس وقت وہ رہا ہوا تو جرم و گناہ کا ایک اور ہی تصور لئے ہوئے تھا۔ اب اس نے گروہ بنا لیا اور اس کے وہ بھولی جو بچپن میں اس کے دوست تھے اور جنہوں نے اسے غلط راہ دکھائی تھی اب اس کے ساتھ ہی جوانی کے حدود کو چھو کر اس کے بہترین رفیق بن چکے تھے۔ اس گروہ کا سرغنہ سردار بھی تھا۔ اس گروہ نے دنیاۓ جرم کی میں نئی ظالمانہ ولیات کو جنم دیا تھا۔



شرافت، محبت اور نیکی و خلوص کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ ان کے نزدیک شرافت سے رہنا خود کو بھوکوں مارنا تھا۔ گو یہ راستہ دشوار اور خاردار تھا مگر وہ انجام سے بے پرواہ تھے۔ وہ سماج کی ہر سفید پوشی سے قطع تعلق کر کے سماج کی ہر نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ قانون ان کی نظر میں بے کار سا کھلونا تھا۔ جب گروہ کا کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو سم و زر کی چمک دکھائے جیل کی کال کوٹھڑی سے بھی نکال لاتی۔ ایک روز انہوں نے ایک بہت بڑی جگہ اکٹرا لیا۔ صبح وقت پر پولیس آگئی، باقی تو فرار ہو گئے مگر ابنِ سابط گرفتار ہو گیا۔ اس نے پولیس سے کہا کہ اسے سزا موت نہ دی جائے تو وہ باقی ساتھیوں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ پولیس مان گئی، باقی ساتھی اس کے بتلائے ہوئے ٹھکانوں سے گرفتار کر لئے گئے اور اس کا ہاتھ کاٹ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ گو یہ دائیں ہاتھ کے کٹ جانے کی وجہ سے معاشرہ کی نظروں میں بیکار ہو گیا تھا مگر اس نے ایک ہاتھ سے دونوں ہاتھوں کا کام لیا اور اس طرح کہ اس کے دل سے رحم کی آخری رمت بھی دور ہو گئی، ضمیر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر مردہ ہو گیا۔ اب اس نے گروہ بنانے کے بجائے

اکیسویں کام شروع کر دیا۔ یہ سب کام حضرت کی توفیق سے ہوئے۔ کسی کی عزت کی
 قیمت اس کی ضرورتوں میں ہونے لگی۔ اس نے اس کے لئے ایک سو سو روپے کا وہاں
 ہوا کیا کہ وہاں کی سڑکوں میں ہاتھ کے پھیلنے کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر ایک دن
 میر کر لیا۔ یہ سب کام کے خلاف ایک شخص نے ایک سو سو روپے تھے یہ چھوٹا سا اکٹھا
 قال تھا۔ ستر کا ہر چھوٹا سا کاروبار تھا۔ تین سو سے تیس سال کی قید باجھت کا حکم
 عطا کیا۔ یہ قید تھی۔ پانچ سال پہلے ہی میر کر لیا۔ یہی کام کرنے کیلئے جیل
 سے ہوا کہ گیا۔



دن کا پندرہ سو روپے کا قلمیات نے دن بھر کی شرمیلیاں اور ہنگاموں
 کا پتہ لگایا۔ اس میں سمیت لیا تھا۔ ہر گھنٹہ دراز اور پست و بالا پر اپنے دامن کو
 باندھ لیا تھا۔ ایک سو سو روپے کا اس کے سے مل کر تھا۔ اس کی طرف آئے جہاں وہ
 تھکا چکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہاں سے قریب آئے۔ اس کے دل میں خطرناک
 حرام ہوتا تھا۔ اس سے ہے۔ قریب آئے۔ کہ ہے ساخت ایک گلی میں ہو گیا۔
 تھوڑا سا آگے جا کر اسے ایک سو سو روپے کا مکان دکھائی دیا۔ وہ چھوٹا ہے اس مکان کے
 صدارے پر کڑا لگا کر رہا۔ اس کے بعد جائے پناہ جانے لگا۔ اس نے دروازے پر
 ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا دروازہ کھل گیا۔ اس کی ذرا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا
 کہ کئی گھنٹے گزر رہا تھا۔ اسے گلی میں کئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ اپنے خطرناک حرام کو
 اپنے گھیل تک پہنچانے کیلئے گلی میں جا رہا تھا۔ وہ گلی کو عبور کرتا ہوا آگے
 بڑھ کر وہاں کی ایک سو سو روپے تک پہنچ گیا۔ قریب آگے سے اسے چراغ دکھایا
 جس سے اس کی مدد تھی۔ اس کے بعد اس سے باہر آ رہی تھی۔ اس نے قریب

خلیفہ مسلمان
جا کر دروازے سے اندر جھانکا اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہاتھ لگانے سے دروازہ فوراً کھل گیا تو اندر داخل ہوا۔

اور پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے کمرے کے ایک طرف کپڑوں کے بہت سے تھان پڑے دکھائی دیے۔ مالک مکان یقیناً کوئی بہت بڑا کپڑوں کا تاجر تھا کیونکہ یہ سارے تھان ریشمی اور قیمتی کپڑوں کے تھے۔ اس کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا کیونکہ پہلے ہی روز قسمت نے یاوری کی تھی مگر پھر اپنے کئے ہوئے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اس کی ساری خوشی کا فوراً ہو گئی اس کا ایک ہاتھ بیکار تھا۔ مال بھی وافر اور قیمتی ہاتھ لگا تھا مگر سب سے بڑا مسئلہ اس بوجھ کو باندھنے کا تھا۔ اس نے ایک پورے تھان کو کھول ڈالا اور باقی اچھے اچھے تھان اس میں رکھنے شروع کئے۔ کافی بوجھ رکھ کر اس نے باندھنے کی کوشش کی مگر کام رہا وہ مایوس ہوتا جا رہا تھا، کنوئیں پر پہنچ کر بھی وہ بیاسی رہا تھا۔ اس کا چہرہ ناامیدی کے جھکڑوں سے ٹھنڈا رہا تھا۔ ”میں کیا کروں“ وہ سوچ رہا تھا کہ کھڑاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اس نے فوراً ہی پیچھے پلٹ کر دیکھا کیونکہ دروازہ کی طرف اس کی پیٹھ تھی اور ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اندر داخل ہونے والا ایک سفید ریشمیں ضعیف آدمی تھا سر پر بھاری عمامہ تھا۔ امن سا باط نے تھوڑی دیر بڑھے کی طرف خاموش ہو کر گھومنے پر اکتفا کیا۔ اس بوڑھے میں اسے کوئی خاص بات دکھائی دی مگر جلد ہی شیطنت اس جذبے پر غالب آگئی اور اس نے اسے بھی اپنی طرح کوئی چوری سمجھ لیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں یہ حصہ دار نہ بن جائے اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے کا ہاتھ پکڑا اور سختی سے دباتے ہوئے کہا ”خبردار جو کوئی حرکت کی تو.....“

”مطمئن رہو! اجنبی..... اس کے جواب میں بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ میں

وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔“

”تم جتنی بھی سوچو، اس سے کئی سوچا نہیں کر سکتے۔“
 لکڑے کے کہنے پر اس نے اس لیے عرض کیا۔

لکڑے نے غصہ سے اس کے کنبہ سے ہاتھ کر ڈم لکھ لیا۔ ”گروہ کرو، جی!“
 تم یہاں گھومنا نہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ لکڑے کے اس جواب کو بھی اس نے سنا
 نے فریجی انکشاف پر گھول کر اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔

”تم بھی گھومنا نہ کرنا“۔ لکڑے نے کہا۔ ”گروہ نہ کرنے کی طرف بڑھا
 اور گل اس کے کہ اس نے اسے بکارتا یا ہار رکھا وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔ اس نے
 سنا کہ کسی نے اسے غصہ کا احساس کر کے ہوشیار ہو گیا۔ قحطی میں وہ بے پروا ہو کر
 سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا دودھ گرا بیٹا تھا۔ لکڑے نے وہ بچہ
 اسے چھین کر لے لیا۔“

”میرا خیال ہے تم بھوکے بھی ہونگے، اس لیے کہ چاندی میں صرف دودھ ہی
 لگا۔“ اس نے سنا کہ اس پر چمک سا گیا کہ یہ دودھ کہاں سے لے آیا؟ کئی سال گزر کر
 ماگلو نہیں مگر اس نے خود ہی اس کی تردید کر دی کہ اگر وہ مالک مکان ہوتا تو کمرے
 سے باہر جا کر اکیلے دیکھ لے گا۔ اسے تو ساتھ گلی داروں کو لے کر آنا چاہیے۔

یہ لکڑے کا بیٹا چھوٹے بچے سے پہلے آیا ہوگا، مجھے داخل ہوتے دیکھ کر چھپ گیا
 ہوگا اور اب اس طرح مجھے خوش کرنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ یہ خیال آتے ہی وہ مسکرایا۔ دل میں
 برتری کا احساس آتے ہی اس نے لکڑے کی طرف ناک سکڑ کر دیکھا اور بچہ اس
 طرح اس کے ہاتھ سے چپٹے ہوئے تھے وہ اس کا قلام ہو دودھ ملافت پی گیا۔
 لکڑے نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو کسی مگر کوئی خاص تاثر نہ لگتا آئے ہوئے کر گھڑ
 کے کلاں کو نکالتے ہوئے کہا ”آؤ اسے مل کر ہانڈہ لیں۔“

”مگر تم کون ہو؟“ ابن سابط نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بعد میں تکرار کرنے نہ لگ جائے اس سے کہا۔

”میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہیں رکھنا چاہیے میں ہر حالت میں تمہارا مددگار ہوں۔“

”ہوں ابن سابط نے کندھوں کو جھٹکا دے کر ہونٹوں کو سکڑتے ہوئے کہا۔
”میرے مددگار کہاں میں اور کہاں تم..... ابن سابط تو تم جیسوں کو چکیوں میں سل سکتا ہے جانتے ہو ابن سابط کو۔“

ابن سابط کا نام سن کر بوڑھا چمک پڑا۔
”اچھا تو تم ابن سابط ہو خیر کوئی بھی ہو مجھے کیا غرض میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں آؤ گھڑ باندھ لیں۔“

ابن سابط نے ایک بار پھر جائزہ لیا۔ واقعی وہ بوڑھے کی لدا کا طلبگار تھا۔
بوڑھے کی یاد دہانی پر اس نے اسے گھود کر دیکھا اور پھر اس کے ساتھ مل کر گھڑ باندھنا شروع کر دیا۔ گھڑ باندھ گیا اب وہ اسے اکیلا اٹھا نہیں سکتا تھا۔

”گھبرا نے کی ضرورت نہیں تم یہ گھڑ میری بیٹھ پر لاؤ تم جہاں کھو گے میں وہیں پہنچا دوں گا۔“ بوڑھے کی ہیکش ابن سابط کو بہت قیمت محسوس ہوئی مگر پھر اس نے سوچا کہ کہیں یہ بوڑھا اسے فریب تو دینا نہیں چاہتا۔ تو پھر کیا ہے یہ بھلا فریب کیا دے سکتا ہے۔ اس نے بوڑھے کی طرف دیکھا اور چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے بھی عاری نظر آیا۔ یہ بھی تو چہرہ ہے کیا اسے اپنا ڈر نہیں ہے اور اس نے فریب کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

”کیا سوچ رہے ہو اجنبی! دیر نہ کرو“ ابن سابط نے پھر اس لمحی مددگار کی

طرف دیکھا۔ اس حوال پر گئی کہ اسے گویا پتھر کا گڑھ تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ گڑ کی طرف بڑھا کر دیکھا۔ اس کی جگہ سے یہ گڑ اپنی جگہ پر ٹکڑا ہوا۔ بڑھا آگے آگے جا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی بڑھ رہا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ اب وہ کمر سے باہر نکل کر ایک گلی سے گزر رہا ہے۔ یہ حاکم ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے چلا تو اس کا ہاتھ نے خیمے سے کھینچ لیا۔

”ہوش سے جاؤ یہ حضرات دیکھتے چلا۔“

”تم تو گجرات پر چل رہے ہو۔“ بڑھے نے بدلت کہا۔ ”تم بھی تو گجرات کی راہ دیکھ کر چلا۔“ پھر وہ ان کو کھانسی کا ختم کر دیتی تھی۔

اس کا ہاتھ کھانسی کی وجہ سے اس باتوں پر کھینچ کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

”ہاتھ بڑھا کر دیکھتے ہو۔“

”ہمارے ہاتھ بھی اس سے بڑھے ہو۔“ یہ وہی شخص تھا جس نے حوال پر پہنچا کر وہی دم لوں کا۔ یہ کہہ کر بڑھے نے اپنی رفتار پہلے کی نسبت تیز کر دی مگر شہر سے نکل کر تھوڑا سا آگے جا کر وہی اس کی سمت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ ایک تو بڑھا پہلے اور دوسرا کاٹھا تھا۔ دوسرا وہ بھی دیکھ رہا تھا۔ آخر ایک جگہ ٹھوکر کھا کر وہ لڑکھڑایا اور گر پڑا تو اس کا ہاتھ نے ایک ہاتھ سے دوسرے کو دبا اور ساتھ ہی زبان سے منگھٹات کا طوقان اٹل پڑا۔

”بس اسے ہی بڑھے پر چھوٹا کرتے ہو۔“ یہ وہی شخص تھا جس نے پہلے ہی کہہ کر تم اپنی چھدی بھول گئے تھے۔ میں اگر چاہتا تو وہیں تمہارا گلا گھونٹ سکتا تھا۔“

”خدا نہ ہو انجی“ بڑھے نے دوبارہ وہی جگہ کو کر پڑا تھا۔ بڑھے نے کہا: ”بڑھا آئی تھا کہ پڑا اب ایسی لٹلی نہ ہوگی۔“ بڑھے سے چلا نہیں جاتا تھا۔ مگر وہ چل رہا تھا۔ جہاں دیکھا وہی اس کی رفتار سے ہو جاتی یا وہ لڑکھڑانے لگا تو اس کا ہاتھ گالیاں پکڑنے لگا۔

وہ بوڑھے پر اس طرح رعب بھار رہا تھا جیسے یہ اس کا پیدائشی حق ہو۔ بعض اوقات وہ دو چار ہاتھ بھی بھاڑ دیتا۔ بوڑھا کانپ رہا تھا سانس پھولی ہوئی تھی قدم ڈلگائے جا رہے تھے اور اٹھائے سے نہیں اٹھتے تھے مگر ابن سابط اسے آگے بڑھنے اور تیز ہونے کی تلقین کر رہا تھا۔ آخر اس کی منزل آگئی یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جو کسی زمانہ میں ابن سابط اور اس کے گروہ کا اڈا رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کے اشارے پر بوڑھے نے بوجھ کو اتار دیا۔ ابن سابط نے دو تین تھان گٹھڑ کھول کر نکالے اور بوڑھے کی طرف بڑھادیے

”لو یہ ہے تمہارا انعام!“

”نہیں تم انہیں بھی اپنے پاس ہی رکھو مجھے غصوں ہے کہ میں اور کوئی تمہاری خدمت نہ کر سکا“ تم بچپے ہی اس وقت تھے جب میں کسی خدمت سے قاصر تھا۔ خیر میرے پاس جو کچھ بھی تھا میں نے وہ تمہیں دینے سے گریز نہیں کیا۔ ہاں اگر میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو معاف کر دینا میں بوڑھا آدمی تھا۔“

بوڑھا یہ سب کچھ کہے جا رہا اور ابن سابط حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے ہی کہا ”تو کیا تم.....؟“

بوڑھے نے بات کاٹ دی۔ ہاں میں ہی مالک مکان ہوں، فکر نہ کرو یہ تھان تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے میں نے یہ خود تمہیں دیئے ہیں، ہو سکتا ہے تم مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو گے۔ چلو خدا نے تمہاری ضرورت پوری کر دی۔ اچھا اب میں جاتا ہوں میری کوتاہیوں کو معاف کر دینا۔“

یہ کہہ کر قبل اس کے کہ ابن سابط کچھ کہتا ’بوڑھا عجیبی سے واپس مڑا اور تھوڑا سا آگے جا کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔“

خلافتِ اسلامیہ

ابن سلاطین نے اس کا جواب دیا کہ میں نے اس کی خدمت میں جاکر اس کے
 دل میں ایک گھٹیا سی بات کہی تھی تو وہ غصت میں وہاں سے نکل کر وہاں سے
 اٹھ کر اس کا دل سے نکال دیا تھا۔ پڑھے کے طرزِ عمل نے ابن سلاطین کو بیدار کر دیا تھا
 اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا مال
 دوسروں کے حوالے کر دیں۔ دوسروں کو سکراتے دیکھتے کیلئے اپنے لبوں کی مسکراہٹ
 چھین لیں دوسروں کو خوش و خرم دیکھتے کیلئے اپنی کائنات پر سے ہاتھ اٹھالیں دوسروں کی
 ضروریات کو اپنی حاجات پر مقدم نہ کریں۔ اس کے بعد وہ بار بار اس آٹھ کڑا ہوا تھا پڑوہ
 اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ گزشتہ عمر ماندی کی گائی ایک لڑکی اور ایک لڑکی اس
 کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی اسے اپنی گزشتہ زندگی کا مل نظرین دکھائی دے رہی
 تھی۔ گزشتہ زندگی کا مل نہ مت معلوم ہو رہا تھا وہ جس مقام پر تھا وہ مقام نیچے سے کھسکا
 ہوا نظر آ رہا تھا۔ اب اس نے پڑھے کو تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تاکہ اس سے معافی
 مانگ سکے۔ چنانچہ پڑھے کے دروازے کی جانب روانہ ہو گیا۔

شہر کے قریب پہنچ کر اسے ایک بڑی سی مسجد دکھائی دی اور اس کے قدم بے
 اختیار مسجد کی طرف اٹھ گئے مگر یہ کیا اسے اپنی قوتِ بصارت پر دھوکا ہو رہا تھا۔ اس نے
 آنکھیں مل مل کر دیکھا وہی رات والا بڑا حجاب خیر پر کھڑا تھا اسکی حیرانی کی کوئی انتہاء
 نہ تھی اس نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے دریافت کیا۔

”یہ کون شخص ہے؟“

”کیا تم نہیں جانتے؟ باہر سے آ رہے ہو کیا؟ انہیں تو سارا طلاق جانتا ہے یہ“

قاضی القضاۃ شیخ دقت سیدنا خیر اللہ علی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں اس شخص نے کہا۔

”کیا کہا سیدنا خیر اللہ علی انورؑ؟“

”ہاں ہاں خاموش بیٹھو سننے بھی دو گے یا نہیں“۔ وہ شخص یہ کہہ کر دھڑکنے میں مشغول ہو گیا۔ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سابط کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا وہ کہہ رہے تھے:

”ہر انسان بدی کا ارتکاب کے وقت کچھ نہ کچھ شرم ضرور محسوس کرتا ہے لیکن ایک شخص گناہ کا ارتکاب ثواب سمجھ کر اسی وقت کرتا ہے جب اس کا ضمیر اس کے ناپاک خیالات کے ہاتھوں دم توڑ چکا ہو مگر ضمیر کی یہ موت دائمی نہیں بلکہ عارضی ہوتی ہے جس طرح ساکن اور نہ سکون سمندر میں ایک پتھر پھینکنے سے دور دور تک ہلچل مچ جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات ایک چھوٹا سا واقعہ غیر معمولی بن کر ضمیر کی بیداری کا باعث بن کر اس کی زندگی میں ہلچل مچا دیتا ہے۔ ضمیر کی موت اس وقت ہوتی ہے جب انسان معاشرہ اور قانون کی نظروں میں ذلیل ہو چکا ہو مگر ضمیر کی دوبارہ بیداری اسی انسان کو اپنی نظروں میں ذلیل کر دیتی ہے اب وہ خود کو سب سے بڑا مجرم تصور کرنے لگتا ہے۔“

شیخ کے یہ الفاظ ابن سابط کے دل میں اترتے جا رہے تھے یہ الفاظ اس کی ساری زندگی کی تفسیر تھے اس کی کائنات کی تصویر تھی اور اس کے جرم و گناہ کا آئینہ تھے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دل کی کثافت دور ہوتی جا رہی ہو گناہوں کی سیاہیاں دھل رہی ہوں اور ضمیر جلا پار ہا ہو۔



ادھر شیخ فرما رہے تھے: ”ہر طرف سے ذلیل ہو جانے پر اسے کوئی سہارا دکھائی نہیں دیتا جو اس کی مایوس زندگی کو تسکین دے سکے اور اس کے درد کا درماں بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھ سکے مگر ایک سہارا ہے اور وہ ہے رب اکبر کا جو ٹھکرائے ہوئے انسانوں کو بھی قوت اعجاز عطا فرما دیتا ہے جو مایوس انسانوں کی سیجائی کرتا ہے۔ لا تقسطوا من

رحمۃ اللہ علیہ خدا کی رحمت کے حصہ سے ہر وقت کلمے میں نہ رہا ہو یا کہ نہ لے سکے
ہے نہ گنہگار حساس کہ نہ سے پہلے لپکا سکے نہ گنہگار حساس جو کوئی گنہگار ہے خواہ وہ
کوئی سیاہی ہو یا سفیدی کا لونی ہو یا غیر کا لونی ہو خواہ..... لیکن سہل بات ہے۔

”میں کچھ شیخ نہیں سمجھتا“۔ لیکن سہل بات میں پارانے ضبط نہ ہوا تھا شیخ نے
اسے اپنی حوصل سے آغا کر دیا تھا کہ یہ وہی سے پھٹ چڑھا اس کی زور دہراؤ اور اس
لڑائی جی تو آہستہ آہستہ شیخ کے قریب آگیا حساس نے شیخ کے دامن کو پکڑ لیا
جیسے غم نے حالت میں پکڑے ہو کر مصائب انصاف کو قہار دکھا ہو.....

تمام حاضرین کی نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ یہ ایکن سہل بات تھا۔
یہاں کا ہر کاشیہاں سے معاشرہ کی فروع و اساس پر نہلا کی تھی جسے قانون کا خوف
اور کلابِ جرم سے باز نہ رکھ سکا تھا جسے قتل کے شہنائی گانے انسان نہ بھانپتے تھے جسے
وحشیانہ قہر و حماسہ کی حوصلہ بخار کر کے کلابِ جرم کے قدموں پر چڑھا سکا ہو سکا تھا جیسے
مسموم پیمانہ کا حلالی ہو کر اس کے قدموں میں لٹک رہا ہو۔

”میں کیا کروں؟ شیخ! میں کیا کروں؟“ لیکن سہل بات کے آنسوؤں آنکھوں سے نکل
فرش ہو رہے تھے۔ ”شیخ! کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو وہ بھولا نہیں ہوتا اور خدا کا
دامن رحمت نہ بھی ٹٹک نہیں ہے۔“ شیخ نے یہ کہتے ہوئے لیکن سہل بات کو فرش سے اٹھا کر
گئے سے لگا لیا اور لیکن سہل بات کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ہر اذیت کی کفر ادا کیا ہو۔

۔ یہ ذکرِ اللہ کی برکت کا پیارے دین ہے میرے داتا کی

شرِ لغت بھی کرتا جا دامن بھی پھیلاتا جا

پروفیسر یحییٰ عیسیٰ:

داتا گرامی الخصال کا دسی (ایڈیٹری۔ لیڈنگ ایڈیٹر۔ سارو۔ پنجابی تاریخ)

وہ کتب جن سے استفادہ کیا گیا

- ۱ قرآن پاک
- ۲ کتب احادیث
- ۳ ضیاء النبی
محمد کرم شاہ لاہوری
- ۴ سیرت رسول عربی
علامہ پروفیسر نور بخش قوکی
- ۵ سیرۃ المصطفیٰ
علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی
- ۶ رحمة للعالمین
قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- ۷ ضیائے ازدواج مطہرات
ایمان الہرکات محمد افضل امجدی
- ۸ ازدواج الرسول
نواز رومانی
- ۹ امہات المؤمنین سلام اللہ علیہن
قاری محمد رضا المصطفیٰ
- ۱۰ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن
محمد عبدالخالق قوکی
- ۱۱ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۱۲ جنتی زیور
قادی چشتی صاحب
- ۱۳ شانِ حضرت عائشہ
محمد رفیع خٹک
- ۱۴ عظمت سید المرسلین
سیالوی ایم اے
- ۱۵ ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن
- ۱۶ ضیاء القرآن
ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
- ۱۷ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۱۸ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۱۹ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۲۰ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۲۱ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۲۲ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۲۳ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۲۴ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۲۵ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۲۶ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۲۷ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۲۸ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد
- ۲۹ کتبہ گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ڈاکٹر عظیمہ عبدالکریم
- ۳۰ نورانی زیور
حضرت علامہ مولانا نور محمد

